تاریخ ادب اُردو (مصوّر)

(یعنی)

ہسٹری آف اُردو لٹریچر

مصنّفہ

عالی جناب رام بابو صاحب سکسینہ۔ ایم۔ اے ایل ایل بی۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے (لندن) ایم۔ آر۔ اے۔ ایس ایم ایے ایس۔ بی۔ ممبر ہندوستانی اکیڈمی یو پی۔ ڈپٹی کلکٹر۔

مصنّف اُردو شعراء زمانہ حال و اوراق پریشان

مترجمہ

جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے سابق ہیڈ ٹرانسلیٹر گورنمنٹ آف انڈیا

باہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ

مطبع منشی نولکشور واقع لکھنؤ میں طبع ہو کر شائع ہوئی

١

فہرست مضامین

حصۂ نثر

باب ۱۶

نثر اردو کا دور متوسط

فہرست تصاویر حصۂ نثر

تاریخ ادب اُردو

باب ۱۵

حصہ نثر

نثر اُردو کی ابتداء اور ترقی

فورٹ ولیم کالج کلکتہ

نثر اُردو کی تعویق آغاز کے اسباب

اُردو نثر کی ابتداء واقعی فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے ہوئی۔ شمالی ہند مین اُسکی عدم ترقی کی خاص وجہ یہ تھی کہ وہان فارسی کا رواج تھا۔ درباری اور تعلیم یافتہ شرفا کی زبان وہی تھی۔ مُراسلے کتابون کی تقریظین اور دیباچے یہ سب فارسی ہی مین لکھے جاتے تھے۔ اردو شعرا کے تذکرے جن مین اُنکے کچھ حالات بھی ہوتے تھے یہ بھی فارسی ہی مین ہوتے تھے۔ نثر کی شان یہ تھی کہ عبارت مقفی اور مسجع ظہوری اور بیدل کے طرز پر مروج تھی۔ اُس وقت کے اُردو نثر نگار ظہوری اور پنج رقعہ کی ایسی پیچیدہ اور مغلق عبارت لکھنے کے شایق تھے اور اسی قسم کی عبارت لکھنے مین ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے۔ فارسی کی مروجہ اقسام نثر یعنی مرجز، مقفی، مسجع، اور عاری اُردو مین بھی بے تکلف اختیار کیگئی تھین اور جب کبھی کوئی بات نثر مین لکھنا ہوتی تو وہ نہایت رنگین اور پر تکلف عبارت مین لکھی جاتی تھی۔ نظم کا عام رواج تہا یہانتک کہ خطوط بھی نظم مین لکھے جاتے تھے۔ نظم لکھنا قابلیت اور علمیت کی بڑی دلیل سمجھی جاتی تھی اور ایک پڑھے لکھے آدمی کا یہی تمغائے امتیاز تھا۔ نظم کا یہ عام رواج اور مقبولیت نثر کو بھی نظم نما بنائے ہوئے تھا۔ نثر بیچاری ایک گوشہ گمنامی مین پڑی ہوئی اپنی ترقی کا موقع دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ وہ دور نظم کے عروج کا دور تھا اور نثر کی طرف کسیکی توجہ نہ تھی۔ یہ اسباب اُسکی ابتدا کی تاخیر کے ہوئے۔ اور

ترجمہ ہوئی تھین - انہین کتابونمین فضلی کی دہ مجلس ہے جو بعہد محمد شاہ بادشاہ دہلی ۱۱۴۵ھ مطابق ۱۷۳۲ء
مین لکھی گئی - اسوقت مصنف کی عمر بائیس برس کی تھی جیساکہ وہ خود اس کتاب کے دیباچہ مین لکھتے ہین - یہ کتاب
فارسی کی روضۃ الشہدا کا ترجمہ ہے جو ملا حسین واعظ کاشفی کی تصنیف ہے - فضلی نے اسکے دیباچہ مین
لکھا ہے کہ میری بڑی تمنا تھی کہ یہ کتاب نہایت سہل اور عام فہم زبان مین جو اُسوقت مروج تھی لکھی جائے
مگر چونکہ مذہبی کتاب تھی اور میرے سامنے اس سے قبل کوئی نمونہ موجود نہ تھا لہذا مجھے اسکی تحریر مین بہت
پس و پیش تھا اسی حالت مین مین نے خواب مین سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ تشریف
لائے ہین اور آپنے میرے مشکلات کو حل کیا اور امداد فرمائی - فضلی نے جو مذہب امامیہ رکھتے تھے ایمہ معصومین
کی شان مین کچھ نظمین اور مرثیے بھی لکھے ہین مگر اُنکو کچھ شہرت نہین ہوئی - وہ مجلس جسمین اصل مین بارہ مجلسین
ہین نثر اردو کی ایک کامل کتاب تو نہین کہی جا سکتی البتہ وہ اُس زمانے کی اردو نثر کا ایک عمدہ نمونہ ہے - عبارت مین خامی
ہے جیساکہ ہر ابتدائی کام مین ہوا کرتی ہے جملے پیچیدہ پُر تصنع اور مقفیٰ ہین - اسیطرح ایک مختصر نمونہ اُس
زمانہ کی نثر اردو کا سودا کے کلیات کے شروع مین موجود ہے جس سے اس زمانہ کا رنگ بخوبی معلوم ہوتا ہے
زمانہ حال کی پابندی صرف و نحو اسمین بالکل نہین ہے صرف قافیہ دار الفاظ مثل نظم کے جملون
کے آخر مین رکھدیے گئے ہین - مضمون بھی تشبیہون اور استعارون سے مملو ہے ایسی عبارت صرف موزون
نہونے کی وجہ سے نثر کہی جا سکتی ہے ورنہ اسمین اور نظم مین کوئی فرق نہین ہے - انشا اور قتیل
کی دریائے لطافت گو فارسی مین ہے مگر نہایت دلچسپ کتاب ہے - اسمین اسوقت کے مختلف پیشہ ورون
کی بولیان مختلف رسوم و رواج اور معمولی بول چال و ضرب الامثال اور دلی اور لکھنؤ کی زبان کا فرق اور
متروکات قدیم اور مختلف ملکون کی زبان کا زبان دہلی و لکھنؤ مین شامل ہونے سے اثر وغیرہ وغیرہ درج
ہین -

نوطرز مرصع ترجمہ قصۂ چہار درویش مصنفہ ۱۷۹۸ء

دوسری مشہور کتاب اس عہد کی نوطرز مرصع ہے جسکو میر محمد عطا حسین خان متخلص بہ
تحسین نے امیر خسرو کے قصہ چہار درویش سے اردو مین ترجمہ کیا - اسکا سنہ تصنیف
۱۷۹۸ء ہے اور یہ نواب شجاع الدولہ کے عہد مین مکمل ہوا جن کی تعریف مین ایک قصیدہ دیباچہ کے

آخر مین دیا ہوا ہے مصنّف مذکور مرصّع رقم کے لقب سے مشہور تھے اور محمّد باقر خان شوق کے بیٹے اور ابوالمنصور خان صفدر جنگ کے دربار سے وابستہ تھے۔ بعد اُسکے وہ جنرل اسمتھ کے میر منشی مقرر ہوئے اور انہین کے ساتھ کلکتہ گئے جب صاحب موصوف ولایت گئے تو تحسین پٹنہ چلے آئے اور وہان وکالت کرنے لگے اپنے باپ کے انتقال کے بعد وہ پٹنہ سے فیض آباد آ گئے جہان نواب شجاع الدولہ کے ملازم ہو گئے یہ سلسلہ ملازمت نواب آصف الدولہ کے زمانہ تک قائم رہا تحسین علاوہ خوشنویس ہونے کے منشی بھی نہایت اچھے تھے چنانچہ "ضوابط انگریزی" جو اس زمانہ کی گورنمنٹ ہند کے قوانین کا مجموعہ ہے اور "تواریخ قاسمی" اُنکی تصنیف ہین یہ دونون کتابین فارسی مین ہین۔ "نوطرز مرصع" کی عبارت نہایت رنگین اور فارسی و عربی الفاظ سے مملو ہے غالباً یہی وجہ ہوگی کہ ڈاکٹر گلکرسٹ نے قصہ چہار درویش کا ایک دوسرا ترجمہ موسوم بہ "باغ و بہار" نہایت صاف اردو زبان مین میر امن دہلوی سے کرایا جسکا مفصل حال آگے آتا ہے۔

فورٹ ولیم کالج سے نثر اُردو کے تعلق کے اسباب

انگریزون نے ہندوستان مین اپنے تجارتی تعلقات کے سلسلہ مین بڑے بڑے قطعات ملک حاصل کر لیے تھے جن کے عمدہ انتظام کے واسطے ضروری تھا کہ اُنکے اعلیٰ عمال اس ملک کی زبان سے جس کا انتظام عاملانہ خواہ تاجرانہ اُنکے سپرد تھا اچھی طرح واقف ہو جائین تجارتی تعلقات یوماً فیوماً کم ہوتے جاتے تھے مگر انتظامی معاملات بڑھتے جاتے تھے۔ مترجم جن کے ذریعہ سے اہل ملک کی زبان اور خیالات کو یورپی عمال یا تجار سمجھ سکتے تھے اب بیکار ہو گئے تھے کیونکہ یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ کوئی قوم تاوقتیکہ مفتوح قوم کی زبان اور رسوم و رواج اور روایات تاریخی و مذہبی سے کماحقہٗ بلاواسطہ واقف نہوگی اُسپر پورے طور سے حکومت نہین کر سکتی۔ اور ان سب باتون کے لیے یہ ضروری تھا کہ حاکم اپنے محکومون کی زبان سیکھین۔ لہذا کورٹ آف ڈائرکٹرز نے یہ دیکھکر کہ اُنکے عمال ہندوستان مین اپنے فرایض منصبی محض دیسی زبانون کے نجاننے کیوجہ سے بہت بُری طرح سے ادھورے طریق پر ادا کرتے ہین یہ تاکیدی حکم دیدیا کہ آیندہ سے اُنکے حکام مقامی اپنے عمال کیواسطے دیسی زبانون کی کماحقہٗ واقفیت کو ضروری قرار دین۔ اسی کے ساتھ چونکہ بڑے بڑے قطعات ملک انگریزی عملداری مین داخل ہوتے جاتے تھے لہذا پارلیمنٹ انگلستان کو اب یہ محسوس ہونے لگا

کہ رعایا کی فلاح و بہبود اور تعلیم و ترقی کی ذمہ داری بھی ہمین پر عاید ہوتی ہے۔ چنانچہ اب اس کی کوشش ہونے لگی کہ جو رُکاوٹ خانہ جنگیون اور ملکی لڑائیون کیوجہ سے لوگونکے تعلیم مین پڑگئی تھی جسکی وجہ سے تعلیم کو بہت سخت صدمہ پہونچ رہا تھا اب دور ہوجائے۔ اسی اصُول پر تعلیم انگریزی کی اشاعت شروع ہوئی جس سے خیالات اور زبان دونون مین انقلاب عظیم پیدا ہونا شروع ہوا۔ جسکا اثر کہین نظم پر پڑا اور کہین نثر پر۔ مختصر یہ کہ تعلیم انگریزی نے ہندوستان کیواسطے وہی کیا جو اب سے پانچ چھہ سو برس پیشتر رنیاسانس (نشاۃ ثانیہ) نے یورپ کیواسطے کیا تھا۔ یہ قاعدہ ہے کہ ہر تغیر اور انقلاب کیساتھ اچھائیون کے ساتھ ساتھ کچھہ برائیان بھی ضرور آجاتی ہین مگر اس صورت مین اچھائیون کا پلہ بھاری رہا۔ یعنی اس تعلیمی تغیر سے دیسی زبانون کو بہت فائدہ پہونچا۔

ڈاکٹر جان گلکرسٹ ۱۷۵۹ء لغایت ۱۸۴۱ء

ڈاکٹر جان گلکرسٹ جو انیسوین صدی کے شروع مین فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے منتظم اعلے تھے نثر اُردو کے مربی (باپ) کہلائے جانے کے فی الحقیقت مستحق ہین انھین کی ان تھک کوششون سے ملک کی دیسی زبان یعنے اُردو مکمل ہوکر سرکاری زبان بننے کے لایق ہوئی اور اُسمین اتنی صلاحیت پیدا ہوگئی کہ تھوڑے ہی عرصہ مین فارسی کی جگہ وہ سرکاری اور درباری زبان قرار پائی۔ ڈاکٹر موصوف اسکاٹ لینڈ کے باشندے تھے ۱۷۵۹ء مین بمقام اڈنبرا پیدا ہوے جارج ہیریٹ کے درسگاہ مین جو اسی شہر مین واقع تھی تعلیم پائی ۱۷۸۳ء مین ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت مین بحیثیت ڈاکٹر داخل ہوئے۔ ابتدا ہی سے یہ خیال اُنکے دل مین راسخ تھا کہ انگریزی افسرون کو فارسی زبان کی اسقدر ضرورت نہین (جیسا کہ اُسوقت دستور تھا) جسقدر کہ ملک کی دیسی زبانون علی الخصوص زبان ہندوستانی کی ہے جو اسوقت ہر طبقہ اشخاص سے میل جول کے لئے سب سے زیادہ مشہور زبان سمجھی جاتی تھی گلکرسٹ نے خود اس معاملہ مین سبقت کی۔ اُنکی نسبت لکھا ہے کہ وہ ہندوستانی کپڑے پہنے ان مقامات مین جہان اردو بہت صحیح اور بامحاورہ بولی جاتی تھی برابر گھوما کرتے تھے۔ اور اردو کے علاوہ سنسکرت فارسی و دیگر مشرقی زبانون سے بھی باخبر تھے۔ انکی کامیابی کو دیکھکر دیگر ملازمین کمپنی کے دل مین بھی اُردو سیکھنے کا شوق پیدا ہوا مختصر یہ کہ انگریزون مین اُردو پڑھنے کا رواج اُسی وقت سے ہوگیا۔ لارڈ ولیسلی نے جو

اسوقت گورنر جنرل تھے اس تجویز کی اہمیت اور ضرورت پر نظر کرکے اور گلکرسٹ کے مفید کامون کے عمدہ
نتایج کو دیکھکر انکو مالی امداد بھی بہت دی اور فورٹ ولیم کالج کا افسر اعلی مقرر کردیا - یہ کالج سنہ ۱۸۰۰ء
مین اس غرض سے قایم ہوا تھا کہ اسمین کمپنی کے انگریزی ملازمین کو ملک کی دیسی زبانون مین تعلیم دیجاے
گلکرسٹ عرصہ تک اپنی جگہ پر نہ رہ سکے - علالت کیوجہ سے مستعفی ہوکر سنہ ۱۸۰۴ء مین پنشن لیکر ولایت
چلے گئے - زبان اردو سے انکو اسقدر عشق تھا کہ ایڈنبرا مین سنہ ۱۸۰۶ء تک قیام کرکے لندن آ گئے
جہان امیدواران انڈین سول سروس کو وہ مشرقی زبانون مین پرایوٹ طریق پر تعلیم دیا کرتے تھے - سنہ ۱۸۱۸ء
میں وہ اورنٹیل انسٹیوٹ مین زبان اردو کے پروفیسر مقرر ہوگئے جسکو اس سال ایسٹ انڈیا کمپنی نے
لندن مین قایم کیا تھا مگر سنہ ۱۸۲۵ء میں بند ہوگیا تھا - اسکے بند ہونیکے بعد بھی وہ تقریبًا سال بھر تک شایقین
زبان کو پرائیوٹ طور پر اردو پڑہاتے رہے اور اپنے بعد اپنی جگہ پر سینڈ فورڈ آرنو اور ڈنکن فوربس کو
جو مشہور مستشرق تھے مقرر کر گئے - گلکرسٹ کا انتقال ۸۲ برس کی عمر مین بمقام پیرس سنہ ۱۸۴۱ء مین ہوا - وہ
بہت سی کتب متعلقہ زبان ہندوستانی کے مصنف ہین جنکی پوری فہرست ڈاکٹر گریرسن نے اپنی
مشہور تصنیف "لنگوسٹک سروے آف انڈیا" (ہندوستانی زبانون کے نقشجات) کی جلد نہم مین دی
ہے - انکی بعض مشہور تصانیف کے نام یہ ہین (۱) انگریزی ہندوستانی ڈکشنری ۲ حصون مین -
مطبوعہ سنہ ۱۷۹۰ء (۲) اورنٹیل لنگوسٹ (مشرقی زباندان) جو زبان اردو کا آسان مقدمہ ہے مطبوعہ سنہ ۱۷۹۸ء
(۳) ہندوستانی گرامر مطبوعہ سنہ ۱۷۹۶ء (۴) ہندوستانی فلالوجی - گلکرسٹ ہی کے انتظام اور
ماتحتی مین ایک جماعت ہندوستانیون کی کالج مین قایم ہوگئی تھی جنہون نے نہ صرف انگریزون کے
پڑہنے کے واسطے درسی کتابین بلکہ زبان اردو و ہندی مین مستقل تصانیف نہایت اعلی درجہ کی
تصنیف کین سلطنت مغلیہ کی تباہی کے بعد بعض مشہور اہل زبان و اہل قلم اپنا وطن چھوڑ چھوڑ کر ڈاکٹر
گلکرسٹ کی شہرت اور فیاضی کا شہرہ سنکر کلکتہ پہنچ گئے تھے انہون نے ان سب کو نیز اکثر کلکتہ
کے لوگونکو اپنے کالج مین خوشی سے جگہ دی - ڈاکٹر گلکرسٹ کے ساتھ بعض اور مشہور افسرون مثلاً -
کپتان روبک کپتان ٹیلر ڈاکٹر ہنٹر وغیرہ کی خدمات بھی ضرور قابل تعریف ہین - ڈاکٹر گلکرسٹ

کے زمانہ مین مشہور ہندوستانی اہل قلم جو کالج مین جمع ہوگئے تھے حسب ذیل ہین - میر امّن افسوس حسینی -
لطف - حیدری - جوان - للو لال جی - نہال چند - اکرام علی ولا - سید محمد منیر - سید بشیر علی افسوس - اور
مداری لال گجراتی -

میر امّن دہلوی

میر امّن دہلوی متخلص بہ لطف دلّی کے رہنے والے تھے - انکے آبا و اجداد سلاطین مغلیہ
کے زمانہ مین وظایف اور جاگیر ونسے معزز وممتاز تھے - احمد شاہ دُرّانی نے جب دہلی پر حملہ کیا تو فوج
کی لوٹ مار مین میر امّن کا گھر بھی شامل تھا اور سورجمل جاٹ نے انکی خاندانی جاگیر پر قبضہ کرلیا تھا میر امّن
اس مصیبت مین دلّی سے نکلکر پٹنے پہونچے یہان کچھ عرصہ تک رہ کر کلکتہ روانہ ہوئے - جہان نواب
دلاور جنگ بہادر کے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خان کی تعلیم وتربیت انکی سپرد تھی - اسی زمانہ مین میر
بہادر علی حسینی نے انکا تعارف ڈاکٹر گلکرسٹ سے کرادیا جنکی فرمایش سے انہون نے اپنی مشہور ومعروف
کتاب قصہ چہار درویش لکھی جسکا تاریخی نام باغ وبہار ہے ۱۲۱۷ھ یہ قصہ اصل مین فارسی مین تھا اور اسکو
امیر خسرو دہلوی نے اپنے پیرومرشد حضرت نظام الدین اولیا کے بحالت علالت دل بہلانے
کیواسطے تصنیف کیا تھا - تھوڑے عرصہ کے بعد جب حضرت کو صحت ہوئی تو آپنے دعا دی کہ اس
قصہ کو جو کوئی سُنے گا وہ بحکم خدا بیماری سے شفا پائے گا - یہ قصہ فارسی مین بھی بہت مقبول ہے اور
اس کے دونون اردو ترجمے یعنی تحسین اور میر امّن کے ترجمے معہ دیگر تراجم کے جو ہندوستان کے اکثر دیسی
زبانون اور نیز غیر ملکی زبانون مین ہوئے ہین بہت مقبول ہین - یہ کتاب ۱۸۰۱ء مطابق ۱۲۱۶ھ مین ختم ہوئی
تحسین کے ترجمہ کو میر امّن نے اپنی زبان مین لکھا ہے کیونکہ اسمین اکثر غیر مانوس فارسی وعربی الفاظ
تھے جنکو میر امّن نے نکالدیا اور اپنی کتاب کو سقدر صاف سلیس بامحاورہ عبارت مین لکھا کہ بقول
سر سید مرحوم کے جو مرتبہ میر تقی میر کو نظم مین حاصل ہے وہی میر امن کو نثر مین ہے - یہ قصہ نہ صرف دلچسپ
ہے بلکہ اسمین اُس زمانہ کے رسم ورواج اور طرز معاشرت کے مرقعے نہایت وضاحت سے کھینچے گئے ہین -
دیباچے مین سبب تالیف کتاب اور اپنا حال لکھکر زبان اردو کی ایک مختصر سی تاریخ بھی بتادی ہے جو بنیاداً
صحیح نہین سمجھی جاسکتی - یہ عجیب بات ہے کہ کتاب باغ وبہار انگریزون مین بہت مقبول رہی ہے -

چنانچہ ابتک وہ انگریزی حکام کے اردو امتحانوں مین داخل درس ہے۔ علاوہ اس کتاب کے گنجینہ خوبی بھی میرامن کی تصنیف ہے جو ملا حسین واعظ کاشفی کی اخلاق محسنی کے طرز پر ۱۸۰۲ء مین تحریر کی گئی منشی کریم الدین کا خیال ہے کہ میرامن نے کوئی دیوان بھی ضرور مرتب کیا ہو گا مگر اُسکا کہین پتہ نہین۔ ڈاکٹر نیلن نے خود میرامنؔ کی زبانی سنا تھا کہ انکو کسی سے فن شعر مین تلمذ نہ تھا۔

افسوس ۱۷۳۵ء

لغایت ۱۸۰۹ء

میر شیر علی دہلوی متخلص بہ افسوس میر علی مظفر خان کے بیٹے تھے جو نواب میر قاسم کے سرکار مین داروغہ سلح خانہ تھے۔ یہ حضرت امام جعفر صادق کی اولاد مین تھے اور اُنکے آباؤ اجداد خاف کے رہنے والے تھے۔ انکے بزرگوںمین سے ایک شخص سید بدر الدین نامی نارنول مین جو آگرہ کے قریب ہے، سکونت گزین ہوئے۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد مین انکے باپ درچچا سید غلام علی خان آگرہ سے دلی آئے اور عمدۃ الملک نواب امیر خان کی سرکار مین ایک بیش قرار تنخواہ پر ملازمت اختیار کی افسوس دہلی مین پیدا ہوئے جبکو انکے بزرگون نے بطریق وطن کے اختیار کیا تھا۔ ۱۷۴۶ء مین جب نواب امیر خان کا انتقال ہوا تو افسوس کے والد پٹنہ چلے گئے، جہان نواب میر قاسم اور انکے بعد نواب میر جعفر کی ملازمت کرتے رہے۔ یہانتک کہ جب آخر الذکر معزول کئے گئے تو وہ لکھنؤ آگئے اور وہان سے حیدرآباد گئے جہان اُن کا انتقال ہوا۔ افسوس بھی اپنے والد کے ساتھ پٹنہ سے لکھنؤ آئے تھے اور چونکہ میلان طبیعت شعر و شاعری کیطرف بہت تھا اور فضلائے لکھنؤ مین ترانہ شاعری اسوقت گونج رہا تھا لہذا اُنھون نے بھی شعر کہنا شروع کر دیا۔ وہ اپنا کلام میر حیدر علی حیرانؔ کو دکھلاتے تھے اور بعض کہتے ہین کہ میر حسن۔ میر تقی۔ اور میر سوز سے بھی اصلاح لیتے تھے۔ لکھنؤ مین اُنکی سرپرستی نواب سالار جنگ بہادر اور انکے بعد انکے بیٹے نواب مرزا نوازش علیخان کرتے رہے لکھنؤ ہی کے قیام مین نواب حسن رضا خان نائب نواب آصف الدولہ کی وساطت سے افسوس کرنیل اسکاٹ صاحب سے ملے جنھون نے انکی قابلیت اور ذہانت و ذکاوت کو بہت پسند کر کے دو سو روپیہ مشاہرہ پر انکو کلکتہ بھیجا اور پانچسو روپیہ زادراہ کے لیے بھی عنایت فرمائے افسوس راستہ مین مرشدآباد مین مرزا علی لُطف صاحب گلشن ہند سے بھی ملے تھے۔ کلکتہ پہونچکر وہ فورٹ ولیم کالج کے زمرۂ اسٹاف مین ایک معزز عہدہ پر فایز

ہوے انکی تصانیف حسب ذیل ہین (۱) اردو ترجمۂ گلستان سعدی موسوم بہ باغ اردو جو کلکتہ مین پہلی مرتبہ سنہ ۱۸۰۲ء مین چھپا تھا اور نہایت قدر کی نگاہونسے دیکھا جاتا ہے۔ (۲) سنہ ۱۸۰۴ء مین انہون نے اپنی مشہور کتاب آرایش محفل لکھنا شروع کی جس مین علاوہ ہندوستان کے جغرافیائی حالات کے فتح اسلام تک ہندو راجاؤن کی ایک مختصر تاریخ بھی ہے اسکی تصنیف مین اکثر تاریخون سے مدد لیگئی مگر اُسکا اصلی ماخذ منشی سوجن رائے بٹیالوی کی خلاصۃ التواریخ ہے۔ انکے علاوہ افسوس نے میر بہادر علی کی نثر بے نظیر منشی عزت اللہ کی مذہب عشق اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کی بہار دانش کی تصنیف مین بھی مدد دی تھی اور کلیات سودا بھی اپنی تصحیح سے چھپوایا تھا۔ ان تصانیف کے علاوہ انکا ایک دیوان بھی ہے جو قدر کی نگاہونسے دیکھا جاتا ہے۔ افسوس کا انتقال سنہ ۱۸۰۹ء مین ہوا۔

میر بہادر علی حسینی ان کے مفصّل حالات معلوم نہین ہو سکے بہر طور اتنا معلوم ہے کہ وہ فورٹ ولیم کالج مین میر منشی تھے اور کتب ذیل کے مصنف ہین (۱) اخلاق ہندی جو ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمایش سے سنہ ۱۸۰۲ء مین لکھی گئی یہ ہتوپدیش کے ایک فارسی ترجمہ کا جو شاہ نصیر الدین بہاری کے حکم سے مفتی تاج الدین نے مفرح القلوب کے نام سے کیا تھا صاف اور سلیس اردو ترجمہ ہے (۲) نثر بے نظیر یعنی مثنوی میر حسن نثر مین جو سنہ ۱۸۰۲ء مین تصنیف اور سنہ ۱۸۰۳ء مین یعنی دو برس قبل اصل مثنوی کے شایع ہوئی (۳) رسالہ گلکرسٹ یعنے گلکرسٹ صاحب کی گرامر کا خلاصہ زبان اُردو کی صرف و نحو اور فن عروض کا رسالہ ہے مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۱۶ء (۴) ترجمہ تاریخ آسام مصنفہ شہاب الدین تالش جس مین اورنگزیب کے مشہور جرنیل میر جملہ کے حملۂ آسام سنہ ۱۶۶۲ء کا ذکر ہے حسب الحکم کولبرک صاحب ترتیب پایا۔ انکے علاوہ قصہ لقمان اور قرآن شریف کے ایک ترجمہ مین بھی حسینی نے شرکت کی تھی۔

سید حیدر بخش حیدری سیّد حیدر بخش حیدری سیّد ابو الحسن کے بیٹے دلّی کے رہنے والے تھے۔ ان کے آبا و اجداد نجف کے باشندے تھے۔ اِن کے والد لالہ سکھدیو راے کے ساتھ دلّی سے نکلکر بنارس پہنچے اور وہین سکونت اختیار کرلی۔ حیدر بخش اپنے والد کے ساتھ تھے۔ بنارس مین اسوقت نواب علی ابراہیم خان

متخلص بہ خلیل مصنف تذکرۂ گلزار ابراہیم عدالت انگریزی کے جج تھے - اُنکی سپردگی مین حیدری دیے گئے تاکہ نواب صاحب کے فیض صحبت سے اچھی طرح مستفیض ہون علوم مذہبی کی تعلیم اُنکی مولوی غلام حسین غازیپوری کے سایۂ عاطفت مین ہوئی جو نواب صاحب موصوف کی عدالت کے ایک سر برآوردہ مولوی تھے سنہ ۱۸۰۰ء مین یہ سنکر کہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ مین قابل منشیون کی مانگ ہے حیدری نے ایک کتاب موسوم بہ "قصہ مہر و ماہ" ترتیب دی جس کا سنہ تصنیف ۱۲۱۴ھ ہے اور اسکو ڈاکٹر گلکرسٹ کی خدمت مین بطور اپنی قابلیت کے نمونے کے پیش کیا - ڈاکٹر صاحب نے اُسکو بہت پسند کیا - اور حیدری کو کالج مذکور کی ایک منشی گری پر ممتاز کیا - حیدری کی اکثر تصانیف ہین جو زیادہ تر فارسی کتابون کے تراجم ہین - کتب ذیل زیادہ مشہور ہین (۱) قصۂ لیلیٰ مجنون - جو امیر خسرو کی اسی نام کی مثنوی کا اردو ترجمہ ہے یہ غالباً ملازمت کالج سے پیشتر تحریر ہوا تھا (۲) طوطا کہانی سید محمد قادری کے فارسی طوطی نامہ کا ترجمہ مصنفہ سنہ ۱۸۰۱ء بحکم ڈاکٹر گلکرسٹ صاحب - اصل مین یہ قصہ سنسکرت مین شوکا سپتتی کے نام سے تھا - فارسی مین اسی نام کی ایک کتاب جو باون قصون پر مشتمل تھی ضیائے نخشبی نے سنہ ۷۳۰ھ مین لکھی تھی جس سے یہ دوسرا طوطی نامہ پینتیس قصص کا سید محمد قادری نے سنہ ۱۰۹۰ھ مین مختصر اور صاف کر کے ترتیب دیا - یہ سب قصے مثل انگریزی کنگ آرتھر کے فسانون کے ہندوستان مین بہت مقبول ہوئے اور ان کے ترجمے مختلف زبانون مین مختلف اوقات مین ہوئے - مثلاً انگریزی مین اسمال صاحب نے سنہ ۱۸۷۵ء مین کیا - بنگلہ مین چنڈی چرن سیرام پوری نے سنہ ۱۸۰۶ء مین کیا اور طوطا اتہاس نام رکھا ہندی مین انبا پرشاد راسا نے - زبان دکنی مین نظم مین غواصی نے اور نثر مین ایک غیر معلوم شخص نے - ہندی مین اصل سنسکرت سے بھیرون پرشاد نے - گجراتی نظم مین سمالا بھٹ نے اور مرہٹی مین کسی غیر معلوم شخص نے (۳) آرایش محفل ترجمہ قصہ حاتم طائی اسکو میر شیر علی افسوس کی آرایش محفل سے خلط ملط نکرنا چاہئے - یہ قصہ سب سے پہلے سنہ ۱۸۱۸ء مین کلکتہ مین چھپا تھا اور اس کی زبان نہایت سلیس سہل اور دلچسپ ہے - اسکا ترجمہ بھی بنگلہ ہندی اور گجراتی مین ہوگیا ہے (۴) تاریخ نادری ترجمہ نادر نامہ منشی مرزا مہدی مرتبہ سنہ ۱۲۲۴ھ (۵) گل مغفرت جسکو انہین کے گلشن شہیدان کا خلاصہ سمجھنا چاہئے جو ملا حسین واعظ کاشفی کے روضۃ الشہدا کا ترجمہ ہے

اسکا دوسرا نام دہ مجلس بھی ہے۔ سنہ تصنیف ۱۸۱۲ء اور مقام طباعت کلکتہ ہے۔ اسکا ترجمہ زبان فرانسیسی مین بھی ہوگیا ہی (۶) گلزار دانش شیخ عنایت اللہ کی بہار دانش کا اردو ترجمہ جسمین عورتون کے مکر و کید کے قصے درج ہین (۷) ہفت پیکر نظامی کی مشہور مثنوی ہفت پیکر کا جواب مصنفہ ۱۸۰۵ء (۸) انکے علاوہ چند مراثی ایک دیوان غزلیات اور مجموعہ صد حکایات بھی انکی تصانیف سے ہین حیدری کا انتقال ۱۸۲۳ء مین ہوا جیسا کہ ڈاکٹر اسپرنگر نے فہرست کتب اودھ مین ذکر کیا ہے۔

مرزا کاظم علی جوان

اصل مین دلی کے باشندے تھے مگر لکھنؤ مین سکونت اختیار کر لی تھی جہان ۱۷۸۴ء مین وہ موجود تھے ان کا ذکر نواب علی ابراہیم خان نے اپنے تذکرہ گلزار ابراہیم مین کیا ہے جنکے پاس بنارس مین انہون نے اپنا کچھ کلام نمونتاً بھیجا تھا۔ سنہ ۱۸۰۰ء مین کرنل اسکاٹ صاحب نے ان کو منشی گری کی ایک جگہ دے کر لکھنؤ سے کلکتہ روانہ کیا تھا منشی بینی نارائن اپنے تذکرہ جہان مین جو ۱۸۱۴ء کی تصنیف ہے لکھتے ہین کہ یہ اسوقت زندہ تھے۔ بلکہ ۱۸۱۵ء مین جو مشاعرے فورٹ ولیم کالج کلکتہ مین ہوے تھے اسمین بھی یہ موجود پائے جاتے ہین۔ کتب ذیل انکی طرف منسوب ہین (۱) کالیداس کی مشہور کتاب شکنتلا ناٹک کا اردو ترجمہ جسکے دیباچہ مین بطور تمہید کے وہ لکھتے ہین۔ کہ کالیداس کی اصل کتاب کا ترجمہ برج بھاشہ مین ۱۷۱۶ء مین ایک شاعر نواز کبیشر نامی نے مولے خان پسر خدای خان سپہ سالار شہنشاہ فرخ سیر کے حکم سے کیا تھا اور ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمایش سے یہ ترجمہ برج بھاشہ سے زبان اردو ۱۸۰۱ء مین کیا گیا۔ اور اسپر نظر ثانی للولال جی کبشیر نے کی اور کلکتہ مین ۱۸۰۲ء مین طبع ہوا۔ (۲) قرآن شریف کا ایک اردو ترجمہ حسب فرمایش گلکرسٹ صاحب (۳) ترجمہ تاریخ فرشتہ متعلقہ خاندان بہمنی (۴) سنگھاسن بتیسی جسکی تصنیف مین للولال جی بھی شریک تھے (۵) بارہ ماسہ یا دستور ہند مطبوعہ کلکتہ ۱۸۱۲ء جسمین ہندوستان کی مختلف فصلون اور موسمون اور ہندؤن اور مسلمانون کے تہوارون کا ذکر ہے یہ کتاب بعد ترجمہ شکنتلا ناٹک کے تحریر ہوئی۔

جوان نے "خرد افروز" (جسکا حال آگے آتا ہے) اور میر و سودا کے کلام کے کچھ منتخبات بھی شایع کئے تھے انکے دو بیٹے عیان اور ممتاز بھی کسیقدر مشہور ہوئے۔

نہال چند لاہوری دلی مین پیدا ہوے مگر چونکہ لاہور مین زیادہ رہے اسوجہ سے لاہوری کے لقب سے مشہور ہین سنہ ۱۲۱۷ھ مین کلکتہ گئے تھے - انکے کچھ مزید حالات معلوم نہین سوائے اسکے جیسا کہ اپنی کتاب مذہب عشق کے دیباچہ مین وہ خود لکھتے ہین کہ کپتان ولورٹ نے ڈاکٹر گلکرسٹ سے انکا تعارف کرایا جنکی فرمایش سے انہون نے قصہ تاج الملوک و بکاولی کا ترجمہ فارسی سے اردو مین کیا - انکی تصانیف حسب ذیل ہین (۱) مذکورۂ بالا مذہب عشق (جو تاریخی نام ہے) معروف بہ قصہ گل بکاولی جو شیخ عزت اللہ بنگالی کے اسی نام کے فارسی قصہ مصنفہ سنہ ۱۱۳۴ھ کا اردو ترجمہ ہے - ایک دوسرا اردو منظوم ترجمہ اسی قصہ کا کسی شخص ریحان نامی نے سنہ ۱۲۱۲ھ مین کیا ہے جسمین چالیس باب ہین جو گلگشت کے نام سے موسوم ہین نیز ایک اردو مثنوی موسوم بہ تحفۃ المجالس اسی قصہ کی بہت قدیم موجود ہے یہ نام تاریخی ہے جس سے سنہ ۱۰۵۳ھ نکلتے ہین - اور اس سے بھی ایک قدیم تر نسخہ کا پتہ چلتا ہے جو زبان دکنی مین ہے جسکا سنہ تصنیف سنہ ۱۰۳۵ھ ہے - مگر ان سب سے زیادہ مشہور مثنوی گلزار نسیم ہے جسکا سنہ تصنیف سنہ ۱۲۵۴ھ ہے - مذہب عشق کا سنہ تصنیف ان تاریخون سے جو کتاب کے آخر مین دی ہوئی ہین سنہ ۱۲۱۷ھ اور سنہ ۱۸۱۳ عیسوی نکلتا ہے -

مظہر علیخان ولا مرزا لطف علی معروف بہ مظہر علیخان متخلص بہ ولا سلیمان علیخان وداد کے بیٹے دلی کے رہنے والے تھے - مرزا جان طپش اور مصحفی کے شاگرد تھے گلشن بیخار مین میر نظام الدین ممنون کو بھی انکا استاد لکھا ہے یہ بھی کلکتہ کے کالج مین منشی تھے اور اکثر تراجم انکی طرف منسوب ہین مثلاً (۱) پندنامہ سعدی کا اردو ترجمہ منظوم مصنفہ سنہ ۱۸۰۲ء (۲) ناصر علیخان بلگرامی واسطی کی ہفت گلشن کا ترجمہ جو اخلاق و مواعظ کی ایک کتاب ہے اور سات بابون پر مشتمل ہے - جو تاریخین اسکے آخر مین دی ہوئی ہین ان سے سنہ تصنیف سنہ ۱۸۰۱ء نکلتا ہے - اسمین اخلاقی حکایتین آداب گفتگو - بزرگون کی اطاعت و فرمانبرداری اور چند احادیث نبوی و اقوال حضرت علی رضی اللہ عنہ درج ہین (۳) قصہ مادہونل و کام کنڈلا جو موتی رام کبیشر کی برج بھاشہ کا اردو ترجمہ ہے سنہ تصنیف سنہ ۱۸۰۱ء ہے (۴) سورت کبیشر کی بیتال پچیسی بھاشہ کا اردو ترجمہ جو للو لال جی کی شرکت مین کیا گیا وجہ تسمیہ یہ ہے کہ پچیس قصے

کسی بیتال بھوت) نے راجہ بکرماجیت کے سامنے کہے تھے یہ ہندوستانی پبلک مین بہت مقبول ہے مگر اسمین کوئی ادبی ندرت نہین ہے (۵) فارسی تاریخ شیر شاہی کا ترجمہ جو بعد کو انگریزی مین بھی ہوگیا ہے (۶) ایک دیوان ریختہ تقریبا ساڑھے تین سو صفحات کا جس مین غزلیات قصاید رباعیات وغیرہ معہ سوانحعمری مصنف کے ہین۔ اسکا ایک نسخہ خود مصنف نے بطور یادگار کے فورٹ ولیم کالج کو سنہ ۱۸۱۰ء مین دیا تھا۔

حفیظ الدین احمد انہون نے خرد افروز کے نام سے سنہ ۱۸۰۳ء مین ابوالفضل کی عیار دانش کا اردو ترجمہ کیا۔ اور عیار دانش خود ملا حسین واعظ کاشفی کی انوار سہیلی کی تلخیص اور انوار سہیلی کلیلہ و دمنہ عربی کا ترجمہ ہے جو سنسکرت سے ماخوذ ہے۔ انہین قصون کا ایک ناتمام ترجمہ انوار سہیلی سے ایک شخص مرزا مہدی نامی نے کیا تھا جو کپتان ناکس کے منشی تھے اور انکے ساتھ کلکتہ اور گیا گئے تھے۔ کپتان ناکس نے گیا مین ایک مشہور داستان گو ہینگا خان نامی سے بھی اسی کتاب کا ترجمہ کرایا تہا۔ اور ان دونون کو مقابلہ کرکے مرزا مہدی کے ترجمے کو ترجیح دی تھی۔ انوار سہیلی کا ایک ترجمہ دکھنی زبان مین بھی موجود ہے جو ایک شخص مسمی محمد ابراہیم بیجاپوری کی تصنیف ہے اور مدراس مین سنہ ۱۸۲۴ء مین چھپا ہے۔ بستان حکمت فقیر محمد خان گویا کی بھی اسیکا ترجمہ ہے اور یہی سب سے بہتر ہے۔ نواب امیر علی خان واسطی نے سنہ ۱۸۷۲ء مین ایک مختصر ترجمہ ستارۂ ہند کے نام سے کیا تھا اور ایک منظوم ترجمہ موسوم بہار رنگ راے منشی بہاری لال رمز بہر تہوری نے سنہ ۱۸۷۹ء مین کیا تھا۔

مولوی اکرام علی انہون نے عربی کی مشہور و معروف اخلاقی کتاب اخوان الصفا کا اردو مین ترجمہ کیا۔ اصل کتاب کے خاتمہ پر کشف الظنون کا حوالہ دیکر یہ لکھا ہے کہ رسایل اخوان الصفا کو جو تعداد مین اکاون تہا ہین اشخاص ذیل نے تحریر کیا۔ محمد بن نصر البستی معروف بہ مقدسی۔ ابوالحسن علی بن ہارون الزنجانی۔ ابو احمد النہر جوری عوفی۔ زید بن رفاعہ اور یہ سب کے سب حکیم تھے۔ اس پوری کتاب کا ترجمہ انگریزی مین ڈاکٹر ڈیٹرس نے سنہ ۱۸۵۸ء لغایت سنہ ۱۸۷۹ء مین کیا مولوی صاحب موصوف نے اردو مین صرف اسقدر حصّہ کا ترجمہ کیا ہے جسمین کہ حیوانات اور انسان کی برتری کا سوال شاہ جن کے سامنے پیش کیا گیا ہے مختصر

مضمون یہ کہ جانور اپنے مالک انسان کے ظلم و تعدی سے عاجز آ گئے ہین اور انہون نے اپنا یہ مرافعہ بادشاہ اجنّہ کے پاس جسکا نام بیوراسپ ہے پیش کیا ہے اس مقدمہ کے فیصلہ کا ایک دن مقرر کیا گیا ہے جس مین سب جانور جمع ہوئے ہین اور ہر ایک اپنے اپنے فضائل و فوائد اور یہ کہ وہ انسان کو کیا نفع پہونچاتا ہے اور انسان اُس کے ساتھ کیا بدسلوکی کرتا ہے بیان کرتا ہے چنانچہ گھوڑے گدھے۔ اونٹ اور بھیڑی کے بیان یکے بعد دیگرے لئے جاتے ہین جو سب ایسے ہی دلچسپ ہیں جیسے کہ کنگزلی کی مشہور انگریزی کتاب ایوننگز ایٹ ہوم۔ یہ ترجمہ کپتان ٹیلر صاحب کی فرمایش سے نہایت سلیس اور آسان اردو مین کیا گیا اور ۱۸۱۰ء مین شایع ہوا۔ کپتان لاکٹ کی سفارش سے جو اُسوقت فورٹ ولیم کالج کے افسر اعلے تھے مولوی اکرام علی ۱۸۱۲ء مین محافظ دفتر مقرر ہوئے تھے۔

للولال جی یہ گجراتی برہمن تھے مگر شمالی ہند مین سکونت گزین ہو گئے تھے۔ باوصف اسکے کہ ہندو تھے مگر اردو کے بھی بڑے ماہر تھے چنانچہ شکنتلا ناٹک۔ سنگھاسن بتیسی۔ بیتال پچیسی اور قصہ مادھونل کی تصنیف مین انہون نے اصل مصنفون کو بہت مدد دی تھی جسکا حال اوپر بیان ہوا۔ علاوہ اسکے ۱۸۱۰ء مین انہون نے ایک کتاب زبان ہندی مین لطیف حکایات کی تصنیف کی جو "لطایف ہندی" کے نام سے مشہور رہے۔

بینی نرائن بینی نرائن متخلص بہ جہان دیوان جہان کے مصنف ہین جسمین ایک تذکرہ ہندوستانی شعرا کا بھی شامل ہے جو کپتان روبک صاحب سکرٹری فورٹ ولیم کالج کی فرمایش سے ۱۸۱۲ء مین لکھا گیا اور انہین کے نام پر معنون بھی ہے۔ اسکے علاوہ انہون نے ایک فارسی قصے کا ترجمہ "چار گلشن" کے نام سے کیا جسمین بادشاہ کیوان اور فرخندہ کے حالات درج ہین۔ یہ قصہ ۱۸۱۱ء مین منشی امام بخش کے ایما و اصرار سے تیار کیا گیا اور کپتان ٹیلر صاحب کے سامنے پیش کیا گیا جنھون نے اسکو پسند کر کے مصنف کو انعام سے سرفراز کیا اور اسکی اصل کتبخانہ کالج مین داخل کرا دی گارسن ڈیٹاسی کی تحقیق ہے کہ انہون نے شاہ رفیع الدین صاحب کی تنبیہ الغافلین کا بھی ترجمہ اردو مین ۱۸۲۹ء مین کیا۔ وہ یہ بھی لکھتے ہین کہ بینی نراین مسلمان ہو گئے تھے اور مولانا سید احمد صاحب بریلوی سے بیعت بھی کر لی تھی۔

مرزا علی لطف کاظم بیگ خان کے بیٹے تھے جو استرآباد کے رہنے والے تھے اور ۱۱۵۲ھ مین نادر شاہ کی ہمراہی مین آئے تھے اور بعد کو ابو المنصور خان صفدر جنگ کی وساطت سے دربار شاہی دہلی مین داخل ہو گئے لطف فارسی مین بھی شعر کہتے تھے اور اپنے باپ کے شاگرد تھے جنکا تخلص ہجر یا ہجری تھا۔ اُردو شاعری کی نسبت لطف کا خود بیان ہے کہ مین کسیکا شاگرد نہین ہون دکن حیدرآباد کے سفر کے ارادہ سے نکلے تھے کہ ڈاکٹر گلکرسٹ نے انکو روک لیا۔ اور انکا مشہور تذکرہ "گلشن ہند" لنسے لکھوایا چنانچہ اس قصہ کا ذکر انہون نے اپنے تذکرہ کے دیباچے مین کیا ہے۔ اسکا سنہ تصنیف ۱۸۰۱ع اور ماخذ نواب علی ابراہیم خان کا تذکرہ گلزار ابراہیم ہے گو کہ اسمین بہت کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ بالکل نایاب تھا جب حیدرآباد مین طوفان عظیم آیا تو اسکی ایک جلد موسیٰ ندی مین بہتی ہوئی جا رہی تھی اتفاقاً وہ کسی قدردان کے ہاتھ آئی اور اب وہ ایک نہایت نفیس مفید اور دلچسپ مقدمہ کے ساتھ مولوی عبد الحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اردو کے اہتمام سے شایع ہو گیا ہے۔ یہ تذکرہ نہایت دلچسپ ہے اسوجہ سے کہ اُس زمانہ کا طرز تحریر اسوقت کے مشہور مشہور شاعرون کے دلچسپ حالات؛ جنسے کہ مصنف سے ملاقات ہوئی اور اسوقت کی سوسائٹی کے مرقعے اسمین موجود ہین۔ ہر چند کہ صحت واقعات کے لحاظ سے یہ بہت زیادہ قابل وثوق نہین اور عبارت بھی ضرورت سے زیادہ پرتکلف و پر تصنع مسجع و مقفی ہے۔

مولوی امانت اللہ انکا تخلص شیدا تھا انہون نے اخلاق جلالی کا ترجمہ "جامع الاخلاق" کے نام سے کپتان جیمس مونٹ صاحب کے حکم سے ۱۸۰۵ع مین کیا۔ دیباچے مین کپتان مذکور اور نیز گورنر جنرل مارکوئس آف ولزلی کی نہایت مبالغہ آمیز الفاظ مین تعریف ہے۔ مولوی امانت اللہ نے ۱۸۰۴ع مین کتاب ہدایت الاسلام زبان عربی و اردو تحریر کی جسکا ترجمہ خود گلکرسٹ صاحب نے انگریزی مین کیا۔ ۱۸۱۰ع مین انہون نے ایک منظوم صرف و نحو اردو موسوم بہ "صرف اردو" تصنیف کی۔

اس عہد کے دیگر منشی اور نثار علاوہ اِن لوگون کے جن کا ذکر اوپر ہوا اس عہد کے بعض دیگر منشی و نثار یہ تھے۔ سید جعفر علی حیران لکھنوی۔ افتخار الدین شہرت۔ عبد الکریم خان کریم دہلوی۔ مرزا ہاشم علی عیان۔ مرزا قاسم علی ممتاز۔ میر عبد اللہ مسکین۔ مرزا جان طپش۔ مولوی خلیل علیخان اشک اور مرزا محمد فطرت۔

اشک نے سنہ ۱۸۱۰ء مین اکبر نامہ کا ترجمہ "واقعات اکبر" کے نام سے تیار کیا مگر وہ شایع نہین ہوا طپش نے ایک کتاب اردو محاورات پر لکھی اور سنہ ۱۸۱۱ء مین ایک طویل مثنوی بہار دانش کے نام سے لکھی - انکا کلیات فورٹ ولیم کالج کیطرف سے شایع ہوگیا ہے -

تراجم قرآن شریف از مولانا شاہ ولی اللہ و شاہ عبد العزیز و شاہ عبد القادر و شاہ رفیع الدین

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی مشہور محدث و صوفی اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسوین صدی کے شروع مین ہوئے ہین انکے متعدد تصانیف ہین جنمین حجۃ اللہ البالغہ - اور ازالۃ الخفا عن سیرۃ الخلفا - نہایت مشہور و ممتاز ہین انکے بڑے صاحبزادہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب بھی علم و فضل اور زہد و تقوی مین اپنے والد بزرگوار سے کم نہ تھے - انکا انتقال سنہ ۱۲۳۹ھ مین ہوا - دوسرے صاحبزادے مولانا شاہ رفیع الدین سنہ ۱۲۳۳ھ بھی نہایت جید عالم تھے جنھون نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ قرآن شریف کا سب سے پہلا اردو ترجمہ کیا تیسرے صاحبزادے مولانا شاہ عبد القادر تھے (سنہ ۱۲۳۰ھ) جو اپنے علم و فضل اور کمالات ظاہری و باطنی کے واسطے مثل اپنے پدر بزرگوار اور برادران محترم کے مشہور تھے - انھون نے سنہ ۱۲۰۵ھ مین ایک دوسرا اردو ترجمہ قرآن شریف کا کیا اور ایک تفسیر موضح القرآن کے نام سے تصنیف کی - انکا ترجمہ نہایت سلیس سادہ اور بامحاورہ اردو مین ہے جس سے انکا تبحر علمی بدرجہ اتم ظاہر ہے - یہ ترجمہ اسقدر مقبول ہوا اور اتنا کہ مولوی نذیر احمد صاحب اپنے ترجمہ قرآن شریف مین انکی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ شاہ صاحب کا پورا خاندان اس علمی خدمت کے واسطے مشہور ہے اور حق یہ ہے کہ یہ حضرات مترجمین متاخرین کے واسطے کچھ نہین چھوڑ گئے کیونکہ ان لوگون کے تراجم اصل مین قرآن شریف کے تراجم نہین ہین بلکہ خاندان شاہ ولی اللہ کے تراجم کے تراجم ہین - ہمارے نزدیک شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمے فی الحقیقت اس تغیر عظیم کا پتہ دیتے ہین جو زبان اردو مین ہونے والا تھا جبکہ فارسی کا انحطاط ہو رہا تھا

مولوی محمد اسماعیل دہلوی

مولوی عبد الغنی کے بیٹے اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے پوتے تھے - ذہانت اور رسائی فکر مین یگانۂ روزگار اور اپنے عہد کے بہت بڑے عالم باعمل تھے - سید احمد مجاہد بریلوی کے ہمراہ جہاد کی نیت سے نکلے مگر قلعہ بالاکوٹ ملک پنجاب کے قریب شربت شہادت

سے سیراب ہوے یہ واقعہ ۱۲۴۶ھ کا ہے ۔ شاہ نصیر نے اس واقعہ کو مذاق کے طور پر ایک قصیدہ کی صورت مین لکھا تھا ۔ جسکے دو شعر یہ ہین ۔

کلام اللہ کی صورت ہوا دل اُنکا سیپارہ　　　　نہ یاد آئی حدیث اُنکو نہ کوئی نصِ قرآنی

ہرن کی طرح میدانِ وغا مین چوکڑی بھولے　　　　اگرچہ تھے دُمِ شملہ سے وہ شیرِ نیستانی

جب اس قسم کے طنز آمیز اشعار اُنکے مریدون نے سنے تو وہ شاہ نصیر کے مکان پر چڑھ دوڑے اور اُنکی خوب خبر لینا چاہی ۔ مرزا خانی[۱] کوتوال شہر کو جب اسکی خبر ہوئی تو وہ موقع واردات پر پہونچے اور شاہ صاحب کو اُن لوگون سے چھڑا یا ۔ مولانائے موصوف کی مشہور تصانیف حسب ذیل ہین ۔ رسالہ توحید ۔ صراط مستقیم ۔ تنویر العینین تقویتہ الایمان وغیرہ ۔

ترتیب صرف نحو ولغات اردو

کتب درسیہ اور تراجم کے علاوہ ترتیب صرف و نحو و تراجم کے اوپر بھی پوری توجہ مبذول کیگئی ۔ کتب مذکورہ ذیل اُن یورپین اصحاب کی تصنیف و تالیف ہین جنکو زبان اردو کی ترقی سے بہت دلچسپی تھی ۔ سب سے پہلی ہندوستانی گرامر وہ ہے جو ۱۷۱۵ع میں جان جوشوا کیٹلر نے تصنیف کی تھی جو بزمانہ شاہ عالم و جہاندار شاہ یعنی ۱۷۱۲ع مین مملکت ہالینڈ کی طرف سے ہندوستان مین سفیر تھے ۔ انہون نے آگرہ لاہور دہلی وغیرہ کی بھی سیر کی تھی اور ۱۷۱۶ع مین اپنے ملک کی طرف سے ایران میں بھی سفیر ہوئے تھے ۔ انہون نے ہندوستانی زبانکی ایک لغت تیار کی جسکو ایک انگریز ڈیوڈ مل نے ۱۷۴۳ع مین شایع کیا ۔ کیٹلر مذکور کی گرامر مین نہ صرف ہندوستانی افعال کی گردانین ہین ۔ بلکہ احکام عشرۂ تورات اور "لارڈس پریر" کا ترجمہ بھی اردو مین کیا ہے ۔ ۱۷۴۴ع مین ایک مشہور جرمن پادری شلز نامی نے ایک دوسری ہندوستانی گرامر موسوم بہ "گرامٹیکا ہندوستانی کا" زبان لاطینی مین تیار کی جسمین ہندوستانی الفاظ بخط عربی و فارسی معہ خط انگریزی کے تحریر کیے ۔ اسی سنہ مین مل نے ہندوستانی حروف تہجی اور کچھ ہندوستانی الفاظ کے اوپر ایک رسالہ لکھا ۔ ۱۷۴۸ع میں بھی اسی مضمون کی

---

[۱] یہ مرزا خانی راقم آثم (مترجم) کے دادا تھے جنکی تعریف مین اسی قصیدہ مین بطور شکریہ کے شاہ صاحب نے یہ شعر کہا ہے ؎ نصیر الدین بیچارہ تو رستہ طوس کا لیتا ۔ نہوتے شحنۂ دہلی اگر یان میرزا خانی (دیکھو آب حیات ذکر شاہ نصیر) ۔

ایک کتاب جی اے فرگسن نے تصنیف کی جسمین ہندوستانی حروف تہجی کا دوسرے ممالک کے حروف
سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور ۱۷۶۱ء مین اسی قسم کی ایک تیسری کتاب ایک اٹالوی پادری کیسیانو بیلی گاٹی
نے تصنیف کی جسکا نام "الفابیٹم برہمانکم" رکھا۔ اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسمین ہندوستانی
حروف اپنی خاص شکل مین ٹائپ مین لکھے گئے ۱۷۷۲ء مین ہیڈلی کی گرامر اور ۱۷۷۸ء مین زبان بنگالی
مین ایک ہندوستانی گرامر موسوم بہ "گرامیٹکا اندوستانا" چھپین۔ اسکے بعد ڈاکٹر گلکرسٹ کی تصانیف
کا زمانہ آتا ہے جنہون نے نہایت تلاش اور شوق سے متعدد رسائل گرامر اور لغات اور فرہنگین اور
تحقیقات زبان کے متعلق دوسری کتابین تصنیف کین اور چھپوائین انکی مدت تصنیف ۲۰ برس ہے
اور ۱۷۸۵ء سے شروع ہوتی ہے۔ اُنہون نے تقریبًا پندرہ کتابین متعلق بہ صرف و نحو و علم الالسنہ
و لغات و تراجم و امثال وغیرہ تصنیف کین۔ اکثر ہندوستانی منشی اور پنڈت جو فورٹ ولیم کالج مین
ملازم تھے اُنکے ساتھ بھی یہ شریک تصنیف رہے۔ اِسکے علاوہ اُن کی نگرانی مین متعدد عمدہ عمدہ
ادبی کتابین تیار ہوئین۔ مختصر یہ کہ اس عہد کی تصنیفات و تالیفات کے وہ روح رواں تھے۔
اور علاوہ علمی قابلیت و استعداد کے ایسے خلیق متواضع اور ہمدرد واقع ہوئے تھے کہ مختلف اقطاع
ملک سے قابل قابل لوگ انکی قدردانی کا شہرہ سُنکر اُن کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ اُنکی سب سے زیادہ
مشہور تصنیف ایک انگریزی ہندوستانی ڈکشنری مطبوعہ ۱۷۹۸ء اور ایک ہندوستانی گرامر مطبوعہ ۱۸۰۹ء
ہین۔ اسیطرح کپتان ٹیلر اور ڈاکٹر ہنٹر نے بھی ایک ہندوستانی انگریزی ڈکشنری ۱۸۰۸ء مین اور
مولوی امانت اللہ نے ایک مختصر ہندوستانی صرف و نحو منظوم موسوم بہ صرف اردو ۱۸۱۰ء مین تصنیف
کین۔ جان شیکسپیر کی ہندوستانی گرامر ۱۸۱۳ء مین اور ہندوستانی انگریزی ڈکشنری ۱۸۱۷ء مین شائع
ہوئین۔ کپتان پرائس اور سٹیس نے بھی ہندوستانی کتابین لکھین گارسن ڈیٹاسی مشہور مستشرق فرانس
نے زبان اردو کے متعلق متعدد کتابین زبان فرانسیسی مین تصنیف کین اور ڈنکن فاربس نے اپنی متعدد
تصانیف سے جو از قسم گرامر اور لغت ہین اور نیز اردو کی قدیم کتابون کو ایڈٹ کرکے زبان اردو کو ممنون احسان
کیا۔ مسٹر ولیم ہانٹیر بانی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اور ڈاکٹر فیلن نے بھی نہایت مفید کتابین بصورت گرامر اور

لغت کے تصنیف کپتان پلیٹ کی گرامر ۱۸۷۴ء مین اور ڈکشنری ۱۸۸۴ء مین اور پادری کریون صاحب کی مختصر ڈکشنری ۱۸۸۱ء مین چھپکر نکلین اور یہ سب کتابین طلبار کے لئے نہایت مفید سمجھی جاتی ہین۔

ہندوستانیونکی مرتب کردہ لغات و دیگر کتب

اب دیکھنا چاہیئے کہ خود ہندوستانیون نے اپنی زبانکی ترقی و تدوین مین کیا حصہ لیا۔ انشا اور قتیل کی متحدہ تصنیف "دریائے لطافت" جسکو زبان اردو کی سب سے زیادہ مشہور اور قدیم صرف ونحو کی کتاب سمجھنا چاہیے ۱۸۰۷ء مین تحریر اور ۱۸۴۸ء مین بمقام مرشد آباد پہلی بار شایع ہوئی۔ منشی محمد ابراہیم نے ایک اردو کی صرف ونحو معروف بہ تحفہ الفنسٹن ۱۸۲۳ء مین لکھی مولوی احمد علی دہلوی کا رسالہ "چشمہ فیض" اردو کی صرف ونحو پر ۱۸۴۵ء اور مولوی امام بخش صہبائی کا ترجمہ حدایق البلاغت ۱۸۴۹ء اور منشی کریم الدین کی قواعد المبتدی۔ نثار علی بیگ فیض اللہ خان اور محمد احسن کے رسالجات صرف ونحو مولوی محمد حسین آزاد کی کتاب "جامع القواعد" مطبوعہ لاہور ۱۸۴۵ء۔ جلال کی "گلشن فیض" مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۸۰ء جو ایک اردو ہندی الفاظ ومحاورات کی تحقیق کی لغت ہے یہ سب اسی زمانے کی تصنیف ہین۔ زمانہ حال کی تصنیفات مین منشی امیر احمد صاحب کی مشہور لغت امیر اللغات (جو افسوس ہے کہ ناتمام ہے) مولوی سید احمد دہلوی کی فرہنگ آصفیہ چار جلدین جو سالہا سال کی کاوش ومحنت کا بہت اچھا نتیجہ اور حضور نظام کی سرپرستی اور دریادلی کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ اور مولوی نور الحسن صاحب نیر کاکوروی کی نور اللغات قابل ذکر ہین۔ انجمن ترقی اردو نے ایک مختصر رسالہ صرف ونحو ایک نئے طریقہ سے ترتیب دیا ہے۔ مگر ہماری ناچیز رائے مین باوجود ان تمام کتب کے جنمین سے اکثر فی زماننا موجود ہین پھر بھی ایک مکمل سائینٹفک اردو گرامر کی اب بھی سخت ضرورت ہے۔ نیز یہ کہ اگر اس زمانہ کے فضلا کمر ہمت باندھ لین اور امیر اللغات کی باقی جلدین پوری کردین اور کوئی دریادل رئیس اسکی طباعت کا اہتمام کردے تو اس مین شک نہین کہ اس کتاب کے تکمیل سے زبان اردو کی نہایت معقول اور عمدہ خدمت سرانجام پائیگی۔

عیسائی پادریون کے کارنامے زبان اردو کی توسیع وترقی مین

سب سے قدیم اردو ترجمے بائبل کے وہ ہین جو جمن شلز اور کالنبرگ نے ۱۷۴۸ء لغایت ۱۷۵۸ء مین کئے مرزا محمد فطرت اور دیگر کالج کے منشیون نے عہد جدید کا

ترجمہ اردو مین کیا جو نظر ثانی ڈاکٹر ہنٹر ۱۸۰۵ء مین کلکتہ سے شایع ہوا اسیطرح سیرام پور کے پادریون نے بھی بائیبل کے ترجمے اردو ہندی مین نکالے۔ پادری مارٹن نے ۱۸۱۴ء مین عہد جدید کا ترجمہ زبان یونانی سے اردو مین کیا جسپر مرزا محمد فطرت نے نظر ثانی کی۔ پوری بائیبل کا ترجمہ سیرام پور کے پادریون نے پانچ جلد دن مین ۱۸۱۶ء لغایت ۱۸۱۹ء مین شایع کیا۔ پادری لوگ نے مطالب عوام الناس پر دلنشین کرنیکے واسطے انہین کی زبان مین اپنی تحریرین اور تقریرین کرتے تھے اور اشاعت دین کی غرض سے متعدد رسالے پمفلٹ اور اخبار وغیرہ نکالتے تھے جنمین مذہبی ایتون اور گیتو نکے علاوہ بہت سی مفید چیزین بھی شامل ہوتی تھین جنسے زبان کو بہت وسعت اور ترقی حاصل ہوئی۔

باب ۱۶

نثر اردو کا دور متوسط اور دور جدید

مطبوعات لکھنؤ ہرچند کہ نثر اردو کی ابتدا فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے ہوئی تھی۔ مگر لکھنؤ بھی جو دلی کی تباہی کے بعد علم و ادب اور شعر و سخن کا مرکز بنگیا تھا نثر نگاری مین فورٹ ولیم کالج سے کچھ کم نرہا کتب ذیل سب اسی اشرف البلاد کی طباعت کی یادگار ہین بستان حکمت کلیلہ و دمنہ۔ گل بکاولی۔ گلشن نوبہار گل و صنوبر۔ نورتن مصنفہ محمد بخش مہجور شاگرد جرأت وغیرہ وغیرہ۔

فقیر محمد خان گویا۔ بستان حکمت ۱۲۵۱ھ نواب فقیر محمد خان لکھنؤ کے ایک نامور رئیس اور فوج شاہی کے ایک مشہور رسالدار تھے حسام الدولہ خطاب اور گویا تخلص کرتے تھے ناسخ کے شاگرد تھے مگر خواجہ وزیر سے بھی اصلاح لیتے تھے۔ صاحب دیوان ہین گو کہ دیوان انکے مرنیکے ایک عرصہ کے بعد مطبع منشی نولکشور لکھنؤ مین چھپا۔ گویا کا انتقال ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۵۰ء مین ہوا۔ انکی تصنیف بستان حکمت انوار سہیلی کا مشہور ترجمہ ہے جو ۱۲۵۱ھ مین ختم ہوا اور شیخ ناسخ نے تاریخ کہی جسکا مصرع تاریخ یہ ہے ع

خرد گفت بستان سیراب حکمت۔ سبب تالیف اس کا مصنف یون بیان کرتے ہین کہ ایکدن بندہ اور

خواجہ وزیر اور میان فرخ شاعر کہ یہ دونون شیخ ناسخ کے شاگرد تھے، اور چند احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور انوار سہیلی کا ذکر ہو رہا تھا۔ اور سب لوگ اسکی تعریفین کر رہے تھے کہ اثناے گفتگو مین سب اہل محفل نے مصنف سے اصرار کیا کہ اکثر زبانون مین اس کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے اگر تم اردو مین ترجمہ کرو تو خوب چیز ہو۔ غرضکہ ان لوگون کے اصرار پر مصنف نے کمر ہمت باندھی اور ترجمہ شروع کر کے انجام کو پہونچایا۔ اگر کتاب کو بالاستیعاب پڑھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ترجمہ لفظی نہین ہے بلکہ موقع موقع پر ایجاز و اطناب کو دخل دیا ہے البتہ عربی و فارسی الفاظ بہ کثرت ہین اور زبان بھی شگفتہ اور سلیس نہین۔ عربی الفاظ اور امثال بکثرت استعمال کئے گئے ہین جس سے کہین کہین عبارت بے مزہ اور مغلق ہوگئی ہے۔ مگر یہ بات قابل توجہ ہے کہ عبارت مقفیٰ اور مسجع نہین جیساکہ سرور کی فسانہ عجائب کی ہے۔ مختصر یہ کہ یہ کتاب ایک زمانہ مین مقبول تھی مگر اب لوگ اسکو کم پڑھتے ہین۔

مرزا رجب علی بیگ سرور
متوفی سنہ ۱۲۸۶ھ

لکھنؤ کے سب سے قدیم اور مشہور نثار مرزا رجب علی بیگ سرور ایک جامع الکمالات شخص تھے باپ کا نام مرزا اصغر علی بیگ تھا۔ سنہ ۱۲۰۱ھ یا سنہ ۱۲۰۲ھ مین لکھنؤ مین پیدا ہوئے اور وہین نشو و نما اور تعلیم پائی۔ عربی و فارسی مین اچھا دخل رکھتے تھے اور اپنے زمانہ کے مشہور خطاطون مین شمار کئے جاتے تھے۔ اس فن مین حافظ ابراہیم کے شاگرد تھے جنکا ذکر فسانہ عجائب مین موجود ہے۔ موسیقی سے بھی علمی اور عملی دونون طور پر بخوبی واقف تھے فن شعر مین آغا نوازش تلمیذ میرزا کے شاگرد تھے جنکا ذکر اپنی کتاب مین بہت محبت و ادب سے کرتے ہین۔ حریف ظریف ہشاش بشاش وجیہ اور خوشرو آدمی تھے۔ انکے دوستون مین شرف الدین میرٹھی اور مرزا غالب بھی تھے اور آخر الذکر نے فسانہ عجائب اور گلزار سرور پر فاضلانہ تقریظین بھی لکھی ہین۔

سنہ ۱۲۴۰ھ مین سرور کانپور گئے اور کہا جاتا ہے کہ غازی الدین حیدر کے حکم سے لکھنؤ سے جلاوطن کر دئے گئے تھے۔ وہ کانپور سے نہایت بیزار ہین۔ چنانچہ لکھتے ہین کہ "ربیع الثانی کے مہینہ مین کہ سنہ ہجری نبوی صلعم بارہ سو چالیس تھے آنیکا اتفاق مجبور کردہ کانپور مین ہوا۔ بسکہ یہ بستی پوچ دلچرہی اشراف یہان عنقا صفت ناپیدا ہین۔ احیاناً جو ہونگے تو گوشہ نشین عزلت گزین۔ مگر چھپلی امت

کی بڑی کثرت دیکھی۔ یہ طور دیکھکر دل وحشت منزل سخت گھبرا یا کلیجہ منھ کو آیا۔ قریب تھا جنون ہو جائے۔ تیرہ بختی روز سیاہ پیش لائے" اس کے بعد لکھتے ہین کہ یہین کانپور مین حکیم سید اسد علی صاحب سے ملاقات ہوگئی جو میرے حال پر بڑی عنایت فرماتے تھے ایکدن اُنسے کہا کہ مین ایک قصہ لکھنا چاہتا ہون سنکر فرمایا بیکار مباش کچھ کیا کر۔ اُسوقت یہ کلمہ توسن طبع کو تازیانہ ہوا۔ یعنی باعث تصنیف کتاب بنگیا پھر اسکے آگے ایک طنزیہ طور پر لکھتے ہین کہ مین ہیچمیرز ہون مجھکو زبان کا دعوےٰ نہین۔ اگر شاہجہان آباد کا رہنے والا ہوتا تو زباندانی کا دعوی کرتا۔ جیسا کہ میرامنؔ نے کیا ہے جنکی نسبت یون گلفشانی کرتے ہین "اگر وہان (شاہجہان آباد مین) چندے بود و باش کرتا فصیحون کو تلاش کرتا تو فصاحت کا دم بھرتا جیسا کہ میرامن نے چار درویش مین بکھیڑا کیا ہے کہ ہم لوگون کے ذہن وحصہ مین یہ بات آئی ہے دتی کے روڑے ہین محاورے کے ہاتھ منھ توڑے ہین۔ پتھر پڑین ایسی سمجھ پر یہی خیال انسان کا خام ہوتا ہے۔ مفت مین نیک بدنام ہوتا ہے بشر کو دعوی کب سزاوار ہے۔ کاملون کو بیہودہ گوئی سے انکار بلکہ ننگ و عار ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید۔ نہ کہ عطار بگوید"[۱] مختصر یہ کہ کانپور ہی مین یہ کتاب لکھی گئی۔ اسکے شروع مین چند سطور بادشاہ وقت غازی الدین حیدر کی مدح وثنا مین شاید اس غرض سے لکھی ہین کہ اُن کا قصور معاف کیا جائے اور لکھنؤ آنے کی اجازت دیجائے۔ یہ کتاب غازی الدین حیدر کے زمانہ مین شروع ہوئی تھی اور نصیر الدین حیدر کے عہد مین تمام ہوئی جنکی تعریف مین سرور نے لکھنؤ کے حالات کے سلسلہ مین بہت کچھ لکھا ہے اور آخر مین ایک دُعائیہ غزل بھی انکی شان مین ہے جسکا مطلع ہے

"تا ابد قایم رہے فرمانروائے لکھنؤ | یہ نصیر الدین حیدر بادشاے لکھنؤ

اسی غزل کے چند مشہور شعر یہ ہین۔

یا تو ہم پھرتے تھے اُنمین یا ہوا یہ انقلاب | پھرتے ہین آنکھونمین ہردم کوچہ ہائے لکھنؤ
انکی استغنا سے کیا کیا آرزو کرتی ہے رشک | جام جم پر تف نہین کرتے گدائے لکھنؤ
جن و انس و وحش و طایر کیون نہ سب بحکم ہون | ہے سلیمان اندنون فرمانروائے لکھنؤ
یہ رہے آباد یارب تا بہ دور مشتری | مین کہین ہون مانگتا ہون یہ دعائے لکھنؤ

[۱] اس سخت تنقید کا جواب خواجہ فخر الدین حسین صاحب سخنؔ دہلوی مرحوم نے سروش سخن مین نہایت متانت اور معقول دیا ہے دیکھو دیباچہ سروش سخن

بُلبُل شیراز کو ہے رشکِ ناسخ کا سرور　　　　صفہان اُسنے کئے ہین کوچہائے لکھنؤ

سرور کے اکثر اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب لکھنؤ مین نہین بلکہ کسی اور جگہ تحریر ہوئی مگر بعد اختتام بعہد نصیر الدین حیدر لکھنؤ مین آئی اسکا سنہ تصنیف سنہ ۱۲۴۲ھ ہے جیسا کہ آخر کے قطعات تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ سنہ ۱۸۴۷ء مین سرور کی بیوی کا انتقال ہوا اور اسی سال سرور واجد علی شاہ کے درباری شعرا مین بمشاہرہ پچاس روپیہ ماہوار داخل ہوئے۔ اور اُنہون نے اپنا مدحیہ قصیدہ حضرت ظل سبحانی کی تعریف مین معرفت قطب الدولہ مصاحب شاہی پیش کیا سنہ ۱۸۴۷ء مین بادشاہ کے حکم سے کتاب شمشیر خانی کا ترجمہ موسوم بہ سرور سلطانی کیا اور سنہ ۱۸۴۷ء اور سنہ ۱۸۵۱ء کے اثنا مین اکثر چھوٹے چھوٹے قصے تصنیف کئے جن مین سے ایک ”شرر عشق“ ہے جو نواب سکندر بیگم والی بھوپال کے حکم سے لکھا گیا سنہ ۱۸۵۵ء مین ”شگوفہ محبت“ امجد علی خان رئیس سندیلہ کی فرمایش سے تحریر ہوا انتزاع سلطنت سنہ ۱۸۵۶ء کیوجہ سے سرور بہت خستہ حال اور پریشان روزگار ہوگئے تھے کچھ دنون سید قربان علی سررشتہ دار کارینگی صاحب اور منشی شیو پرشاد ملازم کمسریٹ نے انکی اعانت کی لیکن سنہ ۱۸۵۷ء کے غدر نے اس ذریعہ کو بھی منقطع کردیا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مہاراجہ ایشری پرشاد نرائن سنگہ والی بنارس کی طلبی پر سرور سنہ ۱۸۵۹ء مین بنارس گئے اور مہاراجہ صاحب نے وہان ان کی بہت قدر افزائی اور خاطر ومدارات کی۔ بنارس مین اُنہون نے ”گلزار سرور“ ”شبستان سرور“ اور دیگر نظم ونثر کی چھوٹی چھوٹی کتابین تصنیف کین۔ مہاراجہ بنارس کیطرح سرور کو مہاراجہ الور اور مہاراجہ پٹیالہ نے بھی اپنی اپنی ریاستون مین طلب کیا تھا اور آخر الذکر نے ایک جوڑی طلائی کڑون کی انکو مرحمت فرمائی تھی۔ سرور کے ایک خط سے جو انکی انشائے سرور مین چھپ گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دلی لکھنؤ میرٹھ اور راجپوتانہ بھی گئے تھے اسوجہ سے کہ اس خط مین انہون نے اپنے سفر کی تکلیفون کا حال مشرح طور پر لکھا ہے۔ انشائے مذکور مین جو خطوط درج ہین وہ انکے سوانح زندگی اور اس عہد کے حالات پر کافی روشنی ڈالتے ہین۔ ایکمرتبہ انپر ایک الزام قتل بھی لگایا گیا تھا۔ سنہ ۱۸۶۳ء مین سرور اپنی آنکھون کے علاج کے لئے کلکتہ گئے تھے۔ اور واجد علی شاہ سے بھی ملے تھے جو اسوقت مٹیا برج مین نظر بند

تھے سگر سرور وہان سے ناکام آئے اور بالآخر اپنی آنکھون کا علاج لکھنؤ مین ایک ہندوستانی ڈاکٹر سے کرایا۔ اسکے بعد وہ بنارس گئے جہان ۱۸۶۷ء (مطابق ۱۲۸۴ھ) مین (یعنے غالب سے ایک سال پیشتر) انتقال کیا۔

فسانۂ عجائب — سرور کا سب سے بڑا کارنامہ انکی تصنیف فسانۂ عجائب ہے۔ اس کا قصہ معمولی حسن و عشق کا افسانہ ہے جسکے مضمون و واقعات مین کوئی جدت نہین اور عبارت اسی زمانہ کی مروجہ فارسی کی تقلید مین پر تکلف و تصنع مقفیٰ اور مسجع ہے۔ یہ ایک ایسا فرضی افسانہ ہے جسمین طلسم سحر دیو و پری سے لڑائی جادوگرون سے مقابلے سفر کے عجائب و غرائب کبثرت ہین۔ یہ نوجوان طبیعتون کو بہت مرغوب ہے مگر سن رسیدہ لوگ نفس قصہ سے کوئی دلچسپی نہین رکھتے البتہ اُسکی زبان اور مصنوعی عبارت کو اکثر پسند کرتے ہین۔ اسکی عبارت پر تکلف ہے مگر اسمین واقعات کی فراوانی نہین ہے۔ بعض فقرات ضرور ایسے ہین جو مثل نظم کے دلچسپ اور ادبی مرصع کاری کا بہترین نمونہ ہین۔ اس کتاب کو زمانہ حال کے اصول تنقید سے جانچنا ایک فضول سی بات ہے اسوجہ سے کہ مصنف اگلے زمانہ کے لوگون مین ہین قصہ بھی پرانے رنگ کا ہے اور طرز عبارت اُس زمانہ کا ہے جب فارسی عام طریقہ سے رائج تھی اُردو کے خطوط تک مین تصنع اور تکلف شامل تھا اور سادگی عبارت کو لکھنے والے کی سادہ لوحی اور عدم قابلیت پر محمول کرتے تھے۔ ان قیود پر نظر کرتے ہوئے ہمکو اُن لوگون کا تہ دل سے ممنون ہونا چاہیے جنہون نے قدیم فرسودہ طریقون کو چھوڑ کر ایک نئی شاہراہ قایم کی۔ مثلاً مرزا غالب۔ اور سر سید وغیرہ جسطرح نظم اُردو کی ابتدا مرثیون غزلون اور مثنویون سے ہوئی اُسیطرح فرضی قصون اور افسانون پر نثر اُردو کی بنیاد رکھی گئی اور جسطرح اصناف نظم مذکورہ تدریجی ترقی کرتی ہوئی اس درجہ کو پہونچین اسیطرح نثر اُردو بھی اپنے ابتدائی مدارج طے کر کے زمانہ حال کی سلیس اور متین سادہ روش پر آگئی۔ فسانۂ عجائب کا دیباچہ اس لئے اور بھی دلچسپ ہے کہ اُس مین اُس زمانہ کی شہر لکھنؤ کی سوسائٹی وہان کے طرز معاشرت امرا اور رؤسا کی وضعداریون اُنکے پر تکلف جلسون۔ شہر کے رسوم و رواج کھیل تماشون۔ دلچسپ مناظر مختلف پیشون اور اہل کمال کے حالات بازارون

کی چہل پہل - سودا فروشونکی آوازون وغیرہ وغیرہ کی دلکش اور جیتی جاگتی تصویرین ہین - مگر حقیقت یہ ہے کہ انکو سرشار کی مرقع نگاری سے علیحدہ سمجھنا چاہیئے اسوجہ سے کہ سرشار کے یہان کیرکٹر اور مختلف سوسائٹیون کے بحیثیت مجموعی نمونے دکھائے گئے ہین اُنمین تفصیل و تطویل سے کام لیا ہے اور اپنے ظریفانہ طرز بیان سے اسمین ایک دلکش اور نظر فریب رنگینی پیدا کردی ہے برعکس اسکے سرور کے یہان سوسائٹی کے مرقعے یا کیرکٹر نگاری کے کرشمے نہین ہین نیز یہ کہ سرور اپنے سلسلۂ بیان مین اُن چیزون پر جنکو وہ بیان کرنا چاہتے ہین صرف ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہین جسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سرشار بحیثیت ایک ناولسٹ کے کیرکٹر نگاری اور تفصیل جزئیات کو مقدم سمجھتے ہین اور اسکی سرور کو چندان ضرورت نہین اس موقع پر پنڈت بشن نراین در کے وہ فاضلانہ خیالات سننے کے قابل ہین جو فسانہ عجائب کو پڑھکر انہون نے انگریزی مین قلمبند فرمائے ہین - وہ لکھتے ہین کہ "سرشار کے بہ نسبت سرور کے یہان لکھنؤ کا بیان بہت زیادہ مکمل - بہت زیادہ متناسب اور بہت زیادہ خوبصورت ہے - مگر سرور آدمیون کا حال نہین لکھتے صرف چیزون کا مرقع کھینچتے ہیں - حلوائی کی دُکان کے پاس سے ہم گزرتے ہین اور ہمارے مُنھ مین پانی بھر آتا ہے - تنبولیون کے یہان کی گلوریان دیکھکر ہمارا جی للچاتا ہے - بالائی کو دیکھکر یقین ہوجاتا ہے کہ لکھنؤ کی بالائی کے آگے ڈیونشایر کی کریم (بالائی) کوئی چیز نہین - لیس فروش جوہری بنئے بقال کپڑیے سب چوکھا مال لئے بیٹھے ہین - چوک اور دوسری بازارین اور سیرگاہین (جواب باقی نہین رہین) ہم اِس کتاب مین دیکھتے ہین اور اُنکی خوب سیر کرتے ہین - ہماری نگاہ اُن بلند عمارتون اور کمرون پر بھی جاتی ہے جہان سے کچھ حسین صورتین اپنی جادو بھری نگاہ ہونسے ہمکو جھانکتی ہین - ہم چوک مین ہوکر گذرتے ہین مگر وہ ایک شہر خموشان ایک سونی بستی معلوم ہوتا ہے - راہ گیر اور دکاندار سب سو رہے ہین یا ہم مجمع مین چلتے ہین مگر کھوے سے کھوا وہان نہین چھلتا - کھڑے والیان ہمارے اشارون کا جواب نہین دیتین تنبولنین کرشمہ و ناز مین مصروف ہین مگر مُنھ سے کچھ نہین بولتین کپڑیے بہرے ہین - بساطی بدمست - حلوائی اونگھ رہے ہین چلوا دنکی مٹھائیان جیبون مین بھر لیجیلین - زندگی کا کہین پتہ نہین - مشہور مشہور گوئیے ہمارے سامنے آتے ہین مگر انکا گانا سننے مین نہین آتا - شعرا - فوجی سپاہی پہلوان - بادشاہ

وزیر سب سامنے سے فانوسی تصویرون کی طرح گزر جاتے ہین سب خاموش معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ سب تصویرین بے ہوشی کے عالم کی کھینچی ہین - لہذا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ سرور کا لکھنؤ وہ شہر خموشان ہے جسکا نقشہ ٹینیسن نے اپنی مشہور نظم "ڈے ڈریم" (خواب روز) مین کھینچا ہے - وہ کہتا ہے -

"کہین ٹبلر (خانساماں) اپنے دونون گھٹنون کے بیچ مین شراب کی بوتل

دبائے بیٹھا ہے جو آدھی رہگئی ہے - اور کہین بڑا اسٹوورڈ (باورچی)

اپنے کام مین مصروف ہے - کہین حسین میڈ (ماما) کا ہاتھ نوعمر خادم (پیج)

نے پکڑ لیا ہے - میڈ کچھ کہنے کیلئے اپنا منھ کھولا چاہتی ہے پیج بوسہ کیواسطے

مُنھ لپکاتا ہے - اور شرم کی سُرخی میڈ کے رخسارون پر دوڑ جاتی ہے"

اُس زمانہ مین مقفی مسجع عبارت اسدرجہ مقبول اور مروج تھی کہ اُس سے احتراز مشکل تھا اسیوجہ سے فسانۂ عجائب کی عبارت سلیس اور بول چال روزمرہ مین شمار نہین کیجاسکتی برعکس اسکے اسمین تعقید و تکلف بیحد ہے - اور سرور کی کھینچی ہوئی تصویرین جیسا کہ پنڈت بشن نرائن در نے اوپر بیان کیا ہے اشخاص قصہ کے صحیح خط و خال نہین دکھاتین بلکہ وہ محض اُن اشخاص کے ماحول اور گرد و پیش کو ظاہر کرتی ہین قوافی کی پابندی کی وجہ سے سلسلۂ بیان کی روانی اور سلاست مین فرق پڑجاتا ہے اور اکثر جگہ پڑھنے والا الفاظ کے جال مین پھنس جاتا ہے - سرور نے اپنے جذبۂ وطنی کے جوش مین میرامّن پر بہت سی والوبیز اکثر چوٹین کی ہین جسکا ذکر اوپر ہوا قصہ مین کیرکٹر نویسی کم ہے - مگر اسمین شک نہین کہ ملکۂ مہرنگار کے کیرکٹر مین سچی محبت باوفائی - دلیری - معاملہ فہمی - جُرأت اور متانت و بُردباری کو نہایت واضح طریقہ سے دکھایا ہے - دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسمین ضمناً بعض قصے ایسے بھی بیان کئے ہین جنکے ہیرو انگریز ہین مثلاً اسپرمحبسٹن کا قصہ جسکے ذیل مین کچھ انگریزی الفاظ آگئے ہین جو شاید اس سے پیشتر نثر اردو مین شاذ و نادر استعمال ہوئے ہون - دنیا کی بے ثباتی کا سبق جو بندر کی تقریر سے ملتا ہے اور جوگی کی عبرت افزا نصیحتین نہایت مؤثر اور دلکش ہین اس کتاب کے جواب مین دو قصے اور بھی لکھے گئے ایک "سروش سخن" مولفہ خواجہ فخر الدین حسین سخن دہلوی جو ۱۸۶۰ء مین تحریر ہوا اور جسمین سرور پر بہت سی چوٹین کی گئی ہین اور دلی

والونکی تعریفین ہین۔ دوسرا "طلسم حیرت" مولفہ محمد جعفر علی شیون لکھنوی جو سنہ ۱۸۷۲ء مین تصنیف ہوا جسمین سرور بلکہ اہل لکھنو کیطرف سے "سروش سخن" کے مطاعن کا جواب دیا گیا ہے۔

سرور کی دیگر تصانیف

(۱) سنہ ۱۸۴۷ء مین سرور سلطانی ترجمہ "شمشیر خانی" جو شاہنامہ فردوسی کا ملخص ہے۔ اس کا بھی طرز عبارت مثل فسانۂ عجائب کے مقفی اور مسجع ہے جو تاریخ کے لئے مناسب نہین اسمین ایک مقام پر جذبۂ وطنیت کے جوش مین ہندوستان کی بہت تعریف کی ہے جو قابل دید ہے (۲) سنہ ۱۸۵۶ء مین "شرر عشق" جسمین بھوپال کے جنگلون کے کسی واقعہ کو بیان کیا ہے کہ ایک سارس کا جوڑا جسکی محبت مشہور ہے ایک جنگل مین پھر رہا تھا کہ نر کو کسی نے مار ڈالا۔ مادہ نے لکڑیان جمع کین اور اُسکے اوپر نہایت باقاعدہ طریقہ پر ستی ہو گئی وغیرہ (۳) اسی سال "شگوفۂ محبت" بھی لکھا گیا جسمین مہر چند کھتری کا پرانا قصہ نئے انداز سے بیان کیا ہے اور واجد علی شاہ کے سفر کلکتہ کا بھی اسمین ذکر ہے (۴) "گلزار سرور" جو ایک فارسی کتاب حدائق العشاق کا ترجمہ ہے جسمین ایک افسانہ کی صورت مین روح اور عشق کا مجادلہ دکھایا گیا ہے۔ یہ ایک مذہبی مضمون ہے جسکو مصنف نے اپنی خاص رنگین عبارت مین لکھا ہے اسی پر مرزا غالب نے ایک دلچسپ تقریظ اسی رنگ یعنی مقفی عبارت مین لکھی ہے (۵) "شبستان سرور" یعنی الف لیلہ کے چند قصونکا دلچسپ ترجمہ جسمین جا بجا چیدہ اشعار داخل کر کے کتاب کو بہت دلچسپ بنا دیا ہے

الف لیلہ کے ترجمے

الف لیلہ کے قصے ہندوستان مین ہمیشہ سے مقبول رہے اور ان کا ترجمہ اکثر لوگون نے کیا ہے منشی شمس الدین احمد نے سنہ ۱۸۳۶ء مین مدراس سے ایک ترجمہ نکالا جسکا نام "حکایات الجلیلہ" ہے جسمین صرف دو سو راتون کی حکایات ہین اور مدراس کالج کے طلباء کے واسطے یہ کتاب لکھی گئی تھی۔ دوسرا ترجمہ منشی عبد الکریم نے سنہ ۱۸۴۴ء مین فارسٹر صاحب کی انگریزی الف لیلہ سے کیا جسکی زبان اسقدر صاف اور سہل ہے کہ ادبی ذوق کے لوگ اسکو معیار سے گرا ہوا سمجھتے ہین پھر ایک منظوم ترجمہ منشی نولکشور صاحب کی فرمایش سے سنہ ۱۸۶۲ء و سنہ ۱۸۶۸ء مین چار حصون مین نسیم دہلوی منشی طوطا رام شایان اور منشی شادی لال چمن نے کیا جسکا ایک نثر کا ترجمہ منشی طوطا رام شایان نے سنہ ۱۸۶۸ء مین نکالا۔ اسکے بعد سنہ ۱۸۹۰ء مین حامد علی نے ترجمہ کیا اور مرزا حیرت دہلوی نے سنہ ۱۸۹۲ء مین "بستان حیرت"

کے نام سے بطرز ناول ترجمہ کیا۔ (۶) شاہزادہ ایڈورڈ (جو بعد کو ایڈورڈ ہفتم ہوئے) کی شادی کے موقع پر سرور نے ایک تہنیت نامہ موسوم بہ "نثر نثرہ نثار" لکھا جسمین انگریزی حکومت کے فواید اور برکات نہایت عمدہ الفاظ مین بیان کیے ہین (۷) انشائے سرور یعنی سرور کے خطوط جو انہین کے خاص طرز مین ہین۔

اردو نثارون مین سرور کا مرتبہ

اسمین کوئی شک نہین کہ قدیم طرز کے اردو نثارون مین سرور کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اپنے طرز خاص مین وہ عدیم المثال ہین۔ مگر بعد کو جب زمانہ کا رنگ بدلا اور کار و باری دور شروع ہوا تو اس قسم کی پر تکلف اور پر تصنع عبارت جسکے طویل جملون اور ثقیل عربی و فارسی الفاظ سے لوگون کا جی اکتا گیا تھا اور موجودہ ضرورتون کے اظہار کے لیے بھی وہ ناموزون تھی، ترک کی گئی۔ بہر طور سرور نے اپنا رنگ خوب برتا اور اس رنگ کے وہ بڑے ماہر تھے۔ انکی تمام تصنیفات مین لکھنؤ کے حالات اور یہان کی سوسائٹی کے مرقعے خاص طور پر بہت دلچسپ ہین۔ شعر مین انکو اتنا شغف تھا اور اسمین وہ اتنے مشہور ہوے کہ انکے دیگر کمالات یعنی انکی خوشنویسی انکی موسیقی دانی یہانتک کہ انکی شاعری بھی اسکے سامنے فروغ نہ پا سکی۔ انکا دیوان مفقود ہے مگر ان اشعار سے جو انکی نثر کی کتابون مین جا بجا ملتے ہین کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی ضرور اعلے درجہ کا ہوگا۔ سرور گو کہ لکھنؤ کے عاشقون مین ہین اور لکھنوی ہین مگر پھر بھی انکے اشعار سے دلی کا اتباع معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ لکھنؤ کے تصنع اور مبالغہ سے وہ بری ہین۔

غالب بحیثیت نثار

عام لوگ غالب سے صرف بحیثیت ایک شاعر کے روشناس ہین انکی نثاری کی حیثیت عام نظرون سے پوشیدہ ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ فارسی اور اردو دونون کے بے مثل نثار بھی اسیطرح ہین جسطرح کہ بے نظیر و بے عدیل شاعر ہین۔ انکی نثر اردو کی تصانیف زیادہ تر خطوط و رقعات ہین چند تقریظین اور دیباچے ہین اور تین مختصر رسالے یعنی لطائف غیبی تیغ تیز اور نامۂ غالب[1] جو سب برہان قاطع کے طرفدارون کے جواب مین لکھے گئے۔ اسکے سوا چند اجزا ایک ناتمام قصہ کے بھی ہین جو مرزا نے مرنے سے چند روز پہلے لکھنا شروع کیا تھا۔ مگر ان سب مین ان کے وہ خطوط جو اردوئے معلے اور عود ہندی کے نام سے مشہور ہین اور نیز وہ تقریظین جو چند کتابون پر لکھی ہین نثر اردو کا بہترین نمونہ

[1] نامۂ غالب کو آب حیات مین مرزا کی تصانیف فارسی مین رکھا ہے ۱۲
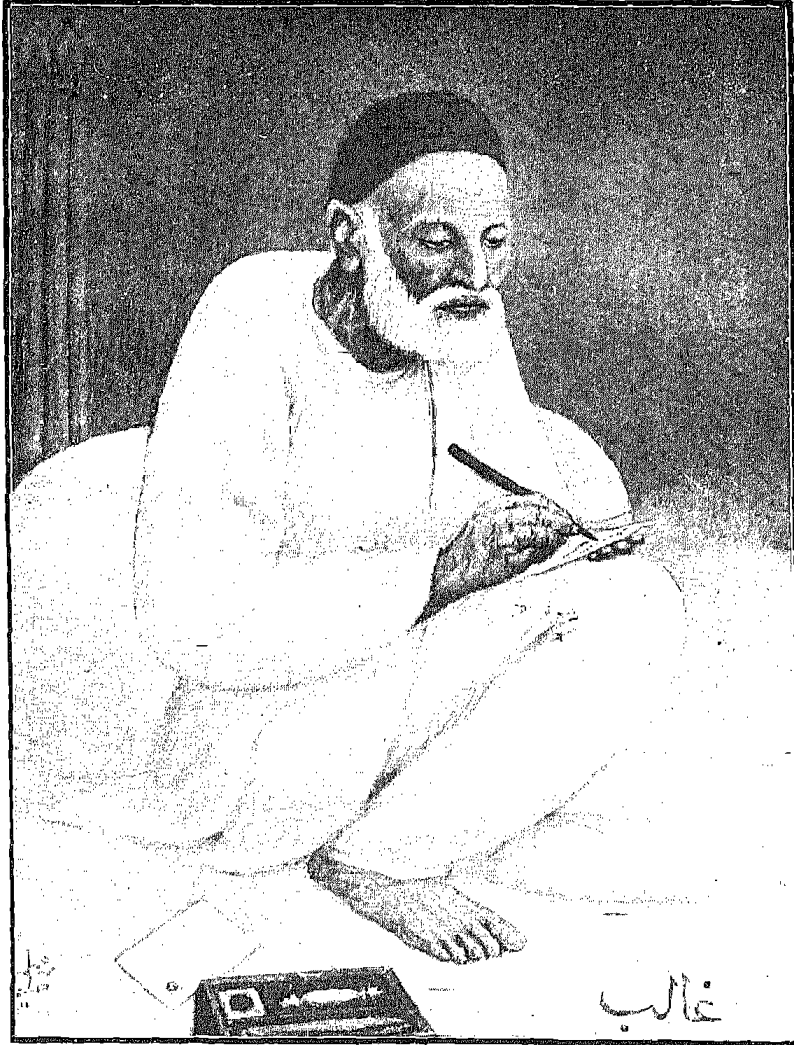
مرزا غالب کچھہ تحریر فرما رہے ہیں

اور اُن کے خاص رنگ کا آئینہ ہین۔

اُردوے معلیٰ اور عود ہندی

سنہ ۱۸۵۰ء تک مرزا فارسی مین خط وکتابت کرتے تھے جیسا کہ اُن خطوط سے پایا جاتا ہے جو پنج آہنگ مین چھپے ہین اور نیز بعض جگہ خطوط اردو مین بھی اسکا ذکر ہے۔ اُسکے بعد اُنھون نے اُردو مین خطوط لکھنا شروع کئے۔ ان کا رنگ بالکل مخصوص ہے اور انھین پر نثر اردو کی ایک خاص طرز کی بنیاد قایم ہوئی۔ مگر جہانتک خیال ہے کوئی شخص اُنکی پوری تقلید اور نقل مین کامیاب نہین ہوا یونتو بہت سی انشا اور رقعات کی کتابین موجود ہین اکثر مشہور لوگونکے مکاتیب بھی شایع ہوچکے ہین مگر غور سے دیکھا جائے تو مرزا کا رنگ سب سے علیحدہ ہے۔ اُسمین کسی قسم کا تکلف اور تصنع خشونت اور خشکی مطلق نہین۔ عبارت کی روانی اور سلاست سے معلوم ہوتا ہے کہ قلم برداشتہ لکھتے چلے جاتے ہین اور مضامین کی کثرت پتہ دیتی ہے کہ ایک دریائے مضامین اُمڈا چلا آتا ہے۔ یہ ایک خاص صفت ہے کہ ہرچند عبارت حد درجہ کی بے تکلف اور روزمرّہ ہے مگر ابتذال اور سوقیت اُسمین مطلق نہین بلکہ اُسمین ایک ادبی شان ہے۔ بطون ہر فقرہ سے عیان اور ظرافت ہر جملہ کی تہ مین نہان ہے۔ مرزا اکثر ایسے خیالات کا جن سے ان کا مکتوب الیہ موافق نہ بھی ہو اس عبارت اور صفائی سے اظہار کرتے ہین جیسے کہ وہ جانتے ہین کہ اُنکی تحریر کا زور اور انکا انداز بیان اُس کی زبان بند کردے گا بلکہ اُسکو انکے دام محبت مین اسیر کرلے گا۔ انکی تحریر مین بالکل باتون کا مزہ آتا ہے۔ اور بعض خطوط اُنھون نے فی الواقع مکالمہ کیصورت مین لکھے ہین۔ کسی مین مکتوب الیہ کو غائب فرض کرلیا ہے جس سے مکتوب الیہ کوئی دوسرا شخص معلوم ہونے لگتا ہے۔ قلم کی ایک جنبش سے وہ ایسی سحر آفرینی کردیتے ہین کہ دل مزے اٹھانے لگتا ہے۔ مرزا نے اپنے خطوط مین علاوہ ایک طرز خاص اختیار کرنے کے یہ جدت بھی کی ہے کہ القاب وآداب کا فرسودہ طریقہ اور بہت سی اور باتین جو عموماً خطوط مین لکھی جاتی ہین مگر درحقیقت فضول اور بیکار ہین سب چھوڑ دین۔ وہ پنج آہنگ مین لکھتے ہین کہ "خطوط نویسی مین میرا طریقہ یہ ہے کہ جب خط لکھنے کے لئے قلم و کاغذ اٹھاتا ہون تو مکتوب الیہ کو کسی ایسے لفظ سے جو اُس کی حالت کے موافق ہوتا ہے پکارتا ہون اور اُسکے بعد ہی مطلب شروع کردیتا ہون القاب وآداب کا پرانا طریقہ اور شکر و شکوہ شادی وغم کا قدیم روتیہ مین نے بالکل اٹھا دیا۔" مثلاً یہان چند نمونے

اسی شان کے لکھے جاتے ہین" "اہا ہا میرا پیارا مہدی آیا آؤ بھائی مزاج تو اچھا ہے بیٹھو یہ رام پور ہے دارالسرور ہے جو لطف یہان ہے وہ اور کہان ہے" "آؤ میان سید زادہ آزادہ دلی کے عاشق دلدادہ ڈھئے ہوئے اردو بازار کے رہنے والے حسد سے لکھنؤ کو برا کہنے والے..." "برخوردار نور چشم میر مہدی کو بعد دعا حیات و صحت کے معلوم ہو بھائی تم نے بخار کو کیون آنے دیا تپ کو کیون چڑھنے دیا۔ کیا بخار میرن صاحب کی صورت مین آیا تھا کہ تم مانع نہ آئے.... " "میری جان تو کیا کہہ رہا ہے بنیے سے سیانا سودیوانا صبر و تسلیم توکل و رضا شیوہ صوفیہ کا ہے مجھ سے زیادہ اس کو کون سمجھے گا" "سید صاحب اچھا ڈھکوسلا نکالا ہے بعد القاب کے شکوہ شروع کر دینا اور میرن صاحب کو اپنا ہمزبان کر لینا"۔

یہان ہم مرزا کا ایک خط جو میر مہدی کے نام ہے بتمام و کمال نقل کرتے ہین تاکہ مرزا کی وہ تمام خصوصیات تحریر جن سے انکی نثر بھی مثل نظم کے معجز نما معلوم ہوتی ہے بخوبی سمجھ مین آسکین مثلاً خط سے القاب و آداب کا بالکل غائب ہونا اور بجائے اسکے ایک فرضی مکالمہ سے خط کا شروع کر دیا جانا۔ عبارت کی سادگی شوخی اور بے تکلفی۔ مذاق کے پیرایہ مین کچھ دوستانہ نصیحتین بھی کرنا۔ جدید رنگ زمانہ یعنی جمہوریت پسندی کے برخلاف پرائیوٹ خط مین بھی "ملکہ انگلستان" کے پہلے لفظ "جناب" لکھنا جس سے ان کی حد درجہ کی قدامت پسندی اور تہذیب کا پتہ چلتا ہے۔ ابتدائی چند سطور کو جن سے خط شروع ہوتا ہے ہم مکالمے کی صورت مین لکھے دیتے ہین۔ غ سے غالب اور م سے میرن صاحب سمجھنا چاہیئے۔

خط بنام میر مہدی

غ۔ اے جناب میرن صاحب السلام علیکم۔

م۔ حضرت آداب

غ۔ کہو صاحب آج اجازت ہے میر مہدی کے خط کا جواب لکھنے کو۔

م۔ حضور مین کیا منع کرتا ہون مین نے تو یہ عرض کیا تھا کہ اب وہ تندرست ہو گئے ہین بخار جاتا رہا ہے صرف پیچپش باقی ہے وہ بھی رفع ہو جائیگی مین اپنے ہر خط مین آپ کی طرف سے لکھدیتا ہون آپ پھر کیون تکلیف کرین۔

غ - نہین میرن صاحب اُسکے خط کو آئے ہوے بہت دن ہوئے ہین وہ خفا ہوا ہوگا جواب لکھنا ضروری ہے

م - حضرت وہ آپکے فرزند ہین آپسے خفا کیا ہونگے -

غ - میان آخر کوئی وجہ تو بتاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیون باز رکھتے ہو -

م - سبحان اللہ سبحان اللہ اے لو حضرت آپ تو خط نہین لکھتے اور مجھے فرماتے ہین کہ تو باز رکھتا ہے

غ - اچھا تم باز نہین رکھتے مگر یہ تو کہو کہ تم کیون نہین چاہتے کہ مین میر مہدی کو خط لکھون -

م - کیا عرض کرون سچ تو یہ ہے کہ جب آپکا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو مین سنتا اور حظ اُٹھاتا اب جو
مین وہان نہین ہون نہین چاہتا کہ آپ کا خط جائے - مین اب پنجشنبہ کو روانہ ہوتا ہون میری
روانگی کے تین دن کے بعد آپ خط شوق سے لکھئے گا -

غ - میان بیٹھو ہوش کی خبر لو تمھارے جانے سے نہ جانے سے مجھے کیا علاقہ مین بوڑھا آدمی بھولا
آدمی تمھاری باتون مین آگیا اور آج تک اُسکو خط نہین لکھا - (اس کے بعد مسلسل خط شروع ہوتا ہے)

لاحول ولا قوۃ سنو میر مہدی صاحب میرا کچھ گناہ نہین - میرے پہلے خط کا جواب لکھو تپ تو رفع ہوگئی
پیچش کے رفع ہونے کی خبر شتاب لکھو - پرہیز کا بھی خیال رکھا کرو - یہ جُدی بات ہے کہ وہان کچھ کھانے کو
ملتا ہی نہین تمھارا پرہیز اگر ہوگا بھی تو عصمت بی بی از بے چادری ہوگا - حالات یہان کے مفصل
میرن صاحب کی زبانی معلوم ہونگے - دیکھو بیٹھے ہین کیا جانون حکیم میر اشرف مین اور اُن مین کچھ کونسل
ہو تو رہی ہے پنجشنبہ روانگی کا دن ٹھیرا تو ہے اگر چل نکلین اور پہونچ جائین تو اُنسے یہ پوچھیو کہ جناب
ملکۂ انگلستان کی سالگرہ کی روشنی کی محفل مین تمھاری کیا گت ہوئی تھی اور یہ بھی معلوم کر لیجیو کہ یہ جو
فارسی مثل مشہور ہے کہ دفترا گاؤ خورد اسکے معنے کیا ہین - پوچھیو اور نہ چھوڑیو جب تک نہ بتائین القصہ
پہلے تو آندھی چلی پھر مینھ آیا اب مینھ برس رہا ہے - مین خط لکھ چکا ہون سرنامہ لکھکر چھوڑ دونگا - جب ترشح
موقوف ہو جائیگا تو کلیان ڈاک کو لیجائیگا - میر سرفراز حسین کو دعا پہونچے اللہ اللہ تم پانی پت کے
سلطان العلماء اور مجتہد العصر بن گئے - کہو وہان کے لوگ تمھین قبلہ و کعبہ کہنے لگے یا نہین - میر نصیر الدین کو دعا

اس کاٹ چھانٹ سے قدما کی طویل اور غیر دلچسپ طرز تحریر کی درستی ہوگئی اور یہ ایک نہایت

عمدہ جدت کی مثال قایم ہوگئی جس سے اُردو خطوط نویسی پُرانے تکلف و تصنع اور بے موقع اظہار علمیت سے آزاد ہو کر نہایت شیرین اور دلچسپ بن گئی ہر چند کہ یہ اختراع انکے معاصرین کو پسند نہ آیا مگر جون جون زمانہ بدلتا گیا اور وقت گزرتا گیا اب لوگون کو اسکی اہمیت کا ضرور احساس ہو اور ہر طرف اُسکی متبعین پیدا ہوگئے۔ مولانا حالی۔ سر سید۔ مولوی ذکاءاللہ مولٰنا محمد حسین آزاد اور اُنکے علاوہ دیگر ارباب قلم مثلاً امیر مینائی اکبر وغیرہ نے بھی سادگی عبارت کو پسند کیا اور اپنے اپنے طریق پر نثرین لکھین مگر حق یہ ہے کہ مرزا کی سادگی و دلکشی شوخی و ظرافت جذبات نگاری و اظہار ما فی الضمیر مین کوئی انکا مدمقابل نہوگا

انکے رقعات کی ایک بین خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ انکے حالات زندگی کے مصفےٰ اور مجلّےٰ آئینہ ہین یہانتک کہ اگر کوئی شخص یہ زحمت گوارا کرے کہ انکے خطوط کو تاریخ تحریر کی ترتیب سے جمع کرے اور اُن کے وہ حصے جو مرزا کے حالات زندگی کے متعلق ہین علیحدہ کرتا جائے تو مرزا کی ایک مختصر خود نوشتہ سوانح عمری اُنسے مرتب ہو جائیگی۔ یہ خطوط اُنکی زندگی اور جزئیات زندگی کی تصویرین ہین انسے حیات، احباب اور معاصرین سے تعلقات کے متعلق اُنکے نظریے اور ہمعصر اور قدیم شعرا کے متعلق انکے خیالات سب بخوبی اخذ کئے جا سکتے ہین بعض کو پڑھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کی غرض اصلی مکتوب الیہ کے دل کو خوش کرنا اور اسکا غم غلط کرنا ہے۔ اُنکا مذاقِ ظرافت بھی سب سے نرالا ہے۔ اردو نظم مین تو اسکا جواب ہی نہین اہل یورپ مین بھی اس قسم کی لطیف ظرافت مفقود ہے فرنچ شاعر والٹیر اور انگریزی نثّار ڈین سولفیٹ اپنے اپنے طرز مین ایک خاص رنگ ظرافت رکھتے ہین مگر مرزا اُن سب سے علیحدہ ہین والٹیر کی طرح انمین نقالی اور سولفیٹ کی طرح اُن مین تیزی اور دل آزاری نہین ہے انکی ظرافت کی لطافت اور نزاکت کا پرتو اڈیسن مین کچھ کچھ پایا جاتا ہے مرزا کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہون نے نثر اردو کو خشکی اور بدمزگی کے الزام سے بچا لیا۔

مرزا کا قدیم رنگ یعنی مقفیٰ اور مسجع عبارت

مرزا ہر چند خطوط مین سادگی اور سلاست عبارت کے دلدادہ تھے۔ مگر رواج زمانہ کے موافق احباب کی کتابون پر تقریظین اُسی پرانے انداز مین لکھتے تھے۔ اسکی وجہ مولانا حالی کی زبان سے سننا چاہیے وہ کہتے ہین "مرزا کو اس مین معذور سمجھنا چاہئے۔ جو لوگ

تقریظون اور دیباچون کی فرمایش کرنے والے تھے وہ بغیر ان تکلفات بارودہ کے ہرگز خوش ہونے والے نہ تھے۔ جو طریقہ اس زمانہ مین یو یو لکھنے کا نکلا ہے اس کو اب بھی بہت کم لوگ پسند کرتے ہین اور مرزا کے وقت مین تو اس کا کہین نام و نشان ہی نہ تھا" یہان اُنکی دو تقریظون کی کچھ عبارت بطور نمونہ دی جاتی ہے تاکہ اس رنگ مین بھی اُن کا انداز تحریر بخوبی معلوم ہو سکے۔ (۱) مرزا رجب علی بیگ سرور کی گلزار سرور کی تقریظ۔ "سبحان اللہ خدا کی کیا نظر فروز صنعتین ہین تعالیٰ اللہ کیا حیرت آور قدرتین ہین یہ جو "حدایق العشاق" کا فارسی زبان سے عبارت اردو مین نگارش پاتا ہے ارم کا بین دنیا سے اُٹھکر بہارستان قدس کا ایک باغ بنجاتا ہے۔ وہان حضرت رضوان ارم کے نخلبند و آبیار ہوے یہان مرزا رجب علی بیگ سرور حدایق العشاق کے صحیفہ نگار ہوے۔ اس مقام پر یہ ہیچمیرز جو موسوم بہ اسد اللہ خان اور مخاطب بہ نجم الدولہ اور متخلص بہ غالب ہے خداے جہان آفرین سے توفیق کا اور خلق سے انصاف کا طالب ہے۔ ہان اے صاحبان فہم و ادراک سرور سحر بیان کا اُردو کی نثر مین کیا پایہ ہے اور اس بزرگوار کا کلام شاہد معنی کیواسطے کیسا گران بہا پیرایہ ہے۔ مجھکو دعوی تھا کہ انداز بیان اور شوخی تقریر مین فسانہ عجائب بے نظیر ہے جس نے میرے دعویٰ کو اور فسانۂ عجائب کی یکتائی کو مٹا دیا یہ وہ تحریر ہے ...."

(۲) مفتی میر لعل کی کتاب "سراج المعرفت" کی تقریظ۔ "حق یون ہے کہ حقیقت از روی مثال اک نامہ در سہم سپیدہ سربستہ ہے کہ جسکے عنوان پر لکھا ہے لا مؤثر فی الوجود الا اللہ اور خط مین مندرج ہے لا موجود الا اللہ اور اس خط کا لانے والا اور اس راز کا بتانے والا وہ نامہ آور اور نام آور ہے کہ جس پر رسالت ختم ہوئی ختم نبوت کی حقیقت اور اس معنی غامض کی صورت یہ ہے کہ مراتب توحید چار ہین۔ آثاری افعالی صفاتی ذاتی انبیاے پیشین صلوات اللہ علی نبینا و علیہم اعلان مدارج سہ گانہ پر مامور تھے۔ خاتم الانبیا کو حکم ہوا کہ حجاب تعینات اعتباری کو اٹھا دین اور حقیقت بے رنگی ذات کو صورت الآن کما کان مین دکھا دین اب گنجینۂ معرفت خواص امت محمدی کا سینہ ہے اور کلمہ لا الہ الا اللہ مفتاح باب گنجینہ ہے ...."

کتب و رسائل اسلامی سے اُردو کو تقویت ایک بہت بڑی تحریک جو ہر چند ادبی نوعیت نہین رکھتی تھی

مگر اس سے بلاشبہ نثر اُردو کو بہت فائدہ پہنچا اور اسکی تقویت کا باعث ہوئی مولوی سید احمد شہید بریلوی اور اُنکے بزرگ استادون یعنے مشہور و معروف شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کے زمانہ مین اشاعت مذہب (وہابیت) کی صورت مین رونما ہوئی جسکی وجہ سے تبلیغ دین کی غرض سے مختلف کتب و رسایل عوام الناس کے فایدہ کیواسطے صاف اور سہل زبان مین لکھے گئے۔ یہ خیال برابر زور پکڑتا اور قوت حاصل کرتا گیا اور گو اصل تحریک جو مولوی صاحب موصوف نے اٹھائی تھی اُنکی وفات کے بعد امتداد زمانہ سے دبگئی تھی مگر مشہور راہبر قوم سر سید احمد خان کے تمام تعلیمی معاشرتی مذہبی اور سیاسی اصلاحات کی وہی روح روان تھی [1] سید صاحب اور اُنکے رفقائے کار کے جدید اصولون کی اشاعت نے گو ملک مین اسوقت بہت بیچینی اور مخالفت پیدا کردی تھی اور اختلافات کی آندھی سے ملک کی فضا گردآلود ہوگئی تھی مگر جسقدر کتب اور رسایل ان مسایل کی موافقت و مخالفت مین لکھے گئے ہرچند کہ وہ مذہبی رنگ کے تھے مگر چونکہ وہ سب صاف اور سلیس زبان مین ہوتے تھے اسوجہ سے زبان کو اُنسے یقیناً بہت کچھ تقویت اور مدد پہنچی

مولوی سید احمد شہید سنہ ۱۷۸۲ء مین پیدا ہوئے اور شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر صاحب ایسے بزرگون سے علوم دینیہ کی تکمیل کی جنھون نے بعد کو مذہب کی صورت اختیار کرلی تھی۔ چونکہ بڑے قابل اور فصیح شخص تھے لہذا انکی تقریرین اور وعظ سن سنکر لوگ بکثرت ان کے مرید ہوگئے تھے۔ اپنے اصول کی تبلیغ پہلے دلی مین مکمل کرکے سنہ ۱۸۲۰ء مین کلکتہ گئے اور وہان سے سنہ ۱۸۲۲ء مین حج بیت اللہ کی نیت سے مکے روانہ ہوگئے۔ وہان کچھ دنون قیام کرکے قسطنطنیہ چلے گئے۔ اور چھ برس تک ٹرکی کی سیر و سیاحت اور نیز اپنے ہمخیالون کی جماعت پیدا کرتے رہے جب دلی واپس آئے اور یہان کے مسلمانونکے

[1] مصنف صاحب کا یہ خیال صحیح نہین معلوم ہوتا کہ جو تحریک مذہبی بصورت اشاعت وہابیت مولوی سید احمد شہید کے زمانہ مین شروع ہوئی تھی اور جو ترمیمین اور تاویلین مذہب مین سر سید مرحوم نے پیش کین یہ دونون ایک ہی چیزین ہین اسوجہ سے کہ وہابیون کے اصول کے مطابق جملہ احکام شریعت مین کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر بلا کسی توجیہ اور تاویل کے عمل واجب ہے اور سر سید مرحوم اپنے معتقدات اور اصولون کے ثابت کرنے مین دلایل عقلی اور تاویلات سے بہت کچھ کام لینا چاہتے تھے جو عقاید وہابیہ کے بالکل منافی ہے۔

عقاید کا دیگر ممالک کے لوگون سے مقابلہ کیا تو نسبتاً زمین و آسمان کا فرق پایا۔ اور اسی سے اُنکے دل مین صلاح کا خیال پیدا ہوا۔ چونکہ آدمی پرجوش تھے لہذا اشاعت دین کے متعلق اُنکے جوش کی کوئی انتہا باقی نہین رہی تھی۔ چنانچہ پہلے سکھون سے اُنہون نے جہاد کا اعلان کیا اور سنہ ۱۸۲۶ء مین مولوی اسماعیل کو ساتھ لیکر پشاور کیطرف روانہ ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ اُنکے مریدون اور معتقدونکی تعداد ایک لاکھ سے زاید تھی۔ اور اکثر امرا اور مشاہیر نے جو انکے معتقد اور ہم خیال تھے اس مذہبی کام کے واسطے کافی روپیہ سے اُنکی مدد کی تھی ۱۸۳۰ء مین اپنے اس مشن مین اُنکو اتنی کامیابی ہوگئی تھی کہ پورا پشاور اُنکے قبضہ مین آگیا تھا۔ لیکن بعد کو اُن کے اصولونکی سختی دیکھکر افغانون نے جنھون نے انکو مدد دینے کا وعدہ کیا تھا، انسے بیوفائی کی۔ یہ حالت دیکھکر وہ دریائے اٹک کے اُس پار پہاڑونمین جا چھپے جہان ۱۸۳۱ء مین سکھون کے ایک دستہ سے جسکا سردار شیر سنگھ تھا مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے

شاہ عبد العزیز صاحب نے قرآن شریف کی تفسیر موسوم بہ تفسیر عزیزی فارسی مین لکھی جسکا اب ترجمہ اُردو مین ہوگیا ہے۔ اور اُنکے بھائی شاہ عبد القادر صاحب نے قرآن شریف کا ترجمہ اُردو مین کیا۔ جو ۱۸۰۳ء مین ختم ہوا اور ایک شخص سید عبد اللہ نامی نے جو مولوی سید احمد مذکور کے مُرید تھے ۱۸۲۹ء مین بمقام ہُگلی اسکو چھپوایا۔ اسیطرح مولوی سید احمد صاحب کی کتاب تنبیہ الغافلین جو اصل مین زبان فارسی مین تھی اسکا بھی اُردو ترجمہ اُنہین مولوی عبد اللہ نے ۱۸۳۰ء مین ہگلی سے شایع کیا۔ مولوی اسمٰعیل صاحبؒ مشہور رسالہ تقویۃ الایمان اور نیز دیگر مریدان مولوی سید احمد کی تصانیف۔ مثلاً ترغیب جہاد۔ ہدایۃ المومنین نصیحۃ المومنین موضح الکبائر والبدعات۔ مائۃ مسایل وغیرہ یہ سب اسی زمانہ کی کتابین ہین جو اصل مین اشاعت دین کی غرض سے لکھی گئی تھین مگر جن سے زبان اردو کو بھی ضرور تقویت پہونچی۔

چھاپہ کی ابتدا

منجملہ اور اسباب کے چھاپے نے بھی اشاعت و ترقی زبان مین بہت بڑی مدد دی اور قدیم حالت مین ایک بہت بڑا تغیر پیدا کر دیا۔ اٹھاروین صدی کے آخر مین فورٹ ولیم کالج کلکتہ مین ایک چھاپہ خانہ کھل گیا تھا جسمین ڈاکٹر گلکرسٹ اور کالج کے منشیون کی تصانیف خود ڈاکٹر گلکرسٹ کے اہتمام مین چھپکر تیار ہوتی تھین۔ مگر اُنکی تیاری مین اسقدر روپیہ خرچ ہوتا تھا کہ آخرکار یہ مطبع بند کر دینا پڑا اور

ڈاکٹر گلکرسٹ کی بعض کتابین بھی یہان نہ چھپ سکین۔ اسکے علاوہ اس زمانہ مین جو ٹائپ کے حروف مروج تھے وہ بھی نہایت بدنما اور بھدے تھے۔ اسی زمانہ مین سیرام پور واقعہ بنگال کے پادریون نے بھی ایک چھاپہ خانہ کھولا تھا جسمین مختلف ہندوستانی زبانون کی کتابین چھپتی تھین ۱۸۱۲ء مین اس چھاپہ خانہ مین آگ لگ گئی اور اکثر کتابین جلکر خاک ہو گئین ۱۸۲۳ء مین ایک لیتھو کا چھاپہ خانہ دلی مین قایم ہوا جسنے اشاعت کتب کو بہت آسان کر دیا۔ اسمین پرانی کتابون کے ساتھ ساتھ انگریزی اور دیگر غیر ملکی زبانون کے تراجم یا اور کتابین اور رسائل مختلف مضامین پر طبع ہوتے تھے۔ غازی الدین حیدر کے عہد مین لکھنؤ مین بھی بہت صرف سے اور تکلف کے ساتھ ایک مطبع ٹائپ کا کھولا گیا تھا جسمین سب سے پہلے ہفت قلزم چھپی تھی دوسری کتابین جو اس مطبع سے نکلین حسب ذیل ہین۔ مناقب الحیدریہ بزبان عربی ۱۸۱۹ء مین۔ محامد حیدری فارسی مین ۱۸۲۲ء مین یہ دونون کتابین غازی الدین حیدر کی تعریف مین ہین)۔ گلدستہ محبت جسمین نواب گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز اور غازی الدین حیدر کی ملاقات کا حال فارسی مین ہے۔ ہفت قلزم بخط طغرا تاج اللغات جو ایک عربی کی لغت زبان فارسی مین ہے ۱۸۳۱ء مین ایک انگریز مسٹر آرچر جنہون نے ایک لیتھو کا چھاپہ خانہ کانپور مین کھولا تھا نصیر الدین حیدر کے حکم سے لکھنؤ آئے اور یہان بھی ایک مطبع جاری کیا۔ ایک اور مشہور کتاب جو اس زمانہ مین لکھنؤ مین چھپی وہ ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ تھی جسکو لارڈ بروہم نے سائنس کے فوائد اور اعمال پر تصنیف کیا تھا۔ اس کا ترجمہ سید کمال الدین حیدر معروف بہ میر محمد حسینی لکھنوی نے اسکول بک سوسائٹی کلکتہ کی فرمایش سے کیا اور مطبع سلطانی مین ۱۸۴۳ء مین چھپا۔ یہ ترجمہ نہایت صاف اور سلیس اردو مین ہے۔ سب سے پہلی کتاب جو لکھنؤ مین لیتھو مین چھپی شرح الفیہ تھی ۱۸۴۸ء مین تقریباً بارہ چھاپے خانے لیتھو کے لکھنؤ مین موجود تھے جنمین مطبع میر حسن اور مطبع مصطفائی بہت مشہور ہین ۱۸۴۹ء مین منشی کمال الدین حیدر مذکور نے جو رصد خانہ شاہی کے میر منشی تھے بادشاہ کی خوشنودی مزاج کے واسطے خاندان شاہی کی تاریخ لکھنا شروع کی مگر کچھ باتین بادشاہ کو پسند نہ آئین جسکی وجہ سے رصد خانہ توڑ دیا گیا اور کتاب کی طباعت بھی روک دی گئی اور بہت سے اہل مطبع کانپور چلے گئے۔ مطابع کی تاریخ مین سب سے اہم واقعہ اس عہد کا

یہ ہے کہ لکھنؤ مین منشی نولکشور صاحب نے اپنا مشہور مطبع جاری کیا جسکی بدولت پرانی پرانی فارسی و عربی و نیز سنسکرت و ہندی کی وہ کتابین چھپین جو کس مپرسی کی حالت مین پڑی تھین اور اگر شایع نہ ہوتین تو معدوم ہو جاتین - اس مطبع نے علم کے محدود دائرے کو وسیع کر دیا اور اس کے فوائد ملک کے تمام طبقونکو یکسان طور پر پہونچا ئے - تعلیم و تعلم کی ارزانی ہوگئی - اسمین حدیث و تفسیر - قرآن شریف باترجمہ فقہ اصول وغیرہ جملہ علوم اہل اسلام - و نیز وید پران بید ک وغیرہ علوم اہل ہنود یکسان طور پر نہایت فراخدلی سے شایع کئے گئے - قرآن شریف کے مترجم چھپنے سے لوگونکو اسکے مطالب سے آگاہی ہوئی اور اس سے وہی فائدہ مسلمانون کو ہوا جو بائبل کے ترجمے نے مسیحیون کو پہونچا تھا -

رسایل و جرائد و اخبارات طباعت کی آسانیونکا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ رسایل و جرائد اور اخبارات زبان اردو مین بہ کثرت جاری ہوے جس سے پبلک کے معلومات مین بہت کچھ اضافہ ہوا اور انکو دنیا بھر کی خبرین بے تکلف معلوم ہونے لگین - ہندوستانی اخبارات سے جو لیتھو مین چھپنے لگے پبلک کے لئے تمدنی و اقتصادی معلومات کا ایک دروازہ کھل گیا اور ترقیونکی راہین فراخ ہوگئین - اور مضمون نویسونکو علاوہ توسیع زبان کے یہ موقع بھی ملا کہ وہ اپنی زبان کو یورپی مضامین اور طرز کے موافق ڈھالین - سنہ ۱۸۳۲ء مین بجائے فارسی کے اردو سرکاری زبان قرار پائی جس سے اسکا نہ صرف مرتبہ بڑھا بلکہ عربی و فارسی کے وہ سب الفاظ اور مصطلحات جو ابتک اس زبان مین رائج تھے اردو زبان مین منتقل ہوگئے اور رواج پا گئے - مغربی تمدن کے اثر نے بھی زبان کو طرح طرح کے فوائد سے مالامال کیا - سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فارسی کی تقلید مین جو عبارت اور لفظونپر زور دیا جاتا تھا وہ طریقہ متروک ہوکر زبان صاف اور سادہ ہوئی اور بجائے الفاظ کے نفس مطلب اور مضمونپر زور دیا جانے لگا - اسکے علاوہ وہ درسی کتابین جو تعلیمی ضرورت سے انگریزی یا دوسری زبانون سے ترجمہ کی گئین انکا ترجمہ سوائے صاف اور سادہ زبان کے پیچیدہ عبارت مین ہو بھی نہین سکتا تھا لہذا صاف اور سلیس عبارت مین ترجمہ کی گئین - چنانچہ کلکتہ اور لاہور مین جو انگریزی کتابون کے ترجمے کئے گئے وہ سب اسی قبیل کے تھے - اور اب اردو فارسی سے بے نیاز ہوکر اپنے پاؤنپر کھڑے ہونے کے قابل ہوگئی - اس اصلاح کو سر سید ایسے قابل بزرگ کے مساعی جمیلہ نے بہت تقویت پہونچائی - یہ انیسوین صدی کے نصف

آخر مین ہندوستان کی ایک بزرگ ہستی اور مسلمانون کے ایک رہبر اور مصلح اعظم تھے جنکا کچھ مختصر حال آگے لکھا جاتا ہے۔

سر سید احمد خان ۱۸۱۷ء تا ۱۸۹۸ء جواد الدولہ عارف جنگ سر سید احمد خان بہادر۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ہندوستان کے مشہور لیڈر اور ایک فصیح البیان اور جلیل القدر مصنف فلسفی ریفارمر اور مُدبّر تھے۔

اُنکی قابلیت اُنکی ہر دلعزیزی اور انکی مقناطیسی قوت کے اثر سے بہت سے قابل قابل اہل علم و فضل اُنکے گرد جمع ہو گئے تھے جنکے ادبی کارنامون سے نہ صرف ادب اُردو مالا مال ہوا بلکہ وہ ایک طرز خاص کے موجد ہوئے اور ہندوستان کے مسلمانونکے طرز زندگی اور معاشرت پر اُنکی مساعی جمیلہ کا بہت گہرا اثر پڑا۔ چونکہ سید صاحب کی زندگی مختلف شعبون اور مشاغل پر منقسم ہے لہذا اُن سب سے قطع نظر کرکے ہم یہان انکا ذکر صرف ایک ادیب اور قومی لیڈر کی حیثیت سے کرتے ہین۔

سر سید مرحوم دلّی مین ۱۸۱۷ء مین پیدا ہوئے۔ اُنکا خاندان علو رتبت اور اعزاز کے لحاظ سے ایک مشہور خاندان تھا۔ انکے آبا و اجداد جو ابتدا عرب کے رہنے والے تھے داغستان آئے اور وہان کچھ دنون قیام کرکے ہمدان اور ہرات پہونچے۔ انکے بزرگ شاہجہانکے عہد مین ہندوستان آئے اور یہان عہدہائے جلیلہ پر ممتاز ہوئے۔ عالمگیر ثانی نے سید صاحب کے دادا کو جواد الدولہ کا خطاب دیا تھا جو حُسن اتفاق سے خود سیّد صاحب کو بھی عنایت ہوا۔ سیّد صاحب کے والد میر تقی ایسے قانع بزرگ تھے کہ کہا جاتا ہے جب اکبر شاہ ثانی نے اُنکو عہدۂ وزارت پر ممتاز کرنا چاہا تو انھون نے اُس سے انکار کر دیا۔ سیّد صاحب کی والدہ نے جن کا نام عزیز النسا بیگم تھا، جو ایک روشندل خاتون تہین، سید صاحب کی پرورش کی، اور انکو زمانہ کی ضروریات کے موافق تعلیم دلائی۔ سیّد صاحب نے خوش نصیبی سے ایسا زمانہ پایا تھا جسمین غالب صہبائی آزردہ، شیفتہ، مومن وغیرہ کیطرح کے زندہ دل ارباب کمال موجود تھے۔ مرزا غالب اور سیّد صاحب مین اسقدر ارتباط تھا کہ سیّد صاحب اُن کو چچا کہتے تھے۔ ۱۸۳۸ء مین سیّد صاحب دلّی مین بعہدۂ سررشتہ داری مقرر ہوئے اور یہ اُنکی پہلی ملازمت تھی۔ ۱۸۳۹ء

مین نائب منشی اور ۱۸۴۱ء مین امتحان منصفی پاس کرکے منصف ہوئے ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۴ء
تک دلی کے صدر امین رہے اور اسی زمانہ مین اپنی مشہور و معروف کتاب آثار الصنادید لکھی جسمین دلی
کے مشہور مقامات اور آثار قدیمہ اور نیز اپنے زمانہ کے دلی کے تمام کاملین اور فقرا، علما اور شعرا وغیرہ
کا ذکر کیا ہے اس کتاب کی اتنی شہرت ہوئی کہ اُس کا ترجمہ انگریزی مین ہوا اور فرنچ مین گارسن ڈیٹاسی
نے ترجمہ کیا جو ۱۸۶۱ء مین شایع ہوا۔ سید صاحب نے ۱۸۴۲ء مین ایک کتاب موسوم بہ "جلاء القلوب"
جسمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا حال ہے ۱۸۴۴ء مین "تحفہ حسن" ۱۸۴۵ء
مین "تحصیل فی جرح السایل" (ترجمہ معیار العقول) ۱۸۴۶ء مین "فوائد الافکار" اور "قول متین"۔
۱۸۴۹ء مین کلمۃ الحق ۱۸۵۰ء مین راہ سنت ۔ ۱۸۵۲ء مین سلسلۃ ملوک ہند جسمین دلی کے بادشاہون
کے مختصر حالات راجہ جدہشٹر کے وقت سے لکھے ہین۔ اور ۱۸۵۲ء مین ترجمہ کیمیائے سعادت تصنیف
کین ۱۸۵۵ء مین سید صاحب بجنور منتقل ہوگئے جہان اُنہون نے تاریخ بجنور لکھی ۔ آئین اکبری کی تصحیح
و تحشی کا فخر بھی سید صاحب کو حاصل ہے۔ مسٹر بلاکمین جنہون نے آئین اکبری کا انگریزی مین ترجمہ کیا ہے
سید صاحب کی کاوش کے معرف اور انکی تصحیح کے معترف ہین ۱۸۵۷ء یعنی سال غدر مین سید صاحب نے
مختلف طریقون سے امداد کی۔ اور جب انکو ایک علاقہ اُن کی خدمات کے صلے مین پیش کیا گیا تو اُنہون نے
اُسکے لینے سے انکار کردیا ۱۸۵۸ء مین اُنہون نے اپنا مشہور پمفلٹ "اسباب بغاوت ہند" تصنیف کیا
جو ۱۸۶۰ء مین شایع ہوا۔ اسکے علاوہ ایک اور کتاب "وفادار مسلمانان ہند" کے نام سے شایع کی۔ برنی کی
"تاریخ فیروزشاہی" کی ایشیاٹک سوسائٹی کی فرمایش سے تصحیح کی ۱۸۶۲ء مین اُنکی تفسیر بائیبل موسوم بہ
"تبیین الکلام" شایع ہوئی جس کو قدیم روش کے مسلمانون نے ناپسند کیا اور اسپر نکتہ چینی کی مگر اہل یورپ
نے اسکی بڑی قدر کی ۱۸۶۲ء مین سید صاحب بدلکر غازی پور آئے جہان سائنٹیفک سوسائٹی کا
سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس سوسائٹی کے قیام کی غرض یہ تھی کہ مشہور اور مستند انگریزی کتابون
کا اردو مین ترجمہ کیا جائے تاکہ اہل اسلام یورپ کے خیالات اور وہانکے تمدن سے واقف ہون ڈیوک
آف آرگائیل جو اس زمانہ مین سکریٹری آف اسٹیٹ ہند تھے اس سوسائٹی کے مربی (پیٹرن)۔

اور لفٹنٹ گورنران پنجاب و بنگال اس کے وائس پیٹرن بنائے گئے - ایک زمانہ مین یہ سوسائٹی بہت مشہور و مقبول تھی اور اسکے ممبرون نے نہایت عمدہ عمدہ رسالے مختلف مضامین مثلاً تاریخ بیوگرفی زراعت و فلاحت اقتصادیات پر لکھے سنہ ۱۸۶۴ء مین وہ علیگڈہ آئے اور اُنکے ساتھ سوسائٹی بھی وہین منتقل ہوکر آگئی - سنہ ۱۸۶۱ء مین اُنھون نے ایک انگریزی اسکول مراد آباد مین اور سنہ ۱۸۶۴ء مین اسی طرح کا ایک اسکول غازی پور مین قایم کیا تھا اور مختلف مقامات مین انگریزی تعلیم کے فوائد اور برکتون پر لکچر دئے تھے سنہ ۱۸۶۶ء مین انھون نے ایک انجمن قائم کی جسکا نام برٹش انڈین ایسوسی ایشن تھا - اور نیز اپنی سائنٹفک سوسائٹی کا ایک ماہوار رسالہ "علیگڈہ انسٹیوٹ گزٹ" کے نام سے نکالا جسمین وہ خود بھی مختلف قسم کے مضامین پر کچھ نہ کچھ لکھتے تھے - انگریزی اخبارون کے بھی اچھے اچھے مضامین اسمین ترجمہ کراکے شایع کئے جاتے تھے سنہ ۱۸۶۷ء مین انکا بنارس کو تبادلہ ہوگیا - مگر اُن کے ادبی اور تعلیمی کامون مین اس سے کسی قسم کا حرج واقع نہین ہوا - اسی عرصہ مین اُنھون نے ایک ہندوستانی یونیورسٹی قایم کرنے کی بھی کوشش کی تھی اور گورنر جنرل کو اس مضمون کا ایک میموریل بھی بھیجا تھا اور انکے اس خیال کے ساتھ ہمدردی بھی ظاہر کی گئی تھی - سنہ ۱۸۶۶ء مین رسالہ "احکام طعام باہل کتاب" تصنیف ہوا جس سے مذہبی لوگون مین ایک قسم کی شورش پیدا ہوگئی اور سید صاحب ان باتونکی وجہ سے بہت بدنام ہوگئے - سنہ ۱۸۶۹ء مین اپنے بیٹے مسٹر محمود کے ساتھ (جو بعد کو الہ آباد ہائیکورٹ کے جج ہوگئے تھے) ولایت گئے اور اہل یورپ کے طرز معاشرت اور اخلاق و عادات اور نیز انکے سیاسی اور تعلیمی انتظامات کا مطالعہ خوب کیا - اسی زمانہ مین سر ولیم میور کی مشہور کتاب "لایف آف محمد" (سوانحعمری آنحضرت صلعم) کا ایک دلیرانہ جواب انھون نے لکھا اور نیز مسلمانون کے واسطے ایک رہایشی کالج ولایت کے اکسفورڈ اور کیمبرج کالجونکے انداز پر ہندوستان مین کھولنے کا خیال پیدا ہوا - ولایت مین اُنکو سی - ایس - آئی کا خطاب ملا اور سنہ ۱۸۷۰ء مین ہندوستان واپس آئے - یہان آکر اُنھون نے اپنا مشہور و معروف ماہوار رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا جسکے مطالعہ سے مسلمانان ہند کے خیالات مین ایک انقلاب عظیم رونما ہوا اس سے مسلمانون کو وہی فوائد پہونچے جو اڈیسن اور اسٹیل کے رسایل "ٹیٹلر" اور "اسپکٹیٹر" سے

جوادالدولہ عارف جنگ سر سید احمد خان بہادر ایل ایل ڈی

نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی

اہل انگلستان کو حاصل ہیئے تھے اس کے جاری کرنیکی یہ غرض تھی کہ مسلمانون کے خیالات علی الخصوص
مذہبی خیالات مین وسعت اور ترقی پیدا ہو اور وہ مغربی علوم کی طرف مائل ہون جس سے اُنکے تمام معاشرتی
اور تمدنی معاملات مین ضرور صلاح ہوجائیگی۔ اس مین مختلف قسم کے مضامین مذہب معاشرت اور تعلیم پر
لکھے جاتے تھے اور لکھنے والے خود سرسیّد نواب محسن الملک نواب وقار الملک اور مولوی چراغ علی
ایسے بزرگ تھے جو اپنے خیالات کو نہایت صفائی اور آزادی کیساتھ ظاہر کردیتے تھے۔ اس رسالہ کی
یہ بڑی کوشش تھی کہ مسلمانون کے دل سے یہ غلط خیال کہ اسلام علوم دنیاوی اور اصلاح کا دشمن یا مخالف
ہے نکلجائے اور اُن کو یہ معلوم ہوجائے کہ کن اسباب سے اس قسم کے خیالات اُنکے پیش روون کے دل مین پیدا
ہوگئے تھے۔ وہ نقصان پہونچانے والے اور تکلیف دہ رسوم و قیود کو ترک کرین۔ وہ اپنے افلاس و ادبار کا
احساس کرین اور کٹھ ملاؤن کے پنجہ سے نجات پاجائین۔ اسی زمانہ مین ایک تفسیر قرآن بھی سیّد صاحب نے
تصنیف فرمائی جسکی چھہ جلدین شایع ہوئین۔ مگر یہ نصف قرآن تک پہونچی۔ پہلی جلد ۱۲۹۷ھ مین طبع
ہوئی تھی۔ اس تفسیر کی خصوصیت یہہ ہی کہ اس مین بہت سی باتوں پر جن کا حوالہ قرآن شریف مین ہے بائیبل
کے قصص سے روشنی ڈالی گئی ہے جہاد۔ دوزخ و بہشت معراج وغیرہ پر جو دیگر اقوام نے اعتراضات اور
نکتہ چینیان کی ہین اُنکا شافی جواب دیا گیا ہے بعض تاویلات او ضعیف و غیر مستند احادیث سے احتراز کی ہا
لیگئی ہے اور جو شکوک کہ علوم مآدی کے پڑھنے سے قرآن کی الہامی کتاب ہونیمین پیدا ہوتے ہین وہ رفع
کئے گئے ہین۔ مگر اِن دونون چیزون سے قدیم روش کے مذہبی پیرو سیّد صاحب کے سخت مخالف ہوگئے
اُنکو کافر۔ ملحد۔ نیچری۔ کے خطابات دیے گئے۔ اکثر اخبارات اور رسائل صرف اسی غرض سے جاری
کئے گئے کہ سیّد صاحب اور اُنکے جدید خیالات کا خاکہ اڑایا جائے اُردو کے مشہور ظریف اخبار اودھ پنچ
مین اُنکے کارٹون نکلے اور تمسخر آمیز مضامین نظم و نثر اُنکے نسبت لکھے گئے۔ مگر سیّد صاحب اپنے مشاغل
مین سرگرم رہے اور اس مخالفت کا اثر مطلق اثر نہ پڑا۔ آخر عمر مین اُنکو سوائے اپنے محبوب کالج کی ترقی
کے اور کوئی خیال نہ تھا۔ ۱۸۷۶ء مین وہ سرکاری ملازمت سے کنارہ کش ہوگئے اور بقیہ عمر تعلیمی اور
سیاسی مشاغل مین گزاردی۔ بالآخر ۱۸۹۸ء مین ایک طویل عمر پاکر اور ایک کامیاب زندگی بسر کرکے

اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور تمام ہندوستان کو اپنا سوگوار چھوڑ گئے ۔

سید صاحب کا طرز تحریر

یقیناً سید صاحب اردو جرائد نگارون مین ایک بہت بلند مرتبہ رکھتے ہین۔ اُنکا قلم بہت زبردست اور اُنکا تبحر علمی بہت اعلیٰ تھا۔ اُن کا طرز تحریر زوردار مگر صاف اور سادہ ہے۔ اسمین کسی قسم کی عبارت آرائی نہین ہے۔ کچھ غلطیان بھی اسمین نکلین گی مگر سید صاحب قواعد صرف و نحو کی پابندی کی مطلق پروا نہین کرتے تھے وہ مقررہ قواعد انشا پردازی سے بالکل بے نیاز تھے۔ مگر یہی چیز اُنکی شہرت اور قابلیت کو نقصان پہونچانے کے بجائے اسمین اور اضافہ کرتی تھی۔ اُنکے طرز جدید نے قدیم تصنع نگاری پر جو بیدل اور ظہوری کی فارسی کی تقلید مین اُردو مین بھی برتی جاتی تھی ایک ضرب کاری لگائی اور یہ ثابت کر دیا کہ سادہ اور بے تکلف عبارت مین تصنع سے زیادہ خوبیان ہین "مضمون کو دیکھو اور عبارت آرائی سے غرض نہ رکھو" پر سید صاحب کا عمل تھا اور حقیقت مین یہی حال اُنکی تمام تحریرون کا ہے۔ انکی عبارت اُنکے ادائے مطالب مین کبھی قاصر نہین ہوتی اُنکو زبان پر عبور حاصل ہے۔ نثر اُردو لکھنے مین وہ ایسے مشاق تھے کہ اُنکے پیشتر کوئی اُنکا ہم پلہ نہین تھا۔ مولانا حالی تو اُنکو نثر اُردو کا مورث اعلےٰ قرار دیتے ہین۔ سب سے بڑی خوبی سید صاحب مین یہ تھی کہ وہ مشکل سے مشکل اور دقیق سے دقیق مضمون کو خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی۔ نہایت صاف اور بے تکلف زبان مین ادا کر سکتے تھے۔ اور نیز اپنے مضامین کے حسن و قبح کو بھی نہایت زوردار الفاظ مین وضاحت سے بیان کر سکتے تھے۔ مگر سید صاحب اور غالب کے معاصرانہ تعلقات کو دیکھکر یہ ماننا پڑتا ہے کہ مرزا کی طرز خاص کا سید صاحب پر ایک خاص اثر پڑا اور جو سادگی اور بے تکلفی اُنکی عبارت مین پائی جاتی ہے اُسکا نقش اول غالب کے ہاتھون صورت پذیر ہو چکا تھا۔

سید صاحب کے رفقائے کار

دنیا کے تمام بڑے لوگون کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ وہ اپنے ساتھ والون مین بھی اپنا ہی ایسا جوش و خروش اور صداقت و راستبازی پیدا کر دیتے ہین۔ یہی حال سید صاحب کے حواریون کا تھا جنکی زبردست جماعت نے اپنے ادبی اور سیاسی کارنامون سے ہندوستان مین ایک ہنگامہ پیدا کر دیا۔ خاص خاص لوگ جو اس جماعت مین شامل ہونے کا فخر رکھتے تھے یہ ہین۔ نواب

محسن الملک ۔ نواب وقار الملک مولوی چراغ علی مولوی ذکاء اللہ خواجہ الطاف حسین حالی شبلی نعمانی مولانا نذیر احمد ۔ اور مولوی زین العابدین ۔ انمین سے اکثر اصحاب کے کچھ مختصر حالات اس کتاب مین قلمبند کئے گئے ہین حالی قومی شاعر تھے ۔ مولوی نذیر احمد اپنے نصیحت آمیز افسانون اور ناولون کے لئے مشہور ہین ۔ شبلی اور ذکاء اللہ فن نقد اور تاریخ کے امام تھے ۔ مولوی چراغ علی اور نواب محسن الملک کے بیش بہا اور گرانقدر مضامین نے ادب اُردو کو ہمیشہ کے لئے ممنون احسان کیا ۔ ان تمام بزرگون کی مساعی جمیلہ جو مسلمانونکی اصلاح حال کے لئے وقف تھین نہایت بارآور اور کامیاب ثابت ہوئین اور انکی تصانیف سے زبان اُردو مین بیش بہا اضافہ ہوا ۔

نواب محسن الملک ۱۸۳۷ء تا ۱۹۰۷ء

محسن الملک نواب سید مہدی علیخان بہادر ۱۸۳۷ء مین ۔ اٹاوہ مین پیدا ہوئے ۔ معمولی درسیات سے فراغت کرکے بعہد ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۰ روپیہ ماہوار پر کلارک مقرر ہوئے ۔ رفتہ رفتہ ترقی کرکے ۱۸۵۰ء مین اہلمد پھر سررشتہ دار اور ۱۸۶۱ء مین تحصیلدار سرکاری مقرر ہوئے ۔ اپنے خدمات کی انجام دہی مین انہون نے انتہا درجہ کی قابلیت اور کارگزاری کا ثبوت دیا ۔ اور اسی اثنا مین دو کتابین اُردو مین ایک قانون مال اور دوسری قانون فوجداری کے متعلق تصنیف کین جنکو اُس زمانہ مین شہرت ہوئی ۱۸۶۳ء مین ڈپٹی کلکٹری کا مقابلہ کا امتحان کامیابی سے دیکر ۱۸۶۷ء مین مرزاپور کے ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے ۔ انکی قابلیت کی شہرت دور دور پہونچی تھی ۔ چنانچہ سر سالار جنگ اول نے انکو حیدرآباد طلب کیا اور ۱۸۷۴ء مین وہ مالیات کے افسر اعلےٰ (انسپکٹر جنرل) مقرر ہوئے ۔ قیام حیدرآباد کے زمانہ مین اُنہون نے اکثر کام نہایت مفید انجام دئے مثلاً محکمہ بندوبست و پیمایش مین بہت مفید اصلاحین کین اور بجائے فارسی کے اردو کو سرکاری زبان قرار دیا ۔ ۱۸۷۶ء مین ریونیو سکرٹری یعنی اعلیٰ معتمد مال اور ۱۸۸۴ء مین فنانشل و پولیٹیکل سکریٹری کے معزز عہدے پر ممتاز ہوئے اور سرکار نظام سے "محسن الدولہ محسن الملک منیر نواز جنگ" کا خطاب پایا ۔ سفر انگلستان بھی کیا تھا اور گلیڈسٹون سے ملاقات کی تھی ۔ بالآخر پولیٹیکل سازشون کے سبب سے اپنے عہدہ سے علٰحدہ ہوکر اور آٹھ سو روپیہ ماہوار پنشن پاکر علیگڈھ چلے آئے جہان

بقیہ عمر کالج کے انتظام اور سرپرستی اور تعلیمی خدمات مین صرف کی۔

سید صاحب سے اُنکے بہت قدیم تعلقات تھے۔ مشہور ہے کہ جب سید صاحب شروع شروع مین مذہب مین کچھ دست انداز بیان کر رہے تھے تو عام مسلمانوں کی طرح یہ بھی اُنکو کافر و ملحد سمجھتے تھے مگر بعد کو جب اُنکی حقیقت سے آگاہ ہوے تو اُنکے بہت بڑے مداح اور معاون ہو گئے۔ چنانچہ "تہذیب الاخلاق" مین اکثر بیش بہا مضامین انہین کے قلم سے ہین جو ایک مذہبی اور تاریخی حیثیت رکھتے ہین اور جنکی غرض اصلی صرف یہ ہے کہ زمانۂ حال کے مسلمان جو نکبت و ضلالت کے گڑھے مین پڑے ہوے ہین اپنے بزرگان سلف کے قدم بہ قدم چلین اور اپنے آپکو ہر حیثیت یعنے تعلیم و اخلاق و سیاست کے اعتبار سے کامیاب بنائین۔ اسمین کوئی شک نہین کہ یہ تمام مضامین اُنکے تبحر علمی و وسیع النظری اور انصاف پسندی کے شاہد عادل ہین مولانا حالی نے بہت سچ لکھا ہے کہ "سید مہدی علی مسلمانون کے دلونکو اُنکے بزرگون کے کارنامے یاد دلا دلا کر اُبھارتے تھے اور جو کچھ کہ اُنھون نے سرسید کی تائید مین لکھا وہ بڑے استدلال و استناد سے لکھا۔ اکثر اُن کے مضامین جو ایک اچھی خاصی کتاب کے برابر ہین بڑی تلاش اور محنت سے لکھے گئے ہین"۔ اسی طرح مولانا شبلی بھی انکی بہت تعریف کرتے ہین۔ اور کہتے ہین کہ "میدان ادب مین وہ کسی بڑے سے بڑے نثار سے پیچھے نہین رہے اور انکا ایک خاص طرز تحریر ہے"

اُن کے طرز تحریر کے خصوصیات یہ ہین کہ عبارت نہایت زوردار ہوتی ہے مگر اسپر بھی صفائی اور سلاست اور حسن بیان مین فرق نہین پڑتا۔ اگر کہین پرانے طرز کی تقلید مین عبارت آرائی اور رنگینی پیدا کرنا چاہتے ہین تو اُنکے صنایع بدایع اور استعارات و تمثیلات بُرے نہین معلوم ہوتے۔ بلکہ حسن عبارت کو اور بڑھا دیتے ہین۔ مگر یہ سمجھنا چاہیے کہ اس قسم کی پُر تکلف عبارت وہ زیادہ نہین لکھتے تھے۔ اُنکے زیادہ تر مضامین صاف سادہ اور سلیس ہین۔ علاوہ مضامین مذکورۂ بالا کے اُنکی کوئی مشہور تصنیف سوائے "آیات بینات" کے نہین ہے اور یہ ایک مذہبی رنگ کی کتاب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مولوی ظفر علیخان نے ڈریپر کی مشہور کتاب "معرکہ مذہب و سائنس" کا ترجمہ نواب صاحب موصوف ہی کی فرمایش سے کیا تھا نواب صاحب نے سنہ ۱۹۰۷ء مین انتقال کیا اور سرسید کے قریب دفن ہوے۔

نواب وقارالملک
۱۸۳۹ء تا ۱۹۱۷ء

خلافت علیگڈھ کے خلیفہ ثانی نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین شیخ فضل حسین کے صاحبزادے تھے امروہہ (یوپی) کے قریب ایک گاؤن مین پیدا ہوے۔ ایک کمبوہ خاندان سے تھے۔ شروع مین کسی اسکول مین پڑھاتے تھے اور زمانہ قحط مین امروہہ مین کچھ سرکاری خدمات انجام دین پھر رفتہ رفتہ سررشتہ دار اور منصرم صدر الصدور ہو گئے اور سر سید کے ساتھ کام کرتے رہے سر سید ہی کی سفارش سے حیدر آباد پہونچے جہان سر سالار جنگ کے حکم سے ناظم دیوانی کے عہدہ پر ممتاز ہوئے اور اپنی قابلیت تن دہی اور دیانت سے حکام اعلی کو مطمئن اور خوش رکھا۔ سازشون کی وجہ سے انکو بھی حیدر آباد چھوڑنا پڑا مگر پھر جلد بلا لیے گئے اور دوبارہ انھون نے نہایت عمدہ اور مفید صلاحین سرکاری کامون مین کین جسکے صلہ مین معزز خطاب "وقار الدولہ وقار الملک" کا سرکار آصفیہ سے عنایت ہوا۔ ۱۸۹۱ء مین ملازمت سے کنارہ کش ہو کر بقیہ عمر قومی کامون مین علی الخصوص علیگڈھ کالج کی صلاح و ترقی مین صرف کر دی۔ نواب صاحب موصوف ۱۸۶۶ء مین سائنٹفک سوسائٹی کے ممبر اور "تہذیب الاخلاق" کے مہتمم بھی ہو گئے تھے تصانیف آپکی چند قیمتی مضامین ہین" جو تہذیب الاخلاق مین شایع ہوئے اور ایک انگریزی کتاب "فرنچ ریولیوشن اینڈ نپولین" کا اردو ترجمہ "سرگذشت نپولین بونا پارٹ" ہے جسکی تالیف مین منشی گلزاری لال اور بابو گنگا پرشاد نے بھی کچھ حصہ لیا تھا اور ۱۸۸۱ء مین مطبع نول کشور سے چھپکر شایع ہوا۔

مولوی چراغ علی
۱۸۴۴ء تا ۱۸۹۵ء

نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی ۱۸۴۴ء مین پیدا ہوئے۔ والد کا نام مولوی محمد بخش تھا انھون نے میرٹھ سہارنپور اور پنجاب مین سرکاری ملازمت کر کے ۱۸۵۶ء مین انتقال کیا اور اپنے بعد چار لڑکے چھوڑے جنمین چراغ علی سب سے بڑے تھے۔ چراغ علی ابتدائی تعلیم سے فراغت کر کے ضلع بستی کے محکمہ خزانہ مین مبلغ بیس روپیہ ماہوار پر مقرر ہوے ۱۸۷۲ء مین عدالت جوڈیشیل کمشنر اودھ کے ڈپٹی منصرم اور پھر سیتاپور کے تحصیلدار ہوے ۱۸۷۷ء مین سر سید کی کوشش سے حیدر آباد گئے جہان نواب محسن الملک کی ماتحتی مین نائب معتمد مال بمشاہرہ چار سو روپیہ مقرر ہوے اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے ریوینو اور پولیٹکل سکرٹری کے معزز عہدہ پر بمشاہرہ پندرہ سو روپیہ ماہوار ممتاز ہوے ۱۸۹۵ء مین انتقال کیا۔

مولوی چراغ علی نہایت بیدار مغز متدین غیر متعصب اور راستباز شخص تھے۔ کتب بینی کا انکو

اسقدر شوق تھا کہ مقامات دور دراز مثلاً مصر و شام سے کتابین منگواتے تھے۔ ابتداے عمر سے مضمون نگاری کا شوق تھا جسمین مذہبی رنگ غالب تھا کبھی کبھی عیسائی پادریون سے بھی مقابلہ ہوجاتا تھا جسمین یہ مذہب اسلام کی خوبیون کو نہایت شد و مد سے ثابت کرتے تھے۔ یہ مطالعہ کتب کے عاشق اور پابندی اصول کے ایک پیکر مجسم تھے۔ انکی تصانیف کثرت سے ہین۔ علاوہ اُن کتابون کے جو ملازمت حیدرآباد کے زمانہ مین حیدرآباد کے انتظامی معاملات اور سرکاری رپوٹون وغیرہ کے متعلق انھون نے لکھین کتب ذیل جو عام دلچسپی کی ہین مشہور ہین تحقیق الجہاد مسلمانون نے اپنے زمانۂ حکومت مین کیا کیا اصلاحات کین رسول برحق۔ اسلام کی دنیاوی برکتین۔ قدیم قومونکی مختصر تاریخ۔ اِن کے علاوہ اُن کے مضامین تہذیب الاخلاق اور وہ خطوط جو مجموعۂ رسائل" کے نام سے چھپے ہین اور چند اردو اور انگریزی پمفلٹ بھی ہین جو مسائل اختلافی پر لکھے گئے تھے۔ مولویصاحب موصوف علاوہ ایک متبحر فاضل اور جید عالم ہونے کے فن مناظرہ مین ایک بہت بڑی دستگاہ رکھتے تھے اور انکو مشکل مسایل مین دلنشین جواب دینے کا ایک خاص سلیقہ تھا۔ اور عبارت بھی نہایت زوردار لکھتے تھے ہرچند کہ اُسمین ادبی شان کم ہوتی تھی۔

مولوی محمد حسین آزاد
متوفی سنہ ۱۹۱۰ء

شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد گذشتہ صدی کی تیسری دہائی مین دلّی مین پیدا ہوے انکے والد مولوی باقر علی جنھون نے شمالی ہند مین مضمون نویسی مین بڑی شہرت حاصل کی تھی ذوق کے دلی دوست تھے۔ اسیوجہ سے آزاد کی ابتدائی تعلیم استاد ذوق کے سایہ عاطفت مین ہوئی انھین کی بابرکت صحبت مین اُنھون نے شعر گوئی اور فن عروض سیکھا آزاد پرانے دلّی کالج کے تعلیم یافتہ تھے جس سے مولوی نذیر احمد مولوی ذکاء اللہ ماسٹر پیارے لال آشوب ایسے لایق اور ہونہار لوگ پڑھکر نکلے استاد ذوق کے ساتھ یہ بڑے بڑے مشاعرون مین شریک ہوتے اور بڑے بڑے شعرا سے روشناس ہوتے تھے۔ اور اُنھین ادبی سرچشمون سے انکا ذوق سخن سیراب ہوتا تھا۔ غدر ۵۷ء کی مصیبتون کے بعد آزاد اپنے وطن سے نکل کھڑے ہوے اور سرگردان پھرتے ہوے لکھنؤ پہونچے۔ انکے والد کا انتقال غدر مین ہوچکا تھا استاد کا کلام اور کچھ خود انکا کلام جو پہلے کا تھا غدر مین ضایع ہوگیا تھا ہنگامہ غدر فرو ہونے کے بعد آزاد نے کسب معاش کے مختلف ذرایع اختیار کیے۔ کچھ دنون تک ایک فوجی اسکول مین ماسٹر رہے مگر چند دنونکے

بعد اس کام کو چھوڑ دیا - آخر کار پھرتے پھراتے سنہ ۱۸۶۴ء مین لاہور پہونچے اور مولوی رجب علی کے
ذریعہ سے پنڈت من پھول لفٹنٹ گورنر کے میر منشی سے ملے جنکی سفارش سے سر رشتہ تعلیم کے محکمہ مین
پندرہ ۱۵ روپیہ ماہوار کے ملازم ہوگئے - چھوٹے عہدے کیوجہ سے اتنا موقع نہین ملتا تھا کہ بڑے بڑے
افسران سرکاری سے ملین جو انکی لیاقت اور قابلیت کا لحاظ اور قدر کرکے انکو کسی علے عہدے پر پہونچائین
اتفاق سے ماسٹر پیارے لال آشوب کے ذریعہ سے جو ان کے بہی خواہ اور دوست تھے میجر فلر صاحب ڈائرکٹر
سر رشتہ تعلیم تک رسائی ہوگئی جو علوم و السنہ مشرقیہ سے کمال ذوق رکھتے تھے - اور رسائی کی صورت یہ ہوئی کہ
میجر صاحب نے لفظ ایجاد کو مؤنث لکھا تھا جسکی نسبت تذکیر و تانیث کا کچھ شبہ تھا - ماسٹر پیارے لال نے
آزاد کو بلایا اور اُنسے اسکی بابتہ دریافت کیا گیا - اُنھون نے "ایجاد" کو مذکر کہا - اور جب سند مانگی گئی تو یہ شعر
سودا کا پڑھا ؎ ہاے یہ کس بھڑوے کا ایجاد ہے - نسخہ مین معجون زرنباد ہے اسوقت سے میجر صاحب
کی خدمتمین انکی رسائی ہوگئی اور کچھ ترقی بھی ہوگئی - سب سے پہلے یہ اُردو و فارسی کی درسی کتابین لکھنے پر مامور
ہوئے چنانچہ فارسی کی پہلی اور دوسری کتاب - اُردو کی پہلی - دوسری اور تیسری اور قصص ہند
اس زمانہ کی انکی مشہور تصانیف ہین جو مبتدیون مین نہایت مقبول ہوئین - اور اُنھین تصانیف کی بدولت
پنجاب مین اسکولی تعلیم بہت رائج ہوئی - آزاد کو یہ بھی فخر حاصل ہے کہ اُنھون نے انجمن پنجاب کے قیام مین
بہت بڑا حصہ لیا جسکی وجہ سے صوبہ پنجاب مین اُردو کی ترقی اور ترویج ہوئی جب میجر فلر کے بعد کرنل
ہالرائڈ ڈائرکٹر تعلیم مقرر ہوئے جنکو زبان اُردو کا محسن سمجھنا بالکل بجا ہے تو سنہ ۱۸۷۴ء مین آزاد نے
کرنیل صاحب موصوف کو اس بات پر آمادہ کیا کہ انجمن پنجاب کی سرپرستی مین ایک خاص مشاعرہ قایم کیا
جائے جسکی غرض یہ ہو کہ اردو شاعری کی مبالغہ آمیز اور پر تصنع روش بدلجائے اور اسمین حقیقت اور اصلیت
کی روح پیدا کیجا ے - سنہ ۱۸۶۵ء مین وہ کسی سرکاری کام سے کلکتہ اور پنڈت من پھول کی معیت مین
ایک سفارتی مشن پر کابل و بخارا گئے تھے - ایران وہ دو مرتبہ گئے - پہلی مرتبہ سنہ ۱۸۶۵ء مین اور دوسری
مرتبہ سنہ ۱۸۸۳ء مین - زبان فارسی سے انکو ایک خاص لگاؤ تھا اور اسیوجہ سے اسکا مطالعہ اُنھون نے
خاص طور پر کیا تھا اور ایران کے قیام نے اُن کو جدید فارسی سے بھی آشنا کر دیا تھا - انہین وجوہ سے

انکی وہ تصانیف جو زبان فارسی کے متعلق ہین دلچسپی اور معلومات سے پُر ہین۔ کرنل ہالرائڈ نے آزاد کو "اتالیق پنجاب" (ایک سرکاری اخبار) کا سب ایڈیٹر بمشاہرہ پچہتر روپیہ ماہوار مقرر کیا تھا۔ اور ایڈیٹر رائے بہادر پیارے لال آشوب تھے۔ جب تھوڑے عرصہ کے بعد یہ اخبار بند ہوگیا اور "پنجاب میگزین" اُسکی جگہ نکلا تو آزاد اسکے بھی سب ایڈیٹر مقرر ہوئے اور اُن کے بعد مولانا حالی کچھ دنون اس عہدے پر متعین رہے۔ آزاد گورنمنٹ کالج لاہور مین عربی اور فارسی کے پروفیسر بھی ہو گئے تھے ۱۸۸۷ء مین ملکہ وکٹوریہ کے جوبلی کے موقع پر انکی قابلیت کے صلہ مین انکو شمس العلما کا خطاب عطا ہوا۔ دماغی محنت اور سفر ایران کا تعب اور اپنی پیاری بیٹی کی بیوقت موت کیوجہ سے جنکو وہ بہت عزیز رکھتے تھے اور جنکو نہایت عمدہ تعلیم دلائی تھی اُنکے قوائے دماغی پر بہت بڑا اثر پڑا جسکی وجہ سے ۱۸۸۹ء مین کچھ جنون کے آثار معلوم ہونے لگے جس سے وہ کسی دبی کام کے لایق نہین رہے۔ آخر عمر تک یہی حالت جنون کی رہی اور ۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء کو اس جہان فانی سے رحلت کی۔

تصانیف آزاد کی حسب ذیل تصانیف ہین۔ فارسی ریڈرین (۲ حصے) قدیم اُردو ریڈرین (۳ حصے) اُردو کا قاعدہ و قواعد اُردو قصص ہند۔ جامع القواعد نئی اُردو ریڈرین (۳ حصون مین) آبحیات۔ نیرنگ خیال۔ سخندان فارس۔ قند پارسی۔ نصیحت کا کرن پھول۔ دیوان ذوق نظم آزاد۔ دربار اکبری نگارستان فارس۔ سپاک نماک۔ جانورستان۔

ریڈرین اور اسکولی کتابین اُردو اور فارسی ریڈرین اور ابتدائی رسایل صرف و نحو طلبائے اسکول اور مبتدیوں کے واسطے لکھے گئے تھے۔ ان سب کی عبارت نہایت سلیس اور عام فہم ہے اور فی الحقیقت طلبا کے واسطے وہ بہت مفید اور کچھ عرصہ تک وہ داخل درس رہی بھی ہین علی الخصوص قصص ہند جسمین تاریخ ہندوستان کے مشہور مشہور حالات و واقعات عجیب دلچسپ بلیغ اور پرزور عبارت مین لکھے گئے ہین۔ یہ لاجواب کتاب جماعت طلبا مین اور نیز پبلک مین بیحد مقبول ہے اور اسکے متعدد ایڈیشن شایع ہوچکے ہین بچے اُس کو دلچسپ واقعات کا مجموعہ سمجھتے ہین اور پڑھے لکھے اُسکی عبارت کے دلدادہ ہین۔ جملون کا توازن عبارت کی چستی الفاظ کی شکوہ۔ اور مضامین کی ترتیب اسکی ہمجنس کتابون سے اُسکا درجہ بلند کر دیتی ہے۔

آبحیات مولانا آزاد کا شاہ کار اور اُنکی بہترین تصنیف آبحیات ہے۔ اسمین مشہور مشہور شعرا کے مختصر حالات معہ اُنکے نمونۂ کلام اور تنقید کے درج ہین۔ اور زبان اردو کی تاریخ اور اُن تغیرات کا بھی ذکر ہے جو زبان اُردو مین وقتاً فوقتاً ہوتے رہے ہین حقیقت مین اس کتاب کی تصنیف سے ایک بہت بڑی کمی پوری ہوگئی اسوجہ سے کہ گو کہ اس سے قبل اکثر تذکرے اور مجموعۂ اشعار موجود تھے۔ مگر وہ قابل اعتنا نہ تھے اور نامکمل بھی تھے بعض کا تو یہ حال تھا کہ مشہور مشہور شاعرون کا حال صرف چند سطرونمین لکھدیا اُورنمین بھی آدھے سے زیادہ محض کلمات توصیف وتحسین۔ ادب اُردو آزاد کا ممنون ہے کہ اُنھون نے ایک باقاعدہ اور مفصل تذکرۂ شعرا ترتیب دیا۔ جسکے واسطے یقیناً اُنکو بڑی محنت اور کاوش کرنا پڑی ہوگی۔ وہ ایک ایسا خزانۂ معلومات ہے کہ جس سے مابعد کے مصنفین بہت کچھ مدد لے سکتے ہین اور لیتے رہے ہین علاوہ اس خوبی یعنے گنجینۂ معلومات ہونے کے اُسکی اصلی خوبی اُسکی بے مثال طرز عبارت ہے کہ جسکی نقل کی سب کوشش کرتے آئے ہین مگر کماحقہ کوئی نہین کرسکا۔ الحق آزاد نے آبحیات لکھکر ادب اُردو مین ایک جدید طرز کا اضافہ کیا جو مثل حالی کے سادہ اور عاری از زیب وزینت نہین اور نہ مولوی نذیر احمد کیطرح ثقیل اور روزنی ہے وہ ایک زوردار اور سب سے جدا رنگ رکھتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُسمین کچھ ایسی خوبیان ہین جواحاطۂ بیان سے باہر ہین اور صرف دل اُنسے لطف اُٹھاتا ہے۔ مگر اُسی کے ساتھ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مولانا نے اپنے جوش وشوق مین تاریخی مواد کو غور وخوض سے نہین دیکھا غیر موثق اور غیر معتبر حوالون کی بنیاد پر سر بفلک عمارتین کھڑی کردین۔ اور بعض جگہ کتاب مین دلچسپی پیدا کرنے کے لیئے واقعات مین کمی وبیشی اور تبدیلی تک کو جایز رکھا۔ مگر زمانہ حال کے تجسس وتلاش اور تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ آب حیات کے اکثر بیانات غلط یا کم از کم مشکوک ضرور ہین۔ اکثر جگہ جانبداری کا الزام بھی مصنف پر عاید ہوتا ہے مثلاً اپنے استاد ذوق کی بیجد تعریف وتوصیف اور اُنکے حالات مین شغف اور مرزا غالب کے کمالات سے نسبتاً بے پروائی بلکہ جگہ جگہ اُنپر درپردہ چوٹین۔ مرزا دبیر کے خاندان کو کم کرکے دکھانا۔ انشا کے آخری ایام کے عبرت انگیز غیر موثق حالات وغیرہ یہ اور اسی قسم کی باتین جو ابر اُفق مطالعہ پر نظر آئی ہین آبحیات کے اکثر بیانات کے متضاد اور مخالف واقع ہین۔ پھر بھی اگر اس قسم کی اور بھی غلطیان نکل آئین تو اس سے ہماری

رائے مین کتاب کی اصل خوبی اور قدر و قیمت مین کوئی زیادہ فرق نہین آتا۔ اسی کتاب سے تنقید کا صحیح معیار اردو
مین قایم ہوا حالی کی یادگار غالب کو اسی کتاب کے مطالعہ کا نتیجہ سمجھنا چاہئے مختصر یہ کہ بحیثیت ایک قدیم تذکرہ
کے بحیثیت ایک خزانہ واقعات و حکایات کے بحیثیت غیر قابل تقلید ہونے کے یہ کتاب آپ اپنی جواب ہے
اور آئندہ بھی اسکا جواب مشکل معلوم ہوتا ہے۔

نیرنگ خیال یہ بھی ایک جدید رنگ کی کتاب ہے جسمین خیالی افسانون اور خواب وغیرہ کے پردہ مین عمدہ
اخلاقی نتایج نکالے ہین۔ یہ دو حصّون مین سنہ ۱۸۸۰ء مین تصنیف ہوئی تھی۔ اس قسم کے فرضی افسانے
اور حکایات ہر زمانہ اور ہر قوم مین لوگون کے مطبوع خاطر رہے ہین۔ یونانی اور رومی لوگون کو انکا بہت شوق
تھا۔ انگریزی مین ایڈیسن جانسن اور اسپنسر کے الیگری (خیالی قصے) مشہور ہین اور فارسی مین مثنوی
مولانا روم اور انوار سہیلی سنسکرت مین ہتوپدیش اور عربی مین اخوان الصفا وغیرہ۔ ہمارے خیال مین
آزاد نے اپنے قصونکی بنیاد یونانی قصون پر رکھی ہے اور اس سے انکی یونانی علم الاصنام کی واقفیت کا بہت
کچھ پتہ چلتا ہے۔ ڈاکٹر لیٹنر نے انکو اس کتاب کے لکھنے کی ترغیب دی تھی اور اس کا خاکہ تیار کر دیا تھا۔
مگر یہ بڑی قابل تعریف بات ہے کہ مولانا آزاد باوجود انگریزی کم جاننے کے اس تبلع مین کامیاب ہوئے
یہ کتاب اُنکے خاص طرز تحریر مین لکھی گئی ہے مگر نفس مضمون سے زیادہ طرز بیان بہت دلچسپ ہے۔

سخندان فارس ادب فارسی کے متعلق یہ کتاب بھی بہت دلچسپ ہے۔ درحصل یہ ایک قیمتی رسالہ
علم فلالوجی پر ہے جسمین فارسی اور سنسکرت زبانون کو متحد الاصل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔
اسمین اہل ایران کے رسوم و رواج کا بھی ذکر ہے اور اُنکا مقابلہ ہندوستان سے کیا ہے۔ خود مصنف
کے سفر ایران اور اُنکے علمی مکاشفات کے حالات بھی درج ہین مثل مولانا شبلی کی شعر العجم کے یہ ایک
مکمل کتاب نہین کہی جا سکتی مگر پھر بھی بہت مفید اور ایک ذخیرۂ معلومات ہے

قند پارسی اور نصیحت کا کرن پھول قند پارسی ایک مفید کتاب ہے جس سے زمانۂ حال کی فارسی کے
حاصل کرنے مین بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ اسمین مولانا کے سفر ایران کے بھی کچھ حالات درج ہین
نصیحت کا کرن پھول جو ایک مکالمہ اور نصایح کے پیرایہ مین ہے بچون اور عورتون کے لئے بہت مفید ہے اسکی

شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی

شمس العلما ڈاکٹر نذیر احمد ایل ایل ڈی

عبارت بہت صاف وسلیس ہے۔

دیوان ذوق — اس کتاب کی ترتیب و تالیف سے مولانا آزاد نے ادب اردو کی بیش بہا خدمت انجام دی ہے اور اپنے اُستاد کے کلام کو گمنامی سے بچا لیا ہے۔ تذکرہ آبحیات مین اُنہون نے نہایت مؤثر اور درد ناک لہجہ سے اور تفصیل کے ساتھ اُستاد کے کلام کا ضایع ہوجانا اور پھر اُن اجزاے پریشا نکو بڑی محنت اور دقتون سے جمع کرنا بیان کیا ہے۔ دیوان کے شروع مین ایک مختصر دیباچہ ہے اور بعض بعض غزلونکے ساتھ انکے حالات تصنیف پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اور بیشتر کے مطبوعہ کلام سے ایک بین اضافہ بھی اسمین موجود ہے۔ ان دلچسپ نوٹون سے نہ صرف اشعار کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہے بلکہ اسمین ایک "رومان" کی سی کیفیت پیدا ہوگئی ہے بعض لوگون نے الحاقی کلام پر شک بھی ظاہر کیا ہے مگر ہمارے نزدیک اس قسم کے شکوک بے بنیاد ہین اور انپر زیادہ نہ خیال کرنا چاہیے۔

دربار اکبری — یہ عہتم بالشان تصنیف اکبر بادشاہ کے عہد اور انکے ارکین سلطنت کے حال مین ہے اس کتاب کی عبارت اپنے رنگ مین لاجواب ہے۔ افسوس ہے کہ اسپر نظر ثانی نہو سکی۔ اس کتاب مین عہد اکبری کی جیتی جاگتی تصویرین دکھائی گئی ہین۔

دیگر تصانیف — سپاک و نماک" و "جانورستان اُس زمانہ کی تصانیف ہین جبکہ مولانا صحیح الدماغ نہ رہے تھے۔ اول الذکر ایک غیر مربوط مجموعہ متصوفانہ خیالات کا ہے جو اُسی عالم مین لکھے گئے تھے۔ اس سے کتنا بڑا شوق تصنیف و تالیف کا پایا جاتا ہے کہ باوجود تعطل دماغ کے بھی جب کبھی چند لمحے سکون کے ملتے تھے تو وہ اُن کو ادبی کامون مین صرف کرتے تھے۔ اسی زمانے اور اسی حالت کی تصنیف "جانورستان" بھی ہے جسمین کچھ جانورون کے حالات اور انکی آوازون کا بیان ہے "نگارستان فارس" جو بعد انکے انتقال کے شایع ہوئی ایران و ہندوستان کے فارسی شعرا کا ایک مختصر تذکرہ ہے جسمین رودکی سے لیکر حزین اور واقف و آرزو تک تقریبًا ۱۰۳ شعرا کے حالات معہ اُنکے نمونۂ کلام کے درج ہین۔ اسکی زبان بہت صاف و سادہ مگر مثل آبحیات کے پر لطف نہین ہے۔ شاید اسوجہ سے کہ یہ اُنکی ابتدائی تصنیفات مین سے ہو۔ آخری کتاب جو انکے نام سے اُنکے پوتے نے شایع کی ہے "الہیات" ہے۔

آزاد کا مرتبہ اردو نثّاروں میں

اردو نثر نگاروں مین آزاد کی ایک بہت وقیع اور بہت نمایان ہستی ہے بحیثیت بانی تحریک جدید ہونے کے بحیثیت جدید طرز کے شاعر کے بحیثیت ایک فارسی اسکالر کے جو قدیم رنگ کے ساتھ جدید رنگ کے بھی بڑے ماہر تھے بحیثیت ایک مُروج تعلیم کے جنکی وجہ سے پنجاب مین انگریزی کے ساتھ اردو و فارسی کی تعلیم نے بھی بڑا رواج پایا۔ بحیثیت ایک اعلا مضمون نگار کے بحیثیت ایک زبردست ناقد کے بحیثیت ایک مشہور پروفیسر اور مصنف کے بحیثیت حامیٔ اردو کے بحیثیت ایک زبردست مقرر کے آزاد اپنے زمانہ مین عدیم المثال تھے۔ مگر وہ چیز جس نے انکو زندہ جاوید کردیا وہ ان کا خاص طرز تحریر ہے جو لاثانی ہے اور جسکی تقلید محال ہے۔ زبان اردو نے انکی ذات مین اپنا ایک بہت بڑا مددگار اور حامی پایا تھا۔ انکے طرز تحریر کی یہ خاص صفت ہے کہ فارسی اور عربی کے غیر مانوس الفاظ اور ترکیبین اور دور از کار صنائع بدائع جنکا آجکل بہت رواج ہے اُسمین نہین پائے جاتے۔ اُنکی عبارت کی یہ خاص شان ہے کہ بھاشا کی سادگی اور بے تکلفی۔ انگریزی کی صاف گوئی۔ اور فارسی کا حسن وخوبصورتی اسمین ملی جلی ہوتی ہے۔ وہ تصنعات اور تکلفات سے گو کہ عاری ہے مگر لطیف استعارے اور خوبصورت تشبیہین اُسکے حسن کو دوبالا کرتی ہین۔ وہ ایک موسیقیت رکھتی ہے۔ آزاد کا مقابلہ انگریزی انشا پردازون مین ڈی کوئینسی لیمب اور اسٹیونسن سے جو صاحبان طرز خاص تھے بخوبی ہوسکتا ہے۔ اپنے زمانہ مین بھی آزاد بہت ہر دلعزیز اور مقبول ہو چکے تھے اور اُنکے معاصرین انکو نہایت قدر وعزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ حالی نے آبحیات اور نیرنگ خیال کی تقریظون مین انکی بہت تعریف کی ہے اور شاعری کے طرز جدید کا انکو بانی قرار دیا ہے۔ اسیطرح مولانا شبلی انکو اردو کا ایک بہت بڑا ہیرو سمجھتے تھے اور انکی موت پر انکو خدائے اردو کہکے یاد کیا۔ مولوی نذیر احمد اور مولوی ذکاء اللہ بھی انکے بڑے مداح اور قدردان تھے۔

آزاد ظریف الطبع۔ نہایت مہذب ومتین۔ اور تعصب سے بالکل آزاد تھے۔ وہ سریع الغیظ مگر جلد معاف کردینے والے تھے۔ بعض معاصرین سے چشمک رہتی تھی جسکا انجام بحث ومناظرہ کی صورت اختیار کرلیتا تھا۔

حالی خواجہ الطاف حسین حالی کا ذکر بہ حیثیت شاعر کے حصۂ نظم مین ہوچکا ہے۔ یہان بحیثیت معزز نثار کے انکا ذکر کیا جاتا ہے۔ انکی تصانیف حسب ذیل ہین۔ تریاق مسموم مطبوعہ ۱۸۶۸ء یعلم طبقات الارض کی ایک عربی کتاب کا ترجمہ مجلس النسا (۲ حصونمین) مطبوعہ ۱۸۷۴ء حیات سعدی مطبوعہ ۱۸۸۶ء مقدمہ شعر و شاعری۔ یادگار غالب مطبوعہ ۱۸۹۶ء حیات جاوید یعنی سر سید مرحوم کی سوانحعمری مطبوعہ ۱۹۰۱ء مضامین حالی یعنے ان مضامین کا مجموعہ جو وقتاً فوقتاً اخبارات و رسائل مین چھپے ہین۔

ابتدائی تصانیف "تریاق مسموم" پانی پت کے ایک شخص کے اعتراضات کا جواب ہے جو مسلمان سے عیسائی ہوگیا تھا اور جسنے اسلام پر اعتراضات کئے تھے۔ اس مین کوئی ادبی خوبی نہین محض اس لئے دلچسپ ہے کہ اس سے انکی ذکاوت اور طباعی کا پتہ چلتا ہے۔ "طبقات الارض" ایک عربی کتاب کا ترجمہ ہے جو خود فرانسیسی سے کیا گیا تھا۔ یہ کتاب ڈاکٹر لیٹر کے زمانہ مین پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہوئی تھی "مجلس النسا" ایک انعامی رسالہ ہے جسکے صلہ مین مولانا کو مبلغ چارسو روپیہ کا انعام لارڈ نارتھ برک وسیرائے ہند نے عطا کیا تھا۔ یہ عورتون کے واسطے بہت مفید ہے اور لڑکیون کے اسکولون مین ایک عرصہ تک بحیثیت درسی کتاب کے داخل رہی ہے۔ اسمین بہت سے ایسے الفاظ و محاورات ہین جو شریف گھرانے کی عورتین بولتی ہین۔

حیات سعدی حیات سعدی یعنے شیخ سعدی شیرازی کی سوانحعمری اس سے مولانا نے اردو نثارون کی صف اول مین جگہ پائی اور انکی سوانح نگاری کی قابلیت اور اسلوب بیان کا پتہ چلا۔

مقدمہ شعر و شاعری مولانا کے دیوان کے شروع مین یہ معرکۃ الآرا مقدمہ ہے جسنے اردو کی ادبی دنیا مین ایک انقلاب عظیم پیدا کردیا اور مولانا کی شہرت کا یہی سنگ بنیاد ہے۔ اسمین دوسو سے زیادہ صفحات ہین۔ اور گو کہ دیوان کے ساتھ چھپا ہے مگر اسکو دیوان سے کوئی تعلق نہین بلکہ یہ ایک نہایت قابلانہ تنقیدی مضمون نفس شاعری کے آئڈیل (انتہائی نقطۂ خیال) پر ہے۔ اسکی تصنیف سے بڑے تجسس و تلاش اور وسیع النظری کا پتہ چلتا ہے اسمین یونانی و رومی انگریزی و عربی نقادان فن شعر کے خیالات شعر کی بابت قلمبند کئے گئے ہین ہر چند کہ نہایت مجمل سطحی اور غیر مربوط طریقے سے اُنکا ذکر کیا گیا ہے۔ یورپین شاعری مین مولانا حالی تہ تک غوطہ نہین لگا سکتے کیونکہ اس بحر کے وہ شناور نہین ہین سنسکرت کی شاعری کو بوجہ عدم واقفیت زبان

بالکل چھوڑ دیا ہے۔ مگر باوجود ان سب کے کتاب ایک ذخیرۂ معلومات ہے اور اسوجہ سے کہ اس قسم کے فن نقد مین سب سے پہلی تصنیف ہے نہایت قابل قدر ہے۔ اسکی بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ایک ایسے شخص کے قلم سے نکلی جو مغربی تعلیم سے بالکل ناآشنا تھا۔ اس کے مطالعہ سے قدیم طرز کے شعرا کے سامنے جدید معلومات اور تخئیل کے دروازے کھل گئے ہین۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کتاب کی تقلید مین زمانہ موجودہ کے اکثر دواوین کے ساتھ اکثر مقدمات لاطائل شایع ہوتے رہتے ہین جنکا ماخذ درحقیقت یہی مقدمۂ شعر و شاعری ہے اور کسی جدید بات کا اضافہ نہین کیا جاتا۔

یادگار غالب مولانا کی سب سے زیادہ ہردلعزیز تصنیف یادگار غالب ہے جس سے بہتر کوئی کتاب اس طرز کی ابتک نہین نکلی۔ اسمین مرزا غالب کی زندگی کے حالات و واقعات انکے لطایف و ظرایف وغیرہ نہایت عمدہ اور دلچسپ پیرایہ مین بیان کئے ہین اسکے بعد انکے ہر قسم کے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ چونکہ مصنف مرزا صاحب کے شاگرد تھے لہذا اکثر واقعات چشم دید لکھے ہین مشکل اشعار کے معانی بھی سمجھائے ہین اور ان مواقع کا بھی بیان ہے جب وہ اشعار کہے گئے تھے جس سے اشعار کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے اس تصنیف کے ذریعہ سے حالی نے اپنے استاد غالب کی شاگردی کا حق اسیطرح ادا کر دیا جسطرح کہ آزاد نے دیوان ذوق کو ترتیب دیکر ذوق کو زندہ جاوید بنایا۔ دونون اپنے اپنے استادون کے شاگرد رشید اور دل سے چاہنے والے تھے۔ "یادگار غالب" تنقیدی کتابون مین ایک ممتاز درجہ رکھتی ہے تنقید گو کہ اعلی درجہ کی ہے مگر پھر بھی جوش عقیدتمندی کہین کہین جادۂ انصاف سے ہٹا دیتا ہے۔

حیات جاوید حالی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ کتاب ہے جسکی وجہ سے خود انہون نے حیات ابدی پائی۔ یہ ایک بہت مفصل اور جامع ضخیم کتاب ہے۔ اسمین سرسید مرحوم کی طویل اور مختلف الاحوال کثیر الاشغال زندگی کے حالات اسقدر تفصیل کے ساتھ درج ہین کہ اسکو زبان اردو مین وہی مرتبہ حاصل ہو گیا ہے جو باسویل کی مشہور کتاب "ڈاکٹر جانسن کی لائیف" کو انگریزی مین ہوا ہے۔ سرسید بحیثیت ایک لیڈر اور مدبر اور ریفارمر اور اہل قلم کے دکھائے گئے ہین۔ سرسید کے ساتھ انکے اکثر شرکائے کار کے بھی حالات اسمین درج ہین۔ یہ ایک مہتم بالشان تصنیف ہے لیکن اسمین ہیرو کی تعریف مین مبالغہ کیا گیا ہے اسیوجہ سے مولانا شبلی کا

یہ اعتراض بالکل صحیح ہے کہ اس کتاب مین تصویر کا صرف ایک رخ دکھایا گیا ہے معائب یا تو چشم پوشی کی گئی ہے یا انکی کوئی توجیہ کردی گئی ہے۔ مگر ہماری رائے مین اس زمانہ کی تصانیف کو اتنی سختی کے ساتھ جانچنا مناسب نہین ہے اسوجہ سے کہ سوانح نگاری اور فن تنقید ہمارے یہان ابھی ابتدائی حالت مین ہین اور زیادہ تر قطع و برید سے بجائے نفع کے نقصان کا احتمال ہے۔

مضامین حالی وہ مضامین ہین جو مولانا نے وقتاً فوقتاً اخبارات و جرائد مین علی الخصوص تہذیب الاخلاق مین چھپوائے ہین۔ انکے علاوہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کے مکاتیب کا ایک مجموعہ بھی انھون نے ترتیب دیکر چھپوایا ہے۔

طرز تحریر مولانا کی عبارت نہایت صاف سادہ زبردست اور زوردار ہوتی ہے۔ مگر اسمین آزاد کی سی شوخی اور رنگینی اور مولنٰنا نذیر احمد کی سی نازک اور لطیف ظرافت نہین ہوتی۔ حالی گو کہ صاحب طرز نہین مگر بہترین نثار ہین۔ وہ اسلوب بیان سے زیادہ نفس مطلب کا خیال رکھتے ہین صنایع بدایع کی نہ انکے یہان کثرت ہے اور نہ انکا بیجا استعمال وہ کرتے ہین محض لفاظی اور عبارت آرائی وہ کبھی نہین کرتے۔ اور عبارت کی ظاہری آرائش سے وہ قطعاً احتراز کرتے ہین اسیوجہ سے انکی عبارت بہت سلجھی ہوئی اور صاف ستھری ہوتی ہے۔ گو کہ وہ بلند پردازی نہین کرتے مگر زور بیان اور فصاحت سے انکی عبارت مالامال ہوتی ہے۔ جدید شعرا دونے انکو اپنا بہت بڑا حامی اور مددگار پایا اور انھون نے مرزا غالب اور سرسید کے طرز تحریر کو زندہ رکھا۔ انکی تصانیف آئندہ نسلون کے واسطے بہترین نمونہ سمجھی جاسکتی ہین۔

مولانا نذیر احمد ۱۸۳۱ء لغایت ۱۹۱۲ء شمس العلما خان بہادر مولنٰنا نذیر احمد موضع راہر ضلع بجنور مین ۱۸۳۱ء مین پیدا ہوئے انکا خاندان علم و فضل کے لئے مشہور تھا۔ والد کا نام مولوی سعادت علی تھا۔ اور انہین سے انھون نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اسکے بعد مولوی نصر اللہ ڈپٹی کلکٹر بجنور سے بھی کچھ پڑھا۔ اور دلّی مین آکر ۱۸۴۵ء مین مولوی عبد الخالق کے شاگرد ہوے جنکی پوتی سے انھون نے عقد بھی کیا۔ دلّی کالج کے مشہور پروفیسر عربی مولوی مملوک علی کے اصرار سے وہ دلی کالج مین داخل ہوئے اور وہان ادب عربی اور فلسفہ و ریاضی وغیرہ مین تکمیل حاصل کی۔ کالج کے پرنسپل مسٹر ٹیلر کی ترغیب سے انگریزی بھی شروع کی

مگر والد کی مخالفت کیوجہ سے چھوڑنا پڑی - اس زمانہ مین اُنکے ہم سبق حالی آزاد منشی کریم الدین - مولوی
ذکاءاللہ اور پیارے لال آشوب تھے - مثل اس زمانہ کے اور بڑے لوگون کے مولوی نذیر احمد نے بھی
زندگی کی ابتدا ایک چھوٹی سی ملازمت سے کی یعنے وہ پنجاب مین کسی مقام مین پچیس روپیہ ماہوار
کے ٹیچر مقرر ہوگئے - تھوڑے دلون کے بعد ڈپٹی انسپکٹر مدارس بمشاہرہ سو روپیہ ماہوار مقرر ہوئے -
غدر کے زمانہ مین اُنھون نے کسی میم کی جان بچائی تھی جس خدمت کے صلے مین ایک تمغہ اور کچھ زر نقد سرکار سے
ملا اور انسپکٹر مدارس کے درجہ پر ترقی ہوئی - اسکے بعد اُنکا تبادلہ الہ آباد مین ہوگیا اور یہین انھون نے تھوڑی
سی انگریزی سیکھ لی - کیونکہ انکو نہایت شرم و حجاب معلوم ہوتا تھا کہ جو زبان حاکم و محکوم کے درمیان
تبادلہ خیال کا ذریعہ ہے اُس سے وہ محروم ہین - اپنی طباعی اور ذہانت سے اُنھون نے چھ مہینہ
کے اندر انگریزی مین کافی مہارت پیدا کرلی اور بعد کو کتب بینی سے وہ اس قابل ہوگئے کہ ۱۸۶۱ء
مین انڈین پینل کوڈ کے ترجمہ کی خدمت پر منجملہ دیگر اشخاص کے وہ بھی مقرر ہوئے - انکا ترجمہ (مجموعہ تعزیرات ہند)
ایسا مقبول ہوا اور پسند آیا کہ اسکے بعد وہ تحصیلدار اور پھر افسر بندوبست ہوگئے - اُنھون نے نجوم کی بھی ایک کتاب
کا ترجمہ کیا تھا جسکو اُس زمانہ کے رزیڈنٹ کشمیر نے لکھا تھا - اور مبلغ ایکہزار روپیہ انعام پایا تھا اُنکی
قابلیت کا شہرہ سنکر سر سالار جنگ اوّل نے اُنکی خدمات گورنمنٹ سے اپنے یہان منتقل کرالین اور
افسر بندوبست بمشاہرہ آٹھ سو روپیہ ماہوار مقرر کیا - اسی عرصہ مین اُنھون نے قرآن شریف بھی حفظ
کیا - اور بعد کو سر سالار جنگ کے ایماسے انگریزی ملازمت چھوڑکر حضور نظام کی مستقل ملازمت اختیار
کرلی جسمین وہ ترقی کرتے کرتے اعلی ممبر مال بمشاہرہ سترہ سو روپیہ مقرر ہوئے اور اُنکے بیٹے اور اعزا کو
معقول جگھین اچھے اچھے عہدون پر دی گیئن - سر سالار جنگ کے حکم سے انھون نے ایک نصاب تعلیم
تیار کیا تھا - اور سر سالار جنگ کے صاحبزادہ نواب لائق علی خان اُنکے شاگرد تھے - ایک عرصہ تک
اپنے عہدہ کے فرایض منصبی انجام دیکر ملازمت سے دست کش ہوگئے اور بقیہ عمر اپنے وطن مالوف
دہلی مین یاد الٰہی اور تصنیف و تالیف کے مشغلے مین بسر کی ۔ ۱۹۱۲ء مین ایک نہایت کامیاب مصروف
زندگی کے بعد اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کی اور ملک و قوم کو اپنا سوگوار چھوڑ گئے

مولانا موصوف سرسید کی اُس جماعت کے ایک معزز فرو تھے کہ جنھون نے اپنی تصنیف و تالیف اور اپنے لکچرون کے ذریعہ سے اپنے ہم مذہبونکی ترقی مین بڑی اعانت کی تھی۔

تصانیف مولانا کی تصانیف بہ کثرت ہین جنمین سے حسب ذیل بہت مشہور ہین (از قسم ناول و حکایات) مراۃ العروس۔ بنات النعش۔ توبۃ النصوح۔ ابن الوقت۔ محصنات۔ ایامیٰ۔ رویائے صادقہ۔ منتخب الحکایات۔ (کتب مذہبی و اخلاقی) ترجمہ قرآن شریف۔ ادعیۃ القرآن۔ دہ سورہ۔ الحقوق والفرایض۔ مطالب القرآن۔ امہات الامۃ۔ اجتہاد۔ (متفرق کتابین) صرف صغیر۔ رسم الخط۔ موعظہ حسنہ۔ افسانۂ غدر۔ نصاب خسرو۔ چند پند۔ مبادی الحکمۃ۔ مانیفنیک فی الصرف۔ مجموعہ لیکچر۔ اور انگریزی قانونی کتابون کے ترجمے۔ مثلاً تعزیرات ہند قانون شہادت وغیرہ۔

مولانا کثیر التصنیف اور سریع التصنیف دونون تھے اُنکی اکثر کتابین مثلاً مانیفنیک فی الصرف مبادی الحکمۃ۔ منتخب الحکایات۔ رسم الخط وغیرہ۔ اسکول کے طلبا کے واسطے لکھی گئین اور واقعی اُنکے واسطے بہت مفید ہین۔ سرکاری ایکٹون کے ترجمے گورنمنٹ کے حکم سے کئے گئے۔ مجموعہ تعزیرات ہند یعنی پنیل کوڈ کے ترجمہ کو انکا ایک کارنامہ سمجھنا چاہیئے۔ اس مشہور قانون کے ترجمے کے واسطے پہلے مولوی کریم بخش اور مولوی عظمت اللہ مقرر ہوئے تھے پھر سر ولیم میور لفٹنٹ گورنر کے حکم سے مولوی نذیر احمد اُنکے کام کی نگرانی اور نظر ثانی کے لئے مقرر ہوئے۔ اور اُنھون نے بڑی محنت و جانفشانی اور بڑی قابلیت سے یہ کام انجام دیا۔ اُنکے تمام قانونی تراجم نہایت عمدہ اور صحیح ہین جسمین اکثر جگہ نہایت مناسب اور ٹھیک الفاظ مشکل الفاظ انگریزی کے لئے اردو مین وضع کئے گئے ہین جو اب زبانزد خلایق ہوگئے ہیں قانون شہادت یعنی ایوی ڈنس ایکٹ کا ترجمہ لیرون کی کتاب سے کیا گیا ہے۔ "افسانۂ غدر" ایڈورڈ صاحب کی ایک کتاب کا ترجمہ ہے جسمین انھون نے غدر ۱۸۵۷ء کے بعض دلچسپ سوانحات کو قلمبند کیا ہے۔ اِن کے علاوہ سات آٹھ چھوٹی چھوٹی مختصر کتابین اور رسایل ہین جو قیام حیدر آباد کے زمانہ مین وہان کے عمال کے لئے بطور ہدایت نامہ لکھے گئے تھے مگر چھپے نہین۔

کتب مناظرہ و متعلق مذہب اُس زمانے مین مسلمانون اور عیسائی واعظون سے جنمین سے بعض
دین اسلام کو چھوڑکر مسیحی ہو گئے تھے اکثر مباحثے رہتے تھے اور بڑے بڑے لوگ مثلاً سر سیّد
مولوی چراغ علی - نواب محسن الملک وغیرہ اُنمین بڑی دلچسپی لیتے تھے - ایک عیسائی مبلّغ احمد شاہ نامی
نے امہات المومنین کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جسمین پیغمبر اسلام کی ازواج مطہرات کی نسبت کچھ
بیجا الزامات قائم کئے تھے - مولوی نذیر احمد نے اسکے جواب مین "امہات الأمہ" لکھی جسکی بعض لوگون
نے تو بہت قدر کی مگر بعض نے سخت بُرا سمجھا اور اُسکے بارہ مین اتنا اختلاف بڑھا کہ اُسکی جلدین آخر مین
جلادی گئین اور وہ دوبارہ بعد ترمیم چھاپی گئی ۔ مولانا کا سب سے بڑا کارنامہ اُنکا اردو ترجمہ قرآن شریف ہے
جو نہایت آسان اور بامحاورہ زبان مین کیا گیا ہے - اس سے اُن لوگون کو بڑا نفع پہونچا جو قرآن شریف
کو ازبر بلا معنے سمجھے یاد کرلیا کرتے تھے - اس سے پیشتر جسقدر ترجمے قرآن شریف کے ہوئے تھے اُنکی
زبان قدیم تھی اکثر الفاظ متروک ہو گئے تھے اور ترجمہ تحت اللفظ تھا اسیوجہ سے مقبول عام نہ تھا مولانا
نے چار عالمونکی مدد سے پورا ترجمہ نہایت محنت و جانکاہی سے تین برس کے عرصہ مین پورا کر دیا - مگر
اسمین بھی اتنا نقص ضرور ہے کہ بعض جگہ ترجمہ کی متانت قایم نرہی اور اصل الفاظ کا مطلب
اردو الفاظ و محاورات کے بیجا تصرف سے جاتا رہتا ہے اور نیز یہ کہ کثرت تشریح اور اضافہ تمثیلات کی وجہ سے
ترجمہ ترجمہ نہین رہتا بلکہ ایک تفسیر کی شان پیدا ہو جاتی ہے - آخر عمر مین انہون نے ادعیۃ القرآن و سورۃ
اور الحقوق والفرائض تصنیف کین جنمین سے آخر الذکر ایک نہایت جامع اور مکمل کتاب ہے -
اُنکی آخری تصنیف جو نامکمل رہ گئی "مطالب القرآن" ہے یہ اب چھپ گئی ہے - مولانا کے پاس
ایک مطبع بھی تھا جسکا نام شمسی پریس تھا اسی مین اُنکی تصانیف چھپا کرتی تھین -

اخلاقی ناول سب سے پہلی کتاب جس سے مولانا کی شہرت کو ترقی ہوئی اُنکا ناول مراۃ العروس ہے
جو ایک معزز مسلمان خاندان کی پرائیویٹ زندگی کا ایک قصہ ہے - اسکی تصنیف اسوقت ہوئی تھی
جب مولانا ڈپٹی کلکٹر تھے - قصہ کا ماحصل صرف اسقدر ہے کہ ایک جاہل بے پڑھی لکھی لڑکی ایک
شریف گھرانے کی تعلیم کے ذریعہ سے کیونکر بدل گئی - یہ کتاب مسلمانون اور ہندوون دونون مین

مقبول ہے اور عورتین اسکو بہت ذوق و شوق سے پڑھتی ہین۔ اسکی زبان نہایت سلیس اور بامحاورہ ہے اور
تعجب معلوم ہوتا ہے کہ مصنف عورتونکی خاص زبان اسقدر صحیح اور بامحاورہ لکھنے پر کیونکر قادر ہوے
اس کتاب کو پبلک مین بھی بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور گورنمنٹ نے بھی ایکہزار جلدین خریدکین اور
ایکہزار روپیہ لایق مصنف کو انعام دیا۔ اس کا ترجمہ ہندوستان کی اکثر دیسی زبانون مین ہوگیا ہے
دوسری کتاب "بنات النعش" ہے جو مرأۃ العروس کے بعد اور اُسی طرز پر عورتون کی تعلیم کی غرض سے لکھی
گئی۔ اسمین بھی نہایت مفید اور دلچسپ باتین عام معلومات اور مبادی سائنس کے متعلق اکثر جگہ مکالمہ کی
صورت مین درج ہین۔ اسکی بھی پبلک اور گورنمنٹ دونون نے بڑی قدر کی۔ اسکے بعد "توبۃ النصوح"
کا نمبر ہے جو مولانا کا سب سے بہترین ناول سمجھا جاتا ہے۔ اسمین مختصر طور پر انہون نے قصہ کے طریق
پر یہ دکھلایا ہے کہ ایک فاسق و فاجر شخص جسکا نام نصوح ہے سخت ہیضہ مین مبتلا ہوجاتا ہے اور ایک
خواب دیکھتا ہے، اسکے بعد بیدار ہوکر خوف خداوندی سے لرزجاتا ہے اور پابند شرع ہوکر تمام منہیات
سے توبہ کرلیتا ہے۔ اُسکی بیوی اور بعض اور اعزا بھی اُسکے ہمخیال ہوجاتے ہین مگر اُسکا بڑا لڑکا اُسکی راہ پر
نہین آتا اور مصائب مین مبتلا ہوتا ہے۔ اسمین مولانا نے ضمناً اولاد کی بُری اُٹھان کے بُرے نتیجے
اور کمسنی مین اُنکی سخت گیری اور نگرانی کی اہمیت کو بڑی خوبی سے دکھلایا ہے۔ "ابن الوقت" مین ایک
ہندوستانی شخص کا حال لکھا گیا ہے جو غدر کے زمانے مین اپنی خدمات کے صلے مین ایک بڑے عہدہ
تک پہونچ جاتا ہے۔ اور انگریزون کے ساتھ میل جول کی وجہ سے انہین کی طرز معاشرت کو اختیار
کرلیتا ہے اور یورپین سوسائٹی مین شامل ہوکر اپنے ہندوستانی عزیزون اور دوستون کو نفرت اور حقارت
کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔ پھر بعد کو جب اُسکے انگریز دوست سب چلے جاتے ہین تو وہ کدھر ہی کا نہین
رہتا اور آخر کار بڑی دقت سے پھر اپنی ہی قوم و جماعت کے لوگون مین ملنے کی کوشش کرتا ہے۔
اس کتاب کی نسبت بعض لوگون کا یہ بھی خیال ہے کہ اسمین مصنف نے خود اپنی ہی سرگزشت ایک افسانہ
کے پیرایہ مین بیان کی ہے۔ "ایامیٰ" مین انہون نے بیوہ عورتون کی شادی پر بہت زور دیا ہے
اور ہندوستان مین انکی افسوسناک حالت کو بیان کرکے شرعاً ازدواج ثانی کے جواز کو ثابت کیا ہے۔

محصنات“ مین تعدد ازدواج کا نقصان دکھایا ہے۔ ”رویائے صادقہ“ مین اہل اسلام کے کچھ مذہبی عقاید کی بحث ایک دلچسپ مکالمہ کی صورت مین کی گئی ہے۔ مذکورہ بالا سب کتابین نہایت اخلاق آموز اور نصیحت خیز ہین۔

لیکچر اور تقریرین ملازمت سے کنارہ کشی کے بعد مولانا نے اپنی تقریرین اور لیکچر شروع کر دئے تھے ہمارے خیال مین آپکا پہلا پبلک لیکچر ۱۸۸۸ء مین ہوا تہا۔ وہ انجمن حمایت الاسلام لاہور اور مدرسہ طبیہ دہلی اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسون مین پر زور تقریرین کرتے تھے۔ سر سید مرحوم کے اثر سے وہ ہر اسلامی اہم اجتماع مین شریک ہوتے تھے اور سامعین کو اپنی پر مغز تقریر دن سے محظوظ کرتے تھے۔ وہ نہایت خوش بیان اور طلیق اللسان مقرر تھے اور یہ بھی انکا قاعدہ تہا کہ اپنی وسیع معلومات اور دلچسپ حکایات اور علی الخصوص اپنے ظرافت آمیز طرز بیان سے سامعین کو بہت محظوظ کرتے تھے انکا مجموعۂ لیکچر چھپ گیا ہے اور مختلف انواع مضامین پر مشتمل ہے اسمین عقاید مذہبی تعلیم و حریت نسوان وغیرہ پر نہایت مبسوط بحث کی گئی ہے۔

بحیثیت شاعر کے آخر عمر مین شاعری نے بھی طبیعت کو گدگدایا تہا اور شعر بھی کہہ لیتے تھے کبھی کبھی اپنے لکچرون کو اپنے اشعار سے دلچسپ بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر ہم نہایت ادب سے اس بات کے کہنے پر مجبور ہین کہ وہ محض تبرک ہی تبرک ہوتے تھے اور شعریت اُنمین مطلق نہ تھی تدریجاً کچھ کلام مین ترقی ضرور ہوئی مگر اصلی جذبات شعریہ سے وہ ہمیشہ دور رہے۔ اُن کا منظوم کلام چھپ گیا ہے اور مجموعہ بینظیر کے نام سے موسوم ہے مگر اس سے انکی قابلیت مین کسی قسم کا اضافہ نہین ہوتا۔

اخلاق و عادات مولانا نہایت سادہ مزاج مہذب اور بہت ظریف الطبع تھے زندگی نہایت سادگی بلکہ عسرت سے بسر کرتے تھے اسیوجہ سے جزرس مشہور تھے۔ مگر پھر بھی بعض بعض غریب طلبا کی امداد بہت فراخدلی سے کرتے تھے۔ آخر عمر مین روپیہ جمع کرنے کے شوق مین تجارت شروع کر دی تھی جس سے انکی آمدنی مین بہت کچھ اضافہ ہوگیا تہا تعلیم و تعلم کے وہ مشتاق تھے کہ مرتے دم تک یہی اشتغال جاری رکھے تھے علیگڈھ کالج کے وہ پرانے سرپرست اور معاون تھے ۱۸۹۷ء مین خطاب

خان بہادر مولوی ذکاء اللہ خان

مولوی سید احمد (دہلوی) مولف فرہنگ آصفیہ

شمس العلماء ۱۹۰۲ء مین یونیورسٹی آف اڈنبرا کی طرف سے - ال ایل ڈی کی اعزازی ڈگری - اور ۱۹ء مین پنجاب یونیورسٹی کی ڈی - او ایل یعنے ڈاکٹر آف اورنٹیل لرننگ (عالم علوم مشرقیہ) کی ڈگری حاصل کی تھی - اور نواب لفٹننٹ گورنر پنجاب نے جو بحیثیت چانسلر جلسہ کانووکیشن کے صدر تھے ڈگری دیتے وقت اُنکے علم و فضل اور طباعی و ذہانت کی بہت تعریف کی تھی -

طرز تحریر

مولانا کی عبارت بہت آسان اور صاف و سادہ ہوتی ہے - البتہ کبھی کبھی بڑے بڑے عربی و فارسی کے غیر مانوس الفاظ لے آتے ہین - اور کہین رنگین عبارت و صنایع بدایع سے اور بعض مواقع پر انگریزی الفاظ سے بھی کام لیتے ہین - جنسے ہمارے نزدیک عبارت مین بجاے چستی اور خوبصورتی کے بھونڈا پن اور خرابی پیدا ہوجاتی ہے آزاد کی سی لطافت اور شیرینی اُنکے یہان نہین ہے البتہ خاص چیز جو انکی نثر کا جوہر اعلے ہے وہ ان کا ظریفانہ رنگ ہے جو اُن کے ناول لکچر اور مضامین سب مین بدرجہ اتم موجود ہے اُنکی ظرافت بہت ہلکی اور لطیف ہوتی ہے اور اسمین پھکڑپن مطلق نہین ہوتا مولانا اپنے تمام معاصرین پر بلحاظ شہرت سبقت لیگئے ہین - یہ اس لئے کہ قوانین کے تراجم سے وہ گورنمنٹ اور پبلک مین روشناس ہوے - قرآن شریف کے ترجمے سے مسلمانون مین اُنکی شہرت ہوئی - اور ناولون وغیرہ کیوجہ سے ہر گھر مین اُنکا نام پہونچ گیا -

مولوی ذکاء اللہ
۱۸۳۲ء تا ۱۹۱۰ء

شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ قدیم دلّی کالج کے مشہور شاگردون مین تھے اور خود اُنہون نے اپنی زندگی بچونکی تعلیم و ترقی کے لئے وقف کردی تھی ۱۸۳۲ء مین دلّی مین پیدا ہوئے والد کا نام حافظ ثناء اللہ تھا اور مرزا کوچک سلطان بہادر شاہ کے سب سے چھوٹے بیٹے کے اتالیق تھے - مولوی ذکاء اللہ بارہ برس کی عمر مین کالج مین داخل ہوئے جہان مولوی نذیر احمد اور مولوی محمد حسین آزاد بھی پڑھتے تھے لہذا ان تینون مین عمر بھر رابطہ اتحاد و محبت قایم رہا اور تینون آدمی شمس العلماء کے خطاب سے سرفراز ہوئے جب مولوی ذکاء اللہ کالج سے پڑھکر نکلے تو پھر اُسی کالج مین ریاضی کی تعلیم پر مقرر ہوے جسکے بعد آگرہ کالج مین فارسی و اُردو کے پروفیسر ہوگئے - سات آٹھ برس تک تعلیمی لائن مین رہ کر ۱۸۵۵ء مین ڈپٹی انسپکٹر مدارس بمقام بلندشہر و

مرادآباد ہوگئے جس جگہ پر تقریباً گیارہ سال تک رہے- سنہ ۱۸۶۹ء مین دلی نارمل سکول کے مدرس اعلی ہوئے اور سنہ ۱۸۷۲ء مین اورئنٹیل کالج لاہور کی پروفیسری کے واسطے نامزد ہوئے- مگر قبل اسکے کہ اس نئے عہدہ کا چارج لین میور سنٹرل کالج الہ آباد مین عربی و فارسی کی پروفیسری اُنکو ملگئی جہانسے ۲۶ برس کی ملازمت کے بعد پنشن پائی اور تقریباً سہ اچھبیس برس پنشن سے بہرہ یاب ہوکر سنہ ۱۹۱۰ء مین انتقال کیا-

تصانیف تصانیف کثرت سے ہین- اور متعدد مضامین پر مشتمل ہین- مثلاً ریاضی تاریخ جغرافیہ- ادب اخلاق طبعیات- کیمیا- سیاسیات وغیرہ- مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابون کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو سے کم نہ ہوگی- تصانیف کی کیفیت یہ ہے کہ زیادہ تر اسکولون کے طلبا کے لئے لکھی گئی ہین- لہذا رنگینی و عبارت آرائی اور ایک ادبی شان انمین بالکل نہین ہے- مولوی صاحب بحیثیت ایک ریاضی دان اور مترجم اور مورخ کے مشہور ہین- مگر ریاضی مین اُنکا پایہ بلند نہ تھا اور انکی کوشش صرف انگریزی کتابونکے ترجمے اور انکی شرحین لکھنے تک محدود رہی- البتہ تاریخ مین اُنہون نے ایک کار نمایان ضرور کیا- انکی تاریخ ہندوستان دس جلدون کی ایک ضخیم کتاب اور قابل قدر تصنیف ہے گو اسمین ریسرچ سے کم کام لیا گیا ہے اور عامۃ الناس کے لئے ہے- مہمات عظیم مین اُن بڑی لڑائیون کا ذکر ہے جو انگلستان اور دوسرے ملکون مین کوین وکٹوریہ کے عہد مین ہوئی تھین- انکی ایک اور بھی عمدہ تصنیف ہے جسمین کوئن وکٹوریہ کے عہد کے حالات اور ترقیان درج ہین جو تین جلدون مین ہے "آئین قیصری" مین کوئن وکٹوریہ کے عہد کی انتظامی تبدیلیان جو ہندوستان مین ہوئین اور فرہنگ فرنگ مین یورپین شایستگی کی تاریخ اور کوئن وکٹوریہ اور اُنکے شوہر کی زندگی کے حالات درج ہین- مولوی سمیع اللہ خان بہادر سی- ایم- جی کی سوانحعمری بھی اُنکی تصنیف ہے آخر عمر مین ایک تاریخ اسلام لکھنے مین مشغول تھے مگر وہ ناتمام رہی- ان تمام کتابون کا طرز تحریر نہایت صاف سلیس اور عبارت آرائی اور تصنع سے بالکل پاک ہے اور وہ سب اسکولون مین پڑھانے کے قابل ہین-

مولوی صاحب مین ایک بڑی صفت یہ تھی کہ وہ اکثر مشہور جرائد اور رسالون کے باقاعدہ مضمون نگار بھی تھے مثلاً تہذیب الاخلاق سائنٹفک گزٹ علیگڈھ- رسالہ حسن- ادیب فیروزآباد-

مخزن، زمانہ، خاتون وغیرہ انکی کثیر التصانیفی پر مولانا حالی نے یہ پھبتی کہی تھی کہ مولوی ذکاء اللہ کا دماغ ایک بنئیے کی دوکان ہے جسمین ہر قسم کی جنس موجود رہتی ہے۔ ممکن ہے اسمین یہ بھی لطیف اشارہ ہو کہ بنئیے کے یہان عمدہ اور قیمتی چیزین کہان ملتی ہین۔

گورنمنٹ نے انکے علمی خدمات کی بڑی قدر کی تھی ترقی تعلیم نسوان کی کوششون کے صلے مین انکو ایک خلعت عطا ہوا اور دیگر علمی خدمات کے واسطے پندرہ سو روپیہ کا انعام اور خطاب خان بہادر و شمس العلماء عنایت ہوا۔ مولوی صاحب سید مرحوم کے گہرے دوستون مین تھے اور انکے تمام تعلیمی کامون مین ہاتھ بٹاتے تھے

مولوی سید احمد دہلوی | مولوی سید احمد دہلوی اپنی مشہور و معروف اردو لغت "فرہنگ آصفیہ" کے مصنف ہونے کی حیثیت سے اردو دان پبلک مین ایک خاص شہرت رکھتے ہین۔ دلی مین ۱۸۴۶ء مین پیدا ہوئے باپ کا نام حافظ سید عبد الرحمن تھا جو مستند سادات سے تھے اور ایک بڑے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

مولوی صاحب کی ابتدائی تعلیم رواج زمانہ کیموافق دیسی مکتبون مین ہوئی جب کچھ حرف شناس ہوگئے تو سرکاری اسکول اور نارمل اسکول مین تحصیل علم کیا۔ اسکے بعد اپنی فطری طباعی اور مشاہیر اہل علم کی صحبت سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ بچپن ہی سے تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ چنانچہ طالب علمی ہی کے زمانہ مین ایک چھوٹی سی فارسی نظم "طفلی نامہ" کے نام سے اور ایک انشا کی کتاب "تقویۃ الصبیان" لکھ ڈالی ۱۸۶۹ء مین انکی کتاب "کنز الفوائد" نکلی جسپر سرکار سے دو سو روپیہ انعام ملا۔ ۱۸۶۸ء سے انھون نے اپنی جلیل القدر تصنیف فرہنگ آصفیہ کے واسطے مسالہ جمع کرنا شروع کردیا تھا۔ ۱۸۷۱ء مین انکی دوسری کتاب "وقایع درونیہ" شایع ہوئی جسپر انکو مبلغ ڈیڑھ سو روپیہ انعام ملے۔ اس رقم سے انکی فرہنگ آصفیہ کی تیاری مین کچھ آسانیان ہوگئین۔ اس اثنا مین ڈاکٹر فیلن صاحب نے جو صوبہ بہار مین انسپکٹر مدارس تھے انکو بلا بھیجا اور اپنی اردو اور انگریزی کی لغت کی تیاری مین انسے مدد لینا چاہی مولوی صاحب راضی ہوگئے اور فیلن کی ڈکشنری سات برس کی محنت شاقہ کے بعد ختم کی مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ اپنا کام بھی کرتے رہے ۱۸۷۸ء مین انھون نے مہاراجہ الور کا ایک سفرنامہ مرتب کیا۔ اسکے بعد گورنمنٹ

پنجاب کے سرکاری بکڈپو مین نائب مترجم کی حیثیت سے مقرر رہے - فیلن صاحب کی ڈکشنری کی تیاری کے زمانہ مین اُنہون نے اپنی کتاب ہادی النسا، شایع کی جو بہت مقبول ہوئی - اسکے بعد انکی حسب ذیل تصنیفات شایع ہوتی رہین جو اپنے طرز مین سب نہایت عمدہ اور مفید ہین "تکمیل الکلام" پیشہ ورون کے اصطلاحات مین "تحقیق الکلام" اردو زبان کے نکات کے متعلق - "رس کھان" جس مین کچھ ہندی دوہے اور پہیلیان اور گیت ہین - "ریت کہان" اہل ہنود کے رسم ورواج کے متعلق "ناری کتھا ہندو عورتونکی بولی - قواعد اردو تعلیم نسوان اور عورتونکے متعلق انکی حسب ذیل کتابین بہت مشہور ہین - لغات النساء تحریر النساء (لڑکیون کی ریڈر) "بی راحت زمانی کا قصہ" عورتونکو وقت کی قدر وقیمت سکھاتا ہے "اخلاق النساء" بچونکی پرورش اور تربیت کے متعلق "علم النساء" زبان اور انکی ترقی کے متعلق" - رسوم دہلی" جسمین دہلی کے مروجہ رسوم ورواج کا ذکر ہے - غیر مطبوعہ کتابون مین سیر شملہ جسمین شملہ کی تاریخ بھی داخل ہے "اردو ضرب الامثال" "روزمرہ دہلی" "رسوم اہل ہندوان دہلی" - انہین سے بعض اب شایع ہو رہی ہین -

فرہنگ آصفیہ اس کتاب کی تیاری اور طباعت کی دقتون اور پریشانیون کے متعلق مصنف نے دیباچہ مین بہت طول دیکر لکھا ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ مولوی صاحب کو اتنی بڑی تصنیف کے چھاپنے کے لئے ایک زرکثیر کی ضرورت تھی جسکی فراہمی سخت مشکل تھی - بالآخر خوش نصیبی سے ۱۸۸۸ع مین سر آسمان جاہ بہادر شملہ آئے جہان مولوی صاحب بھی کسی اسکول مین ملازم تھے - مولوی صاحب نے وزیر اعظم حیدر آباد کی خدمت مین حضوری حاصل کر کے اپنا مسودہ بطور نذر کے گزرانا جو سید علی بلگرامی کے معاینہ کے بعد منظور کر لیا گیا اور انعام کا وعدہ کیا گیا - جب ۱۸۹۲ع مین کتاب ختم ہوئی تو اس کا نام فرہنگ آصفیہ رکھا گیا - اور اسکے سلسلہ مین مصنف صاحب کو حیدر آباد متعدد دفعہ جانا پڑا - آخر کار وہ اپنی امید وہین کامیاب ہوئے اور پچاس روپیہ ماہوار بطور پنشن اور پانچہزار انعام دیا گیا اسیطرح گورنمنٹ پنجاب نے بھی اسکی قدر افزائی مین بہت کچھ حصہ لیا - فی الحقیقت یہ کتاب لغات اردو کی کتب مین ایک خاص درجہ امتیاز رکھتی ہے اور ایک بڑی تحقیقات اور جانکاہی کی یادگار ہے -

شبلی نعمانی ۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء
تعلیم اور ابتدائی مشاغل،

مولانا شبلی نعمانی اپنے زمانہ کے مشہور ترین و قابل ترین بزرگون مین تھے۔ نہایت کثیر الاشواق اور جامع الاذواق تھے۔ اگر کوئی ایک شخص ایک شاعر فلسفی مورخ ناقد۔ ماہر تعلیم۔ معلّم۔ داعظ۔ ریفارمر۔ جریدہ نگار۔ فقیہ۔ محدّث۔ سب کچھ ہو سکتا ہے تو وہ مولانا ہی کی ذات تھی کہ انھون نے ان سب کمالات مختلفہ اور علوم و فنون تنوعہ کا اپنی ذات مین اجتماع کرلیا تھا اور اس شعر کے صحیح مصداق بنگئے تھے ؎ وَلَیسَ لِلّٰہِ بِمُستَنکرٍ اَن یَّجمَعَ العَالَمَ فِی الوَاحِدِ مگر ان مین ادب تاریخ اور ریسرچ مین اُنکا رتبہ بہت بلند تھا ۱۸۵۷ء مین موضع بندول ضلع اعظم گڈھ مین پیدا ہوئے اور اپنے والد شیخ حبیب اللّٰہ (جو وکیل تھے) کے سایۂ عاطفت مین تربیت پائی۔ ابتدائی کتابین مولوی شکر اللّٰہ نامی ایک شخص سے پڑھین اور جب عربی و فارسی مین کچھ دستگاہ ہوگئی تو مولانا فاروق چریاکوٹی کے سامنے جو اُسوقت غازی پور مین ہیڈ مولوی تھے اور فلسفہ و ریاضی و ادب وغیرہ کے استاد مانے جاتے تھے زانوئے شاگردی تہ کیا انھین سے اُنھون نے عربی ادب اور معقولات پڑھین تھین۔ پھر جذبہ شوق نے اُبھارا اور تلاش علم کیواسطے وہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اعظم گڑہ سے رام پور پہونچے جہان اُستاد زمانہ مولوی عبد الحق خیرآبادی سے معقول اور مولوی ارشاد حسین صاحب محدث سے حدیث و فقہ کے اسباق لئے۔ لاہور مین ادیب کامل مولوی فیض الحسن صاحب سے حماسہ پڑھا وہانسے سہارنپور آئے اور تکمیل حدیث مولوی احمد علی صاحب سے کی ۱۸۷۶ء مین جبکہ اُنکی عمر صرف ۱۹ سال کی تھی عازم حج بیت اللّٰہ ہوئے اور راستہ مین وفور شوق اور جوش عقیدت سے ایک پُر درد قصیدہ فارسی کہا۔ بعد فراغت حج اعظم گڑہ واپس آئے اور سلسلہ درس و تدریس جاری رکھا شوق کتب بینی کا یہ حال تہا کہ کتب فروشون کی دُکانپر بیٹھکر اکثر کتابین دیکھا کرتے تھے[۱]۔ اس زمانہ مین ردولہیہ مین

---

[۱] مولانا میرے حال پر اک خاص نظر عنایت و شفقت رکھتے تھے مجھکو اُن کے اس استغراق کتب بینی کا ایک چشم دید واقعہ یاد ہے جس کا ذکر اس موقع پر دلچپی سے خالی نہوگا منشی نثار حسین مرحوم اڈیٹر "پیام یار" مولانا کے ایک بے تکلف دوست تھے اُنکی چوک مین عطر کی دوکان تھی۔ جب مولانا لکھنؤ مین قیام کرتے تو سبزی منڈی مین خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز کے مکان پر فروکش ہوتے اور سہ پہر کو منشی نثار حسین کی دوکان پر جو قریب ہی تھی آ بیٹھتے تھے۔ یہان اکثر ارباب کمال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶ پر ملاحظہ ہو)

بھی کچھ رسالے لکھے جس مین "اسکات المعتدی" جو عربی مین ہے زیادہ مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھون نے امتحان وکالت بھی پاس کیا تھا اور اعظم گڑھ اور بستی مین کچھ دنون وکالت بھی کی تھی در آخر کار جب اس پیشہ سے جی بھر گیا تو سرکاری ملازمت بھی چند دنون کی تھی اور کہین کے امین ہو گئے تھے چند دنون کے بعد یہ ملازمت چھوڑ دی اور اب ہمہ تن خدمت علم کیطرف متوجہ ہو گئے۔ ۱۸۸۲ء مین اپنے چھوٹے بھائی مھدی سے ملنے کے لئے جو علیگڈھ کالج مین پڑھتے تھے علیگڈہ جانے کا اتفاق ہوا یہان بتوسط خان بہادر محمد کریم ڈپٹی کلکٹر مولوی سمیع اللہ خان سے ملے جنکے ذریعہ سے سرسید مرحوم کی خدمت مین باریاب ہوئے اور ایک درخواست فارسی پروفیسری کی جگہ کے واسطے جو اُسوقت خالی تھی گذرانی۔ جو منظور ہو گئی اور کچھ دنون شہر مین قیام کے بعد خوش نصیبی سے سید صاحب کے بنگلے کے قریب رہنے کو جگہ ملگئی۔

قیام علیگڈہ علیگڈہ کالج کی اُس زمانہ کی فضا اس گل سرسید کی شگفتگی کے لئے بہت مفید ہوئی۔ ارباب کمال مثلاً سرسید اور مولانا حالی وغیرہ کی صحبت اور سرسید کے کتبخانے کی قربت سے مولانا نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ علیگڈھ کے مشہور اسلام دوست پروفیسر آرنلڈ سے ملاقات ہوگئی مولانا نے اُنسے فرنچ سیکھی اور اُنکو عربی سکھائی جسطرح سے مولانا نے نکات تنقید بطرز اہل مغرب آرنلڈ صاحب

کا مجمع ہوتا تھا جس مین مولوی عبدالحلیم شرر شوق قدوائی۔ لڈن صاحب خورشید۔ ابو صاحب جلیس۔ سید شہنشاہ حسین رضوی وکیل مرحوم اور اور بے تکلف احباب جمع ہوتے اور گھنٹہ دو گھنٹہ بیٹھکر خوش گپیان کرتے۔ دزیر بتولی کی خوش ذائقہ گلوریون اور حسین بخش ساقی کے معطر حقہ سے احباب کی ضیافت کیجاتی کبھی کبھی پنڈت رتن ناتھہ سرشار کوٹ پتلون ڈاٹے عینک لگائے آنکھین مچکاتے اور ہنستے اس جلسہ مین شریک ہو جاتے اور اپنی پر لطف باتون سے سب کو محظوظ کرتے ایک دن جبکہ یہ سب یاران طریقت جمع اور مولانا بھی تشریف فرما تھے۔ شاید چھٹی یا ساتوین تاریخ محرم کی تھی وقت ۷ - ۸ بجے شام۔ چوک مین بڑا مجمع تھا تعزئے معہ جلوس اور باجون وغیرہ کے نکل رہے تھے۔ شور و غل اور مجمع کی کوئی حد نہ تھی سب لوگ اس سیر مین مشغول مگر مولانا دکان کی کوٹھری مین بند کسی کتاب کے مقابلہ مین جو کسی کاتب سے لکھائی گئی تھی اسقدر مشغول اور منہمک تھے کہ باوجود دوستون کے سخت اصرار کے بھی سر اٹھا کر نہ دیکھا اور اپنا کام کرتے رہے یہانتک کہ پوری کتاب اسی حالت مین تقریباً دس گیارہ بجے تک ختم کر دی۔ مترجم۔

سے حاصل کئے ہونگے اسیطرح انصافاً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پروفیسر صاحب اپنی کتاب "پریچنگ آف اسلام" کی اکثر باتونکے لئے مولانا کے ممنون ہین ۔

ابتدائی تصانیف غالباً علیگڈھ ہی مین مولانا کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اسلام کی قدیم شان وشوکت اور اکابر سلف کے زرین کارنامے قلمبند کئے جائین - اس مبارک کام پر سر سید نے بھی اُنکی ہمت افزائی کی یہان سر سید کا کتب خانہ موجود ہی تھا جسمین دُور دراز مقامات مصر وشام تک کی مطبوعہ کتابین دستیاب ہو سکتی تھین سنہ ۱۸۸۵ء مین مثنوی صبح امید کا ستارہ مولانا کے افق تصنیف پر جلوہ گر ہوا جس مین اسلام کی شان وشوکت موجودہ مسلمانون کی نکبت وفلاکت اور اُنکے ابھارنے کے لئے سر سید کی کوششون کا ذکر نہایت پُر زور طریقے سے کیا گیا ہے - یہ کتاب ایک زمانہ مین اسقدر مقبول اور علیگڈھ کالج کے طلباء کو اتنی پسند تھی کہ اکثر اوقات وہ اسکو اسٹیج پر خوش آوازی سے پڑھتے اور لوگونکے دلونکو بے چین کرتے تھے "مسلمانون کی گزشتہ تعلیم" جو سنہ ۱۸۸۷ء کی ایجوکیشنل کانفرنس مین بطور ایڈریس پڑھی گئی تھی سنہ ۱۸۸۷ء مین چھپ کر شایع ہوئی جس سے لوگونکو مولانا کی تاریخی معلومات اور تبحر علمی کا پورا پتہ معلوم ہوا - اب دنیائے تصنیف مین اُنکی شہرت بہت بڑھ گئی تھی - اُنکے دلمین خیال آیا کہ ایک مکمل اور مفصل تاریخ بلاد اسلام اور خلفائے عباسیہ کی مرتب کیجائے اور اس کا نام "ہیروز آف اسلام" (مشاہیر اسلام) انگریزی کی تقلید مین رکھا جائے - اس سلسلہ مین اُنھون نے "المامون" اور "سیرۃ النعمان" لکھی اور "الفاروق" شروع کرنے والے تھے کہ سنہ ۱۸۹۲ء مین سفر روم وشام اختیار کیا جسمین پروفیسر آرنلڈ بھی اُنکے ہمراہ تھے اور اُنھون نے قسطنطنیہ اور ایشیاء کوچک اور شام ومصر کے بڑے بڑے شہرون کی سیر کی - اس سفر کی زیادہ تر یہ غرض تھی کہ "الفاروق" کی تیاری کے واسطے صحیح اور معتبر ماخذ کا پتہ لگایا جائے نیز یہ بھی کہ بلاد اسلامی کی شان وشوکت اپنی آنکھ سے دیکھی جائے - سفر سے واپسی کے بعد اُنکا "سفرنامۂ روم وشام" نکلا جسمین پورے سفر کے حالات نہایت دلچسپ طریقے سے قلمبند ہین سنہ ۱۸۹۸ء مین جب کہ سر سید کا انتقال ہو گیا تو مولانا بھی دل برداشتہ ہو گئے اور اپنا سلسلہ کالج سے منقطع کر لیا اور اعظم گڈھ گئے - اب وہ "الفاروق" کی تیاری مین ہمہ تن

مصروف ہو گئے اور ایک قومی انگریزی اسکول کی ترقی مین بھی بہت کوشش کی جسکا افتتاح ۱۸۸۳ء مین ہو چکا تھا۔ ۱۸۹۹ء مین سفر کشمیر پیش آیا۔ مگر اتفاق سے وہان مولانا بیمار ہو گئے اور اسی حالت مین "الفاروق" اختتام کو پہونچی۔

قیام حیدر آباد | مولانا کا سفر حیدر آباد نواب وقار الامرا کی وزارت کے زمانہ مین ہوا تھا۔ سب سے پہلے وہ مولوی سید علی بلگرامی کی کوشش سے ناظم محکمہ تعلیم بمشاہرہ دو سو روپیہ ماہوار مقرر ہوئے جو بعد کو تین سو روپیہ ہو گیا تھا۔ مولانا یہان چار برس رہے اور اس زمانہ مین اُنھون نے محکمہ تعلیم مین بہت کچھ ترقیان کین اور اس کے ساتھ اپنا سلسلۂ تالیف و تصنیف بھی برابر جاری رکھا۔ سید علی بلگرامی نے جو سلسلۂ "کتب آصفیہ" کا جاری کیا تھا اُسمین مولانا کی بھی بعض کتابین شامل ہین۔ اسی قیام حیدر آباد کے عرصہ مین جب کہ مولوی عزیز مرزا صاحب کا دور دورہ تھا مولانا نے حیدر آباد مین ایک مشرقی یونیورسٹی کھولنے کا اسکیم تیار کیا تھا اور "الغزالی" "سوانح مولانا روم" "الکلام" "علم الکلام"۔ اور "موازنہ انیس و دبیر" یہ سب اسی زمانہ کی تصانیف ہین۔

ندوۃ العلماء | ندوۃ العلمار کا قیام ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۴ء مین ہوا تھا اُسکے قیام کی غرض اصلی یہ تھی کہ عربی مدارس کے لئے ایک مفید نصاب تعلیم ضروریات زمانہ کا لحاظ رکھکر بنایا جائے نیز یہ کہ مسلمانان ہندوستان کے آپس مین یا اُنکی جماعتون مین جو جو اختلافات ہین وہ رفع کئے جائین۔[۱] اس عمدہ خیال کے محرک مولوی عبد الغفور صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے مگر اس کی تکمیل مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری

[۱] مقاصد ندوۃ العلمار جو مسودہ دار العلوم ندوۃ العلمار کے آخری صفحہ کے پشت پر درج ہین حسب ذیل ہین۔

(۱) نصاب تعلیم کی اصلاح اور علوم دین کی ترقی اور تہذیب اخلاق اور شائستگی اطوار۔

(۲) علمار کے باہمی نزاع کا دفع اور اختلافی مسائل کے رد و قدح کا پورا پورا انسداد۔

(۳) عام مسلمانون کی صلاح و فلاح اور اسکے تدابیر مگر سیاسی اور ملکی معاملات اس سے علٰحدہ ہین۔

(۴) ایک عظیم الشان اسلامی دار العلوم قائم کرنا جس مین علوم و فنون کے سوا عملی صنائع کی بھی تعلیم ہوگی۔

(۵) دینی امور مین فتوے دینے کیواسطے محکمہ افتار کا ہونا جس مین بڑے بڑے عالم اور مفتی ہونگے۔

خلیفہ حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب مرادآبادی کے مبارک ہاتھون سے ہوئی جواس کے بانی
اور ناظم اوّل تھے۔ مولانا شبلی اور مولوی عبدالحق دہلوی صاحب تفسیر حقانی نے اسکے قواعد و
ضوابط مرتب کئے اکابر قوم مثلاً سرسید نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک وغیرہ نے بھی
اسکے اغراض و مقاصد کو پسند کیا اور تحریر و تقریر کے ذریعہ سے اس کا خیر مقدم کیا۔ کہا جاتا ہے
کہ نواب وقار الملک سو روپیہ ماہوار ندوۃ کو اپنے پاس سے دیتے تھے پھر مولانا شبلی کی تجویز ہوئی
کہ اس جماعت کے تحت مین ایک مدرسہ کھولا جائے جو ضروریات وقت کا لحاظ رکھکے طلبار کو
تعلیم دے سکے چنانچہ ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء مین اسی تجویز کے موافق دارالعلوم کے کچھ ابتدائی
درجے کھولدئے گئے۔ اور ۱۸۹۹ء مین رؤسا شاہجہانپور کی فیاضی سے کچھ زمینداری بطریق وقف
ندوۃ العلماء کو حاصل ہوئی جسکو ندوۃ العلمار نے ٹھیکہ پر دیدیا ہے اور مبلغ سات سو روپیہ سالانہ اسکی
آمدنی سے ملتا رہتا ہے۔ ایک عظیم الشان کتب خانہ کی بھی نبیاد ڈالی گئی جس مین تقریبًا دس ہزار
کتابین داخل ہوچکی ہین اور علاوہ مطبوعات یورپ، مصر قسطنطنیہ۔ ٹونس طہران وغیرہ کے تقریبًا
ایک ہزار کتابین قلمی اور اکثر نادرالوجود ہین جو مصنفین کے ہاتھہ کی لکھی ہوئی ہین یا مصنفین کے قریب
زمانہ مین لکھی گئی ہین اور اُن پر نامور علمار کے دستخط موجود ہین۔ اس نوبت پر ایک افسوس ناک
واقعہ پیش آیا کہ سر انٹونی میکڈانل جو اُسوقت ممالک متحدہ کے لفٹننٹ گورنر تھے ندوہ کے سخت مخالف
ہوگئے۔ اور اسکو سیاسی سازشون کا ایک آلہ کار سمجھکر نگاہ شک سے دیکھنے لگے۔ مولوی احمد رضا خان
بریلوی کے بعض رسائل بھی جو بہت پرجوش لہجے مین لکھے گئے تھے اسیوقت نکلے اور ندوہ کے
مقابلہ پر ایک جنگجو جماعت جدوہ قایم کی گئی جسکے اجلاس کلکتہ مین ہوئے تھے غرضکہ جب لاٹ صاحب
ولایت چلے گئے تو مولانا شبلی حیدرآباد سے لکھنؤ آئے اور ندوۃ العلمار کے ابتر انتظامات کو اپنے
ہاتھہ مین لیا اور پبلک اور گورنمنٹ کے دلمین جو بدگمانیان اور شکوک اسکی طرف سے پیدا ہوگئے
تھے انکے رفع کرنے مین بڑی کوشش کی۔ اس کام مین کرنل عبدالمجید خان صاحب نے بھی انکی بڑی
مدد کی۔ ندوہ کی مالی حالت اسوقت ایسی خراب ہوگئی تھی کہ اُسکے ٹوٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ مولانا

نے اسکو درست کرنے کے لئے اکثر ویسی ریاستون کا سفر کیا اور رام پور سے مبلغ پانچسو روپیہ سالانہ اور بھوپال سے مبلغ ڈھائی سو روپیہ سالانہ اعانتی رقمین مقرر ہوئین[51] اسیطرح ہز ہائینس آغا خان نے پانچسو روپیہ سالانہ اور نواب صاحب بہاول پور کی جدہ ماجدہ نے پچاس ہزار روپیہ تعمیر عمارت کے واسطے عنایت کئے اور گورمنٹ نے ایک وسیع اور خوشنما قطعہ آراضی دریائے گومتی کے کنارے لکھنؤ مین دار العلوم کے واسطے عطا فرمایا نیز چھ ہزار روپیہ سالانہ کی امداد انگریزی زبان اور علوم دنیوی کے لئے دینا منظور فرمایا۔ سر جان ہیوٹ صاحب بہادر لفٹننٹ گورنر ممالک متحدہ نے دار العلوم کا سنگ بنیاد ۲۸ نومبر ۱۹۰۸ء کو رکھا اسطرح مولانا کی کوششین بار ور ہوئین مگر آپس کی نزاعین ہنوز قائم رہین[52] کیونکہ علماء کا آپس مین متحد الخیال ہونا سخت مشکل کام تہا۔ وہ لوگ مولانا پر بوجہ انکی آزاد خیالی کے پورا اعتماد نہین رکھتے تھے۔ اسیوجہ سے مولانا کچھ بددل ہو کر ۱۹۱۳ء مین لکھنؤ سے چلے گئے۔ اور اعظم گڈھ مین دار المصنفین کی بنیاد ڈالی اسی اثنا مین ایک نہایت افسوسناک واقعہ پیش آیا کہ مولانا کی ٹانگ ایک اتفاقیہ گولی کے لگ جانیسے زخمی ہوئی اور بہ آخر کار مجبور ہو کر اسکو کاٹنا پڑا۔

---

[51] دار العلوم ندوۃ العلماء کی گذشتہ تاریخ، مطبوعہ سنہ ۱۹۰۲ء مین ندوۃ العلماء کی جو مالی حالت بیان کی گئی ہے اس سے ندوۃ العلماء کی آمدنی حسب ذیل معلوم ہوتی ہے (۱) بھوپال سے تین ہزار روپیہ سالانہ جو ماہ بماہ ملتا ہے (۲) بہاول پور سے وظائف کی مد مین تین سو روپیہ سالانہ (۳) مسلمانان مدارس سے تقریباً دو ہزار روپیہ سالانہ اس رقم سے طلباء غیر مستطیع کو مدد دیجاتی ہے (۴) دولت آصفیہ حیدر آباد دکن سے تقریباً سو روپیہ ماہوار دفتر کے خرچ کے لئے۔

[52] عزیز محترم عالیجناب نواب صفی الدولہ سید علی حسن خان بہادر عرف علی میان صاحب جنکے مولانا مرحوم سے ربط محبت و یگانگت بہت بڑھا ہوا تھا اور جنکی نظر سے یہ مضمون گذر چکا ہے فرماتے تھے کہ "قیام دار المصنفین کے متعلق مینے مولانا کو نیم راضی کر لیا تھا کہ لکھنؤ مین کھولا جائے مگر انکی خواہش تھی کہ اسکا تعلق ندوہ سے نہو اور یہ ایک بالکل علیحدہ چیز ہے اسکے واسطے بعض مواقع لکھنؤ مین دیکھے گئے اور مولانا نے دو ایک جگہون کو پسند بھی کیا پھر مولانا بمبئی تشریف لے گئے مین بھی وہان موجود تھا وہان سے اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد اسحاق کی اچانک موت کی خبر سنکر دفعتاً الہ آباد انکو آنا پڑا یہان سے وہ بضرورت اعظم گڈھ گئے اور مجھکو لکھا کہ دار المصنفین یہان قایم کرنے کا ارادہ ہے اسکے افتتاح مین تم بھی شریک ہو۔ مین گیا تو معلوم ہوا کہ مولانا نے اپنا باغ وغیرہ اسکے واسطے وقف کر دیا ہے اور بعض اور لوگون نے اپنی جائدادین دی ہین مینے کہا کہ بہت بہتر ہوتا کہ دار المصنفین لکھنؤ مین قایم ہوتا ہنسکر فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے یہان اسکو بالفعل رہنے دیجئے جب موقع آئیگا تو لکھنؤ مین منتقل ہو جائیگا۔

مولانا شبلی نعمانی

مولوی سعید انصاری

مولانا عبدالسلام ندوی

مولانا سید سلیمان ندوی

مولوی ابوالحسنات ندوی
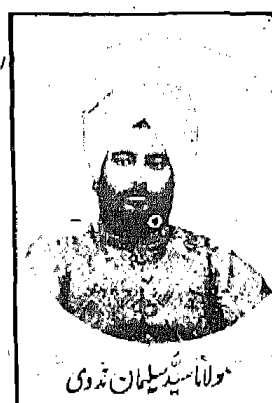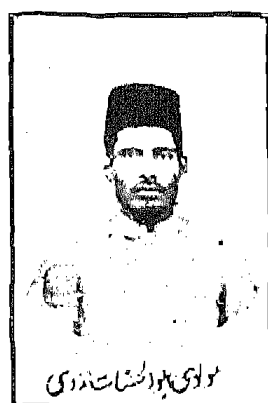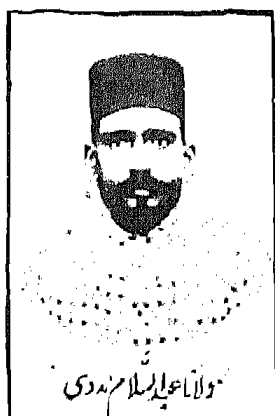
ندوہ نے جو خدمات ملک کی انجام دین گو کہ یہ نہین کہا جا سکتا کہ ابھی وہ تکمیل کو پہونچین
مگر اسمین شک نہین کہ وہ بہت قابل تعریف ہین۔ سب سے بڑا کام اسنے یہ کیا کہ
قدامت پسند عالمون مین جو ضروریات زمانہ سے بیخبر تھے ایک بیداری پیدا کر دی اور
انکو بھی اسکی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ اُن کا قدیم نصاب بدلکر موجودہ زمانہ کی ترقیون کے
حسب حال بنایا جائے۔ انگریزی زبان بھی داخل نصاب کیجائے۔ غیر مفید
کتابین اور علوم موقوف کئے جائین اور ادب عربی و فارسی اور حدیث و تفسیر کی
تحصیل پر زیادہ زور دیا جائے۔ ندوہ نے یہ بڑا کام کیا کہ علوم عربیہ اور اسلامی
تہذیب کو دنیا کے سامنے صحیح طور پر پیش کیا۔ قیمتی قلمی اور نیز ہزارہا مفید
مطبوعہ کتابین جمع کر کے ایک اعلے درجہ کا کتب خانہ قایم کیا۔ قرآن شریف کے
صحیح انگریزی ترجمہ کا بھی کام ہاتھہ مین لیا تھا۔ مسلمانون کے عہد حکومت ہندوستان
کے متعلق جو تاریخی غلطیان ناواقفیت سے لوگون مین مشہور ہوگئی ہین اُن کو رفع کیا۔
اسی طرح مسلمانونکے قانون وقف و میراث کے متعلق جو پیچیدہ مسایل قانونی اکثر
پیش آجاتے ہین اُنپر روشنی ڈالی۔ اسلامی علوم اور تمدن کا ایک مرکز قایم کیا جسکا اثر
ممالک دور و دراز تک پر پڑا۔ ایک خاص رسالہ "الندوہ" بہ ادارت مولانا شبلی و مولوی
حبیب الرحمان صاحب شروانی نکالا گیا جسمین نہایت عمدہ اور قابلیت کے مضامین
شایع ہوئے۔ مگر حق یہ ہے کہ مولانا کے انتقال سے ندوہ کو جو نقصان عظیم پہونچا
اسکی تلافی اب بہت مشکل ہے۔

دار المصنفین اعظم گڈھہ لکھنؤ سے واپسی کے بعد مولانا ہمہ تن اپنی محبوب اور
مایہ ناز تصنیف "سیرۃ النبی" کی تکمیل مین مصروف ہوگئے اور شعر العجم کا
پانچوان حصہ بھی اسیوقت تمام کیا۔ مولانا چونکہ تالیف و تصنیف کے عاشقون
مین تھے لہذا مصنفین کی ایک جماعت قایم کرنیکا خیال جو بہت عرصہ سے اُنکے دلمین

جاگزین تھا خدا خدا کر کے وہ اب پورا ہوا جس کے واسطے انہون نے اپنی ذاتی جائداد یعنی ایک مکان اور باغ اور نیز اپنا قیمتی کتب خانہ وقف کر دیا۔ اسکے علاوہ ندوہ مین ایک درجۂ تکمیل بھی کھولا جسمین عربی و فارسی کے منتہی طالب علم ریسرچ کی خدمات انجام دیتے ہین۔

قابلیت اور خدمات کا اعتراف — ۱۸۹۲ء مین سلطان ٹرکی نے تمغہ مجیدی انکو عنایت کیا تھا اور اسی کے قریب برٹش گورنمنٹ نے خطاب شمس العلماء عطا کیا۔ وہ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو اور مختلف کمیٹیون کے کے ایک معزز رکن تھے۔ مثلاً ترقی علوم مشرقیہ کی کمیٹی جو بمقام شملہ سر ہار کورٹ بٹلر کی صدارت مین منعقد ہوئی تھی کمیٹی بابتہ نزاع مابین زبان اردو و ہندی اور کمیٹی اتحاد ہندو مسلم جسکو گورنمنٹ نے منعقد کیا تھا۔

اخلاق و عادات — مولانا شبلی ایک نہایت سچے اور راستباز خلیق و متواضع آدمی تھے۔ اُنکی ایک زبردست شخصیت تھی۔ گفتگو نہایت شیرین اور دلچسپ اور پراز معلومات ہوتی تھی۔ حافظہ بہت زبردست پایا تھا۔ روپیہ کا مطلق خیال نہین کرتے اور جو کچھ ملتا تھا نہایت آزادی سے خرچ کرتے تھے ہندو مسلم اتحاد کے دل سے خواہان تھے۔

تصانیف — مولانا کی تصانیف بہت کثرت سے ہین جنمین حسب ذیل مشہور ہین۔ سیرۃ النبی۔ (صرف دو جلد وہ ان کی تکمیل کر سکے) شعر العجم پانچ حصے۔ الفاروق۔ المامون۔ سیرۃ النعمان۔ الغزالی الکلام۔ علم الکلام۔ سوانح مولانا روم۔ موازنہ انیس و دبیر۔ سفرنامہ روم و مصر و شام۔ اورنگزیب عالمگیر۔ الجزیہ۔ مسلمانون کی گذشتہ تعلیم۔ تاریخ اسلام و فلسفۂ اسلام۔ حیات خسرو۔ تنقید جرجی زیدان مقالات شبلی۔ مکاتیب شبلی۔ رسائل شبلی۔ (نظم مین) دیوان شبلی اور دستۂ گل۔ مثنوی صبح امید۔ مجموعۂ نظم اردو۔

مولانا بحیثیت مورخ کے — مولانا کا بڑا کمال یہ ہے کہ اُنہون نے اسلام کی قدیم شان و شوکت کی تاریخ کو طرز جدید مین پیش کیا اور ایسے دلچسپ طریق سے لکھا کہ عوام و خواص سب اُس سے مستفیض ہو سکتے ہین اور ہر نظر مین وہ نہایت دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔ پھر یہ کہ اسکی تالیف مین انتہا کے

تجسس تلاش اور عمیق مطالعہ سے کام لیا اور جدید طرق تنقید کیموافق غیر معتبر اور بیکار چیزون کو ترک کیا۔ الفاروق المامون۔ الغزالی۔ سیرۃ النعمان۔ مسلمانون کی گزشتہ تعلیم۔ اور علی الخصوص اُنکی معرکتہ الآرا تصنیف یعنی سیرۃ النبی جسکو انہون نے ناتمام چھوڑا ایسی یادگار تصانیف ہین جو انکے تبحر علمی وسیع تحقیق عمیق مطالعہ اور سعی کدو کاوش کا پتہ دیتی ہین۔

مولانا بہ حیثیت ناقد کے | مولانا علاوہ جلیل القدر مورخ کے ایک زبردست ناقد بھی تھے۔ شاعر شیرین مقال ہونیکے ساتھ قوت انتخاب۔ ذوق سلیم۔ رائے صائب بھی اعلیٰ درجہ کی رکھتے تھے۔ اگر کسی شخص کو زمانہ حال کی کوئی ایسی تصنیف دیکھنا ہو جو وسعت مطالعہ اور تحقیق کے ساتھ فصاحت و بلاغت اور سلاست زبان کا ایک بہترین مجموعہ کہی جاسکے تو اُس کو شعر العجم دیکھنا چاہیئے جسکی یکتائی پر پروفیسر برون ایسے مشہور زمانہ مستشرق کی شہادت موجود ہے یہ سچ ہے کہ مولانا کے انتقال کے بعد اُسکی اکثر غلطیان نکالی گئین اور وہ ایک جارحانہ نظر سے دیکھی جارہی ہے مگر پھر بھی ہمارے نزدیک کتاب کی قدر و قیمت اور مولانا کے تبحر علمی مین اس سے کوئی فرق نہین آسکتا۔ کتاب مذکور نظم فارسی کی ایک مکمل تاریخ ہے اور نہایت سلیس اور دلچسپ زبان مین ہے۔ "موازنہ انیس و دبیر" بھی ایک بہت بیش بہا تصنیف ہے۔ اور گو کہ اُس سے بھی اختلاف کیا گیا اور بعض کتابین اسکے جواب مین نکلین مگر پھر بھی اُسکی اکثر باتین کارآمد اور صحیح ضرور ہین آرٹیکل اور مضمون نگاری مین بھی مولانا ایک ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اُنکی اس قسم کی تحریرین نہایت دلچسپی اور شوق سے پڑھی جاتی ہین کیونکہ اُسمین نہایت مفید اور کارآمد باتین پائی جاتی ہین۔ اُنکے مکاتیب بھی بہت دلچسپ ہین جس سے اُنکے ذاتی حالات اور نیز اُنکے معاصرین اور اُس زمانے کے حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ "مقالات شبلی" اور "رسائل شبلی" اُنکے اخباری مضامین کا اور "مکاتیب شبلی" اُنکے خطوط کا مجموعہ ہے۔

طرز تحریر | مولانا ہمیشہ صفائی اور سادگی اور وضاحت کلام کو بہت پسند کرتے تھے۔ اُنکی عبارت کبھی گنجلک نہین ہوتی اُسمین ایک خاص چمک اور تڑپ ہوتی ہے۔ سرسید مرحوم مولانا کو اُنکے طرز تحریر پر مبارکباد دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم تو لکھنؤ اور دلی دونون کے لئے باعث رشک ہو۔

مولانا کے یہان صنایع بدایع اور عبارت مین تکلف بہت کم ہوتا ہے۔ اور گو کہ اکثر جگہ فصاحت اور زور بیان مضمون مین چار چاند لگا دیتا ہے پھر بھی نفس مطلب نہایت واضح رہتا ہے۔ یہ بڑی قابل تعریف بات ہی کہ مختلف انواع تحریر کے لئے مولانا اُسی کے مناسب حال انداز بیان بھی اختیار کرتے ہین۔ بعض تکلف پسند طبیعتون کو مثلاً وہ جنکی زبانکو آزاد کی اُردو کا چٹخارہ ہے ممکن ہے کہ مولانا کا رنگ روکھا پھیکا اور بے مزہ معلوم ہو مگر کاروباری نثر کا وہ بے مثل نمونہ ہے۔ جو کہ دور موجودہ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے

جیسا کہ لکھا گیا مولانا کا مرتبہ بحیثیت ایک مورخ اور ناقد کے بہت بلند ہے اُنھون نے اسلامی تمدن کی توسیع واشاعت مین بڑا حصّہ لیا۔ اُنہین ہم نیشنلزم کی نئی صبح جلوہ گر دیکھتے ہین۔ اور یہ اُنہین سب سے بڑا کمال ہے کہ علوم مشرقی کو وہ مغربی روشنی مین دیکھتے ہین۔ وہ ندوۃ العلما کے روح رواں اور دار المصنفین کے بانی تھے۔ اپنے زمانہ کی نمایان ہستیون اور بلند شخصیتون مین تھے۔ اور درصل انہین کی روحانی برکت ہے جو دار المصنفین کی مساعی جمیلہ کی کامیابی کا باعث ہے۔ اُنکے لایق شاگرد ولنسے ابدالآباد تک اُنکا نام روشن رہیگا۔

سلیمان ندوی مولانا سید سلیمان صاحب مولانا شبلی کے جانشین علوم مشرقی اور عربی و فارسی کے جیّد فاضل ہین۔ مولانا شبلی مرحوم اُنسے اپنی زندگی مین بہت محبت کرتے اور ایک خاص نظر شفقت و عنایت انپر رکھتے تھے۔ اور اُسیوقت وہ اپنی ذہانت و قابلیت وطباعی سے اُنکے اور شاگردون سے ممتاز تھے۔ اُنہون نے مولانا مرحوم کی روایات کو جاری رکھا اور بالفعل اُنہین کی نگرانی اور اہتمام مین حلقہ دار المصنفین عربی اور فارسی کی نایاب کتابون کے ترجمہ و تالیف کی بیش بہا خدمت انجام دے رہا ہے۔ وہ المعارف کے ایڈیٹر بھی ہین جو زبان اُردو کا مشہور مجلّہ علوم اہل اسلام کی اشاعت کے لئے مخصوص ہے اور اسکے مضامین سے انکی مضمون نگاری اعلیٰ قابلیت اور تحقیق علمی کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا دار المصنفین اور معارف دونون کی روح رواں ہین۔ اُنہون نے بلاد اسلامی اور یورپ کا سفر بھی کیا ہے۔ اور سیرۃ النبی کا بقیہ حصہ اُسی شان و شوکت سے ختم کیا ہے۔ سیرۃ العائشہ۔ ارض القرآن۔ لغات جدیدہ وغیرہ آپ کی مقبول اور مفید تصانیف سے ہین۔

مولانا سلیمان صاحب کے علاوہ مولانا حمید الدین۔ مولانا عبد الباری۔ مولانا عبد الماجد دریاآبادی۔
پروفیسر نواب علی۔ اور مولانا عبد السلام۔ دار المصنفین کے پرجوش اور معزز ارکین ہین۔ مولانا حمید الدین
صاحب علاوہ انگریزی کے زبان فارسی و عربی کے مستند فاضل اور علم القرآن اور ادب عربی مین ایک
خاص بصیرت رکھتے ہین۔ مولوی عبد الباری نے برکلے کے فلسفہ کا بہت سلیس ترجمہ اردو مین کیا ہے اور
بعض اور فلسفیانہ تصانیف بھی اُنکی ہین۔ مولوی عبد السلام اور مولوی عبد الماجد کے مختصر حالات
حسب ذیل ہین۔

اس موقع پر یہ لکھنا بے محل نہوگا کہ شعبۂ دار المصنفین اپنے سامنے ایک درخشندہ مستقبل رکھتا ہے
اور اگر اسنے اپنی موجودہ رفتار ترقی جاری رکھی تو اسمین کوئی شک نہین کہ زبان اُردو کی تکمیل مین یہ
بہت بڑا حصہ لیگا۔ مگر ضرورت یہ ہے کہ وہ اپنی تصانیف مین عربی اور فارسی الفاظ کی بہتات سے
احتراز کرے۔ تاکہ تمام بہی خواہان اردو کو اس سے سچی ہمدردی رہے۔ اور اسطرح یہ بھی نچاہیے کہ تمام
مغربی و دیگر علوم مشرقیہ سے قطع نظر کر کے اپنی توجہ صرف علوم اسلامی کی نشر و اشاعت پر محدود رکھے

مولوی عبد السلام ندوی مولوی عبد السلام صاحب کی ذات پر دار المصنفین کو جسقدر ناز ہو کم ہے
وہ وقتاً فوقتاً معارف مین نہایت اعلیٰ درجہ کے مضامین لکھتے رہتے ہین۔ سیرت عمر بن عبد العزیز اسوۂ
صحابیات۔ شعر الہند حصہ اول و دوم۔ ابن یمین۔ وغیرہ انکی تصانیف ہین۔ سنا ہے کہ مولانا شبلی کی زندگی
کے حالات بھی مرتب کر رہے ہین مگر وہ اب تک شایع نہین ہوے۔ شعر الہند مین جو نظم اُردو کی ایک مبسوط
تاریخ ہے اُن اثرات و حالات کو جو مختلف اوقات مین نظم اردو پر مترتب ہوئے ہین مفصل اور نہایت خوبی
سے بیان کیا ہے۔ اپنی نوعیت مین یہ کتاب بہت عمدہ اور قابل تعریف ہے اور اس کتاب کو تصنیف
کر کے مصنف نے فی الحقیقت زبان اردو کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ مگر یہ کہنا پڑتا ہے کہ کتاب
کا نام اسم غیر مسمی ہے نیز اس مین بعض ضروری باتون مین فروگزاشتین بھی ہوگئی ہین اور اکثر اُن
لوگون کا ذکر بھی نہین جنھون نے زبان اُردو کی ترقی مین بہت کوششین کی ہین ان اعتراضات کا
یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ اس کتاب مین نظم اُردو کو ایک خاص نقطہ نظر سے دیکھا گیا ہے۔ بہر حال کچھ

بھی ہو کتاب کارآمد اور مفید ضرور ہے اور مثل مولوی حکیم عبدالحی صاحب مرحوم کے "گل رعنا" کے جو قدیم طرز کا تذکرہ ہے اس مین بعض خاص خاص باتین ایسی ہین جو دوسری کتابون مین نہین ملتین

مولوی عبدالماجد دریاآبادی مولوی عبدالماجد صاحب بی اے دریابادی خلف الصدق مولوی عبدالقادر ڈپٹی کلکٹر مرحوم ۱۸۹۳ء آپ کا سال ولادت ہے - ابتدائی عربی اور فارسی تعلیم سے گھر پر فراغت کرکے زبان انگریزی سیتاپور ہائی اسکول مین پڑھنا شروع کی اور انٹرنیس پاس کرکے کیننگ کالج لکھنؤ مین داخل ہوئے جہان سے ۱۹۱۲ء مین بی - اے کی ڈگری حاصل کی پھر درجہ تکمیل (پوسٹ گریجویٹ اسٹڈیز) کے لئے علی گڈہ کالج مین داخل ہوے مگر والد کے انتقال کے سبب سے وہان زیادہ عرصہ تک قیام نہ کر سکے لکھنؤ چلے آئے اور یہان آکر تصنیف وتالیف کے سلسلہ مین مشغول ہوگئے ۱۹۱۷ء مین عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ سے تعلق ہوگیا تھا مگر کچھ عرصہ بعد یہ تعلق ترک کردیا - گو اب بھی گورنمنٹ نظام کے وظیفہ خوار ہین اور عثمانیہ یونیورسٹی کے واسطے کچھ نہ کچھ ادبی کام کرتے رہتے ہین مولانا سیاسیات سے بھی بڑی دلچسپی رکھتے ہین اور سیاسی حلقون مین ایک خاص عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہین - ہفتہ وار اخبار "سچ" آپ کی ادارت مین نکلتا ہے -

مولانا کو ادبی دنیا مین ایک خاص شہرت حاصل ہے - کتب ذیل آپ کی تصانیف سے مشہور ہین فلسفہ جذبات - فلسفہ اجتماع - تاریخ اخلاق یورپ - مکالمات برکلے یعنی برکلے کی مشہور کتاب "ڈائیلاگز" کا اردو ترجمہ - پیام امن - بحر المحبت (مثنوی مصحفی) - زود پشیمان (ناٹک) - سائیکالوجی آف لیڈرشپ (انگریزی مین) تصوف واسلام - فلسفیانہ مضامین - (اسمین وہ چہ مضامین داخل ہین جو الناظر مین چھپے تھے) مولانا کا مطالعہ فلسفہ بہت عمیق ہے اور فلسفیانہ کتابین اور مضامین نہایت سلیس اور دلچسپ اردو مین لکھنے کا آپ کو خاص ملکہ حاصل ہے - آپ کے انگریزی کے ترجمے نہایت صاف بامحاورہ اور متین ہوتے ہین - مصحفی کی مثنوی "بحر المحبت" جو غیر مطبوعہ تھی آپنے نہایت محنت اور عرقریزی سے چھپوائی اور اس پر ایک مفید اور بلیغ مقدمہ لکھا ہے - آپ کبھی کبھی اپنے مقررہ مسلک یعنی فلسفہ اور تصوف اور سنگین اصناف سخن سے ہٹ بھی جاتے ہین اور تفنن طبع کے طور پر ہلکی اور سبک چیزون کیطرف متوجہ

ہو جاتے ہین اسی آخر الذکر صنف مین آپ کا ڈراما "زود پشیمان" ہے جو ہرچند کہ اسٹیج کے لائق نہین
مگر پڑھنے مین بہت لطیف اور دلچسپ ہے۔آپ کو شعر گوئی مین بھی کافی شہرت حاصل ہے
گو کہ کم کہتے ہین مگر جس قدر کہتے ہین زیادہ تر متصوفانہ رنگ مین ہوتا ہے۔موجودہ اخبارات و رسائل
مثلاً معارف۔الناظر۔اردو۔ہندوستان ریویو۔ماڈرن ریویو۔وغیرہ یہ سب آپ کے اعلیٰ مضامین
کے مرہون منت ہین۔آپکے مضامین معلومات سے پُر ہوتے ہین اور اسی کے ساتھ اعتدال پسندی
اور سخنلطی اور علمیت آپکے کلام کا خاص جوہر ہے۔قوت تنقید آپ کو خدا تعالےٰ نے بہت اعلیٰ درجہ
کی دی ہے۔سنا جاتا ہے کہ بالفعل آپ ملفوظات مولانا روم کو شایع کرنے کی تیاری کر رہے ہین
آپ کی ذات ادب اردو کے لیے باعث فخر ہے اور آپ کی تصانیف سے زبان کو خاص فوائد
پہونچتے رہتے ہین'۔

جدید علوم کی ترویج۔ دلی کالج کا قیام

دلی کالج کے قیام سے جدید علوم و فنون کی ترویج و ترقی مین خاص مدد ملی بقول مسٹر اینڈریوز کے "انیسوین صدی کے شروع مین جو ایک عجیب و غریب علمی روشنی چمکی تھی اسکی وجہ زیادہ تر نئے نئے انگریزی علوم و فنون تھے جنکی تعلیم نے ہندوستانیون کے واسطے ایک بالکل طلسمی منظر پیش کر دیا تھا کوئی نہین کہہ سکتا تھا کہ آئندہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوگا۔دلی کالج مین جو کیمسٹری اور فزکس (کیمیا و طبعیات) کے نئے نئے تجارب طلبا کو دکھائے جاتے تھے اُنسے وہ بغایت مسرور بلکہ مبہوت ہو جاتے تھے اور نہین کہہ سکتے تھے کہ آئندہ وہ کیا دیکھینگے وہ بے تکلف خیال کرتے تھے کہ ہم لوگ ایک جدید دور کے بانی ہین اور ترقی اور انکشافات کے وہ خواب دیکھا کرتے تھے اس جدید علمی نور نے اُس عہد کو منور کر دیا تھا جس مین سلطنت مغلیہ کے دور آخر کا کروفر اور شان و شکوہ بھی کچھ شامل تھے مگر یہ روشنی تھوڑے عرصہ تک قایم رہکر بجھ گئی اور اُسکے فنا ہونیکے اسباب مین غدر ۱۸۵۷ء کو بھی بڑا دخل ہے"

دلی کالج مین ۱۸۲۷ء مین ایک درجہ انگریزی کا بھی کھل گیا تھا اور باوجود انگریزی سے

مخالفت کے طلبا کی تعداد کم نہ تھی سنہ ۱۸۳۱ء کے رجسٹرون سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت بھی کالج مین
تین سو طالب علم انگریزی پڑھتے تھے اسکول اجمیری دروازہ کے قریب تھا مگر جب وہ ترقی کرکے کالج
ہوا تو کشمیری دروازہ اور دریائے جمنا کے قریب آگیا سنہ ۱۸۴۳ء مین اسکول اجمیری دروازہ سے منتقل
ہوکر شاہی کتب خانہ مین آگیا چونکہ جدید تعلیم سے لوگون مین منافرت اور مخالفت پھیلی ہوئی تھی
لہذا اسوقت طلبہ سے کوئی فیس نہین لیجاتی تھی بلکہ اچھے اچھے وظائف انہین انگریزی کا شوق پیدا کرنیکے
واسطے انکو دیے جاتے تھے۔ کالج مین مغربی علوم کے ساتھ ایک مشرقی صیغہ بھی تھا۔ ریاضی کی تعلیم
نہایت اعلی درجہ کی ہوتی تھی۔ ادب اور زبان انگریزی کو لوگ زیادہ پسند نہین کرتے تھے مگر مغربی
علوم اور ریاضی کے بہت گرویدہ تھے۔ تعلیم زیادہ تر لکچرون کی مدد سے ہوتی تھی نہ کہ کتابون سے
کیونکہ کتابین دور دراز مقامات سے آتی تھین اور دقت سے ملتی تھین اور ظاہر ہے کہ اسوقت جدید
علوم کی کتابون کے ترجمے بھی نہین ہوے تھے۔ لکچرون کو طلبہ نہایت شوق سے سنتے تھے۔ نئے
نئے ریاضی کے مسایل سیکھکر اور جدید تجارب کیمیاوی و برقی و مقناطیسی اپنی آنکھون سے دیکھکر انکو
خیال پیدا ہوتا تھا کہ ہم بالکل اک نئی علمی دنیا مین قدم رکھ رہے ہین۔ پروفیسر رامچندر جو ایک زبردست
شخصیت رکھتے تھے اور مسٹر ٹیلر پرنسپل کالج اور پنڈت اجودھیا پرشاد جو دلی کے کشمیری پنڈت
اور اسسٹنٹ پروفیسر تھے طلبہ کی تعلیم و ترقی مین نمایان حصہ لیتے تھے۔ مشرقی صیغہ مین عربی
و فارسی کی تعلیم زبان اردو کی وساطت سے ہوتی تھی اور یہ صیغہ طلبہ مین بہت ہردلعزیز تھا۔
مولوی امام بخش صہبائی فارسی کے بڑے زباندان اور ماہر کالج مین فارسی پڑھاتے تھے
ٹیلر صاحب اور مولوی امام بخش صہبائی دونون غدر مین مارے گئے۔

دلی کالج سے پڑھکر مشہور لوگ نکلے جنھون نے زبان اردو کی آیندہ توسیع و ترقی
پر بہت بڑا اثر ڈالا مثلاً مولوی نذیر احمد ماسٹر پیارے لال آشوب۔ مولانا آزاد۔ مولانا حالی۔ اور مولوی
ذکاءاللہ کے نام پیش کیے جاسکتے ہین۔ دنیاوی ترقیان بھی ان مین سے بعض نے بہت کین چنانچہ
مولوی شہامت علی ریاست اندور کے وزیر اعظم ہوگئے اور ڈاکٹر مکند لال شمالی ہند مین نہایت مشہور

معروف زمانہ حال کے طرز کے ڈاکٹر گزرے ہیں، ڈاکٹر چمن لال عیسائی ہو گئے تھے اور غدر میں مارے گئے۔ سنہ ۱۸۴۲ء مین دلّی کالج کی سرپرستی مین ایک ادبی انجمن کھولی گئی جس کے روح رواں پروفیسر رامچندر اور مولانا صہبائی تھے اس انجمن کی قابل ستائش کوششون سے اکثر مفید کتابین تیار ہوئین جو دلّی مین چھپین اور طلبہ کے بہت کام آئین ان مین سے اکثر کتابین انگریزی سے اور بعض فارسی سے ترجمہ ہوئی تھین۔ دلّی کی تقلید مین اور شہرون مین بھی مثلاً آگرہ اور لکھنؤ اور بنارس مین اسی قسم کی کتابین تیار ہوئی تھین جو انڈیا آفس کے کتب خانہ مین موجود ہین اور اُنکے نام بلوم ہارٹ نے اپنی مرتبہ فہرست مین دیے ہین۔ اسی قسم کے تراجم اور تالیفات سے یہ بہت بڑا فائدہ ہوا کہ نثر اردو بہت صاف سادہ اور بے تکلف ہو کر اس قابل ہو گئی کہ اسمین کاروباری دنیا کی باتین لکھی جائین اور غیر زبانون سے کارآمد ترجمے کیے جاوین سنہ ۱۸۶۵ء مین رائے بہادر ماسٹر پیارے لال آشوب نے دلّی مین ایک اور ادبی سوسائٹی کی نبیاد ڈالی تھی جس کے وہ خود سکریٹری تھے۔ اس سوسائٹی کے انتظام مین بہت سے مفید لکچر دیے گئے اور نثر اردو کا چراغ گو کہ ٹمٹماتا رہا مگر بجھا نہین۔ آشوب ہی کی توجہ اور مدد سے مولانا آزاد اور حالی نے جدید رنگ کی شاعری اختیار کی اور انہین نے مولانا حالی کو اکثر انگریزی چیزین ترجمہ کر کر کے دین تاکہ وہ اُنکو اردو کا جامہ پہنائین۔ پروفیسر رامچندر اور مولانا صہبائی کے مختصر حالات علیحدہ لکھے جاتے ہین۔

پروفیسر رامچندر یہ قدیم دلّی کالج مین ریاضی کے مشہور پروفیسر تھے۔ ٹیلر صاحب پرنسپل کالج کے میل جول اور اثر سے عیسائی ہو گئے تھے۔ یہ اُن لوگون مین ہین جنہون نے قدیم دلی کالج کے انگریزی اسکول مین سب سے پہلے تعلیم پائی تھی۔ بہت ذکی اور ذہین آدمی تھے اُنہون نے ریاضی کا ایک نیا مسئلہ دریافت کیا تھا جسکی وجہ سے اُن کو اہل یورپ کے مشہور مہندسون مین شہرت حاصل ہو گئی تھی۔ مولوی نذیر احمد مولانا آزاد مولوی ذکاء اللہ وغیرہ ایسے مشہور مشہور لوگ اُنکے شاگرد تھے مولوی ذکاء اللہ کو علم ریاضی سے خاص مناسبت تھی اس وجہ سے وہ پروفیسر رامچندر کے بہت محبوب شاگرد تھے۔ اور اسی وجہ سے ان دونون مین ایک فنّی محبت اور ارتباط

عمر بھر قایم رہا۔

پروفیسر رامچندر کی نسبت لکھا ہے کہ نہایت بے خوف راست باز۔ راسخ الاعتقاد شخص تھے چونکہ ہندو مذہب چھوڑ کر عیسائی ہوئے تھے لہذا تمام تعلقات ذات و برادری کے منقطع ہو گئے تھے اور بڑی تکلیفین اُٹھانا پڑی تھین اور اسی وجہ سے مزاج مین ایک قسم کی سختی اور خشونت پیدا ہو گئی تھی جو کبھی کبھی مباحثے اور مناظرے کی صورت مین ظاہر ہوتی تھی مگر پھر بھی رحم دل اور معاملے کے پکے تھے۔ غدر کے زمانہ مین انکی جان خطرہ مین پڑ گئی۔ ایک شاگرد نے اس سے اونکو مطلع کیا چنانچہ وہ کچھ دن اک مکان مین چھپے رہے بعد کو بھیس بدل کر نکل گئے کچھ دنون بعد جب شہر مین امن و امان ہو گیا تو واپس آئے اور اپنی کوشش سے اپنے بعض دوستون کو بھی شہر مین بلوا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ پروفیسر صاحب ریاست پٹیالہ کے ڈائرکٹر تعلیمات ہو گئے تھے۔ وہ "تذکرۃ الکاملین" کے مصنف ہین جس مین روم اور یونان کے مشہور فلاسفرون اور شعرار کے مختصر حالات انگریزی اور عربی کتابون سے اخذ کر کے لکھے ہین یہ کتاب سب سے پہلے سنہ ۱۸۴۵ء مین چھپی تھی بعد کو سنہ ۱۸۷۸ء مین مطبع منشی نولکشور مین چھپی۔ اس مین بعض انگریزی شعراء اور فلسفی بعض فارسی شعرار اور بعض مشہور اہل ہند مثلاً والمیک شنکراچارج اور بھاسکر جوتشی کے حالات بھی درج ہین۔ پروفیسر صاحب "اصول علم ہیئت" اور "عجائب روزگار" کے بھی مصنف ہین۔ یہ کتابین سنہ ۱۸۴۵ و ۱۸۴۶ء مین تیار ہوئی تھین انکی زبان بہت صاف اور سلیس ہے اور انکے نثر کے نمونے مولوی غلام یحییٰ صاحب تنہا نے اپنی کتاب "سیر المصنفین" مین دیے ہین۔

مولوی امام بخش صہبائی صہبائی قدیم دلّی کالج مین فارسی اور عربی کے پروفیسر بہت روشن خیال اور اخلاقی جراُت کے آدمی تھے۔ زبان فارسی مین انکو کمال حاصل تھا اور اُس زمانہ مین بھی جبکہ فارسی کا دور دورہ تھا اک خاص عزت اور قدر کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اُنھون نے سر سید مرحوم کو "آثار الصنادید" کی تصنیف مین بہت مدد دی تھی۔ طلبہ مین بہت ہر دلعزیز تھے اور انکی قابلیت اور شہرت کا طلبہ کے دل پر بڑا اثر تھا۔ فن شعر مین استاد مشہور تھے اور قلعہ کے اکثر

شاہزادے اور متوسلین اُن سے اصلاح لیا کرتے تھے متعدد کتابین اُن سے یادگار ہین۔ زمانہ غدر مین مارے گئے اور ان کا مکان کھود کر زمین کے برابر کر دیا گیا۔

مولوی غلام امام شہید — مولوی غلام امام شہید شاہ غلام محمد کے بیٹے امیٹھی ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ لکھنؤ کے نام بر آوردہ شاعرون مین ہین چونکہ نعت بہت کہتے تھے اس وجہ سے مداح نبی اور عاشق رسول کے لقب سے مشہور ہین قتیل و مصحفی سے اصلاح لیتے اور فارسی نظم و نثر مین آغا سید اسمعیل مازندرانی کے شاگرد تھے۔ الہ آباد مین پیشکار تھے ملازمت سے دستکش ہونیکے بعد ریاست حیدر آباد سے اک معقول رقم بطور وظیفہ کے آخر عمر تک ملتی رہی نواح لکھنؤ حیدر آباد دکن، مراد آباد، رام پور، اور آگرہ مین کثرت سے شاگرد چھوڑے۔ سر سالار جنگ اوّل، نواب کلب علیخان اور دیگر رؤسا عہد انکی بڑی عزت کرتے تھے "مجموعہ میلاد شریف" "انشاء بہار بیخزان" اور چند قصائد و غزلیات ان سے یادگار ہین تاج گنج آگرہ کا حال پرانے رنگ کی نثر مین انھون نے خوب لکھا ہے۔

منشی غلام غوث بیخبر — خواجہ غلام غوث بیخبر کا اصل وطن کشمیر تھا جہان انکے بزرگ معزز عہدون پر ممتاز تھے۔ انکے والد خواجہ حضور اللہ کشمیر سے تبت اور وہانسے نیپال آئے جہان خواجہ غلام غوث کی ولادت ۱۲۴۰ھ مین ہوئی۔ یہ اپنے والدین کے ساتھ بہت کم سنی مین جبکہ انکی عمر صرف چار برس کی تھی بنارس آئے یہان کچھ قدیم رنگ کی تعلیم حاصل کر کے ۱۸۳۰ء مین اپنے ماموں خان بہادر مولوی سید محمد خان کی ماتحتی مین جو نواب لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی کے میر منشی تھے ملازم ہو گئے۔ وہ لارڈ النبرا گورنر جنرل کی ہمراہی مین قلعہ گوالیار کی جنگ مین بھی شریک ہوئے تھے اور بعد اختتام جنگ ایک اعزازی خلعت سرکار سے عنایت ہوا تھا۔ اپنے ماموں کے انتقال کے بعد انکے عہدۂ میر منشی پر فائز ہوئے جہان عرصہ دراز تک نہایت قابلیت کے ساتھ خدمات منصبی انجام دیکر ۱۸۸۵ء مین ملازمت سے کنارہ کش ہوئے۔ خواجہ صاحب کو علاوہ خطاب خان بہادری کے بہت سے

انعامات اور خلعت و طلائی تمغہ قیصر ہند سرکار سے عنایت ہوا تھا۔ مرزا غالب کے بڑے دوستون مین تھے
چنانچہ مرزا کے اکثر دلچسپ خطوط انکے نام "اردوے معلے" اور "عود ہندی" مین موجود ہین "فغان بیخبر" اور "خوننابہ جگر" انکی
گران بہا تصانیف ہین۔ ۱۹۰۸ء مین بہت کبرسنی مین انتقال کیا۔ انکی تقریظ شہید کی "بہار بیخزان" پر
پرُ اسے طرز اور خوشامدانہ رنگ مین ہے۔ خواجہ صاحب عام طور پر صاف اور سلیس نثر لکھتے تھے مگر
تقریظون وغیرہ مین وہی قدیم رنگ برتتے تھے یعنے مقفی اور مسجع عبارت فارسی کی تقلید مین۔

شمس العلما رسید علی بلگرامی شمس العلماء ڈاکٹر سید علی بلگرامی۔ بلگرام کے ایک مشہور خاندان کی آپ یادگار
تھے جو علم وفضل کے لحاظ سے بہت معزز وممتاز تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف ہندوستان مین ایک نمایان
شہرت اور قابلیت سے تعلیم ختم کرکے تکمیل کے لئے انگلستان گئے جہان آپنے ہندوستان سے بھی
زیادہ شہرت اور کامیابی حاصل کی۔ آپ کے اخراجات سفر کے متکفل سر سالار جنگ بہادر تھے آپ
کو مختلف زبانین سیکھنے کا خاص شوق تہا چنانچہ۔ عربی و فارسی و سنسکرت مین کامل مہارت حاصل
کرنے کے علاوہ یورپ کی مختلف زبانین اور نیز ہندوستان کی اکثر زبانین مثلاً بنگلہ مرہٹی تلنگی خوب
جانتے تھے۔ آپ کی شہرت زیادہ تر آپکی مشہور کتب "تمدن عرب" اور "تمدن ہند" سے ہے۔ جس
مین اول الذکر فرنچ مستشرق لیبان کی مشہور کتاب کا ترجمہ ہے۔ آپنے ایک ڈاکٹری کتاب کا بھی
ترجمہ کیا ہے۔ علاوہ تصنیف وتالیف کے آپ علیگڈہ کالج کے معاملات مین بھی بہت دلچسپی لیتے
تھے آپ مذکورہ بالا دونون کتابون کی وجہ سے مصنفین زبان اردو کی صف اول مین جگہ پانیکے مستحق
ہین کیونکہ یہ دونون کتابین علمیت اور قابلیت کے علاوہ آپکی قدرت زبان پر پوری گواہی دیتی ہین۔

سید حسین بلگرامی آنریبل نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی سی۔ آئی۔ ای۔ ڈاکٹر سید علی بلگرامی مذکورۂ بالا
کے برادر بزرگ ہین اور گوکہ علمی اور ادبی قابلیت مین چھوٹے بھائی بڑے بھائی پر فوقیت رکھتے ہون مگر پلک
اور سیاسی زندگی مین نواب صاحب کو ڈاکٹر صاحب موصوف پر یقیناً فضیلت حاصل ہے آپ ایک عرصہ
دراز تک حیدرآباد دکن مین دولت آصفیہ کے اکثر معزز عہدون پر ممتاز رہکر سکرٹری آف اسٹیٹ ہند
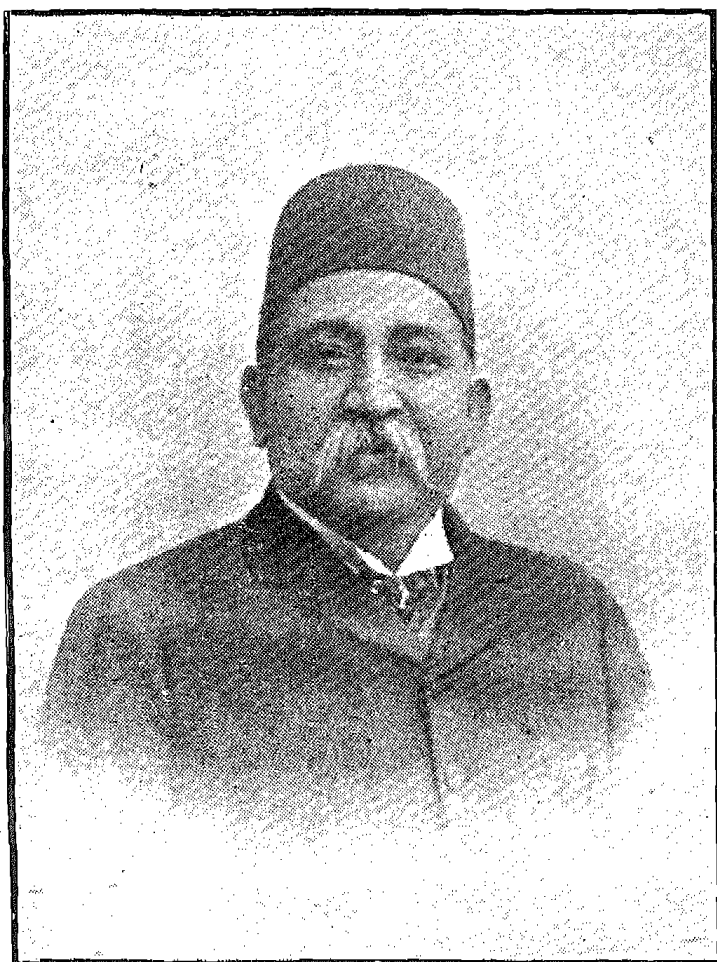
شمس العلما ڈاکٹر مولوی سید علی بلگرامی

مولوی محمد عزیز مرزا - بی اے - ایم آر - اے - ایس

کی کونسل مین منتقل ہوگئے۔ افسوس ہے کہ آپنے تصنیف و تالیف کے میدان مین کوئی معرکۃ الآرا یادگار نہین چھوڑی۔ صرف چند مضامین اور وہ اڈریس جو علی گڈہ ایجوکیشنل کانفرنس مین پڑھے گئے تھے اور رسائل عماد الملک کے نام سے چھپ گئے ہین ادبی دنیا مین شہرت رکھتے ہین۔ یہ کتاب تقریباً چار سو صفحہ کی ہے اور اس کے اکثر مضامین سے علی الخصوص ترقی تعلیم کے مضامین سے آپ کی قیمتی رائین بخوبی ظاہر ہوتی ہین۔ "ہوا اور پانی" کا مضمون علی الخصوص بہت عمدہ اور قابل قدر ہے۔ اور سائنٹفک ہونیکے باوجود غیر ضروری اصطلاحات سے پاک ہے۔ دائرۃ المعارف کا قیام جس کا مقصد کمیاب اور مفید عربی کتابون کا شایع کرنا تھا آپ ہی کی مبارک کوششون کا نتیجہ ہے۔ آپ نے بہت کچھ وقت قرآن شریف کے انگریزی ترجمہ پر بھی صرف کیا مگر افسوس ہے کہ وہ ناتمام رہا۔

مولوی عزیز مرزا مولوی عزیز مرزا بی اے اس زمانہ کے نہایت قابل اور مشہور نثارون مین شمار کیے جاتے تھے ۱۸۸۸ء مین علی گڈہ کالج سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کر کے حیدرآباد مین ملازمت اختیار کی یہان مختلف جگہون پر رہنے کے بعد ہوم سکریٹری کے جلیل القدر عہدے پر فائز ہوئے یہ نہایت قابل تعریف بات ہے کہ وہ اپنے عہدہ کے اہم فرائض منصبی کی انجام دہی مین بھی اتنا وقت نکال لیتے تھے جس کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف اور مشاغل علمیہ مین صرف ہوتا تھا۔ تصانیف حسب ذیل ہین (۱) نواب فتح نواز جنگ مولوی مہدی حسن کے انگریزی سفرنامہ انگلستان کا ترجمہ جو "گلگشت فرنگ" کے نام سے مشہور ہے (۲) شاہان بہمنی کے مشہور وزیر خواجہ جہان عماد الدین محمود گاوان کے حالات زندگی موسوم بہ "سیرۃ المحمود"[۱] (۳) کالیداس کا مشہور ڈراما "وکرم اروسی" کا اردو ترجمہ۔ جسکے شروع مین ایک فاضلانہ مقدمہ ہے جس مین سنسکرت ڈراما کی اصل اور نوعیت کے متعلق بہت سی مفید باتین لکھی ہین۔ انکو پرانے سکّے جمع کرنیکا بھی بہت شوق تھا چنانچہ اُنکا مجموعہ سکہ جات بہت اعلیٰ کا خیال کیا جاتا تھا۔ اکثر جرائد اور اخبارات مین جو مضامین لکھتے تھے وہ "خیالات عزیز" کے نام سے

[۱] اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن عکسی تصاویر اور نقشون کے ساتھ مصنف مرحوم کے لائق فرزند کی طرف سے نظامی پریس بدایون سے حال مین شائع ہوا ہے ۱۲۔

شایع ہوگئے ہین۔ انکو بھی علی گڈھ کالج کی ترقی بلکہ عموماً مسلمانون کی ترقی تعلیم سے بڑی دلچسپی تھی ۱۹۰۹ء مین ملازمت سے کنارہ کش ہوکر آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سکرٹری ہوگئے تھے جس مین نہایت ہوشیاری اور قابلیت سے اپنے فرائض منصبی انجام دئے تھے۔ اُن کا انتقال ۱۹۱۲ء مین ہوا۔ طرز تحریر نہایت سلیس اور دلکش ہے۔ بیجا لفاظی اور تطویل سے بہت بچتے ہین۔ اپنے زمانہ کے مشہور نثر نگارون مین خیال کئے جاتے تھے۔

مولوی عبدالحق سکرٹری انجمن ترقی اُردو

زمانۂ موجودہ کے مشہور افاضل اور مصنفین مین مولوی عبدالحق صاحب قابل مدیر رسالہ "اُردو" اور آنریری سکرٹری انجمن ترقی اُردو کا اسم گرامی خاص طور پر نمایان ہے۔ سچ پوچھئے تو جس قدر زبان اُردو کی ترویج و ترقی اس وقت دکن مین ہے وہ آپ ہی کی ذات بابرکات کی بدولت ہے۔ آپ ہی انجمن مذکور کے روح روان اور آپ ہی کے ہاتھ مین اسکے کل کاروبار کی عنان ہے۔ انجمن نے آپ ہی کے زیر ہدایت و سرپرستی نہایت مفید اور عمدہ کتابین خواہ از قسم تالیفات یا تراجم بکثرت شایع کی ہین اور اکثر مطبوعات انجمن پر جو مفید اور فاضلانہ مقدمے اور دیباچے ہین وہ آپ ہی کے رشحات قلم کے نمونے ہین جنسے آپ کی تحقیقات علمیہ اور معلومات کا پورا پتہ چلتا ہے۔ انکے علاوہ جو مضامین آپ رسائل وغیرہ مین لکھتے رہتے ہین وہ بھی نہایت موقر اور پرُاز معلومات ہوتے ہین۔ الحق آپ کی ذات ہمارے لئے بہت غنیمت اور یقیناً آپ کی شخصیت بہت زبردست ہے۔ آپ نے تمام عمر ادب اُردو کی خدمت مین صرف کردی اور اسی کی بدولت ہمکو آج یہ دن نصیب ہوا کہ صدہا پرُانے قلمی نسخے جو گوشۂ گمنامی مین پڑے پڑے ضایع ہوجاتے آج زیب قرطاس ہوکر ہماری آنکھون کو روشن کر رہے ہین اور قدیم تاریخ نظم و نثر اُردو سے جسقدر ہم اسوقت بہرہ مند ہین وہ بھی زیادہ تر آپ ہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے ایک عرصہ دراز تک آپ نے نظام گورنمنٹ کے محکمہ تعلیم مین کام کیا۔ مثل اکابر سلف کے آپ حد درجہ منکسر المزاج اور خاموش کام کرنیوالون مین ہین اور اسی وجہ سے اپنے زندگی کے حالات تک دینے سے گریز فرماتے ہین۔ قوت نقد آپ مین بہت زبردست ہے

اور آپ کی تنقیدات ہمیشہ غیر جانبدارانہ اور منصفانہ ہوتی ہین - اُردو نثارون مین آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے اور سب سے بڑی خوبی آپ کی تحریر مین یہ ہے کہ آپ کبھی عمدہ ہندی الفاظ کو نہین چھوڑتے بلکہ اُن کو اپنی عبارت مین نہایت خوبی اور استادی کے ساتھ کھپاتے جاتے ہین - البتہ آپ کی عبارت کا مثل مولانا آزاد وغیرہ کے کوئی خاص طرز نہین جو لوگ آزاد کے طرز اور اُن کی شوخیون کو پسند کرتے ہین انکو ضرور آپ کی عبارت روکھی پھیکی اور بے مزہ معلوم ہوگی - مگر اس سے کسی کو انکار نہو گا کہ آپ کو زبان پر پوری طرح قدرت حاصل ہے - ہمارے نزدیک آپ کی تحریر کا رنگ اگر کسی سے ملتا ہے تو وہ مولانا حالی ہین بلکہ زمانہ حال کی ضروریات اور جدت طرازیون کا لحاظ رکھا جائے تو اُن پر آپ سبقت لیگئے ہین - علاوہ دیگر کمالات کے جس سے آپ متصف ہین سب سے بڑی صفت آپ مین یہ ہے کہ آپ نے اس عہد مین اپنے اثر سے لوگون کے دلون مین زبان کا خاص شوق پیدا کر دیا ہے -

مولوی وحیدالدین سلیم مثل مولوی عبدالحق صاحب کے مولوی سید وحیدالدین صاحب سلیم بھی زمانہ موجودہ کے نامور نثارون اور محسنین زبان اُردو مین ہین - آپ مشہور خاندان سادات سے ہین جنہون نے پانی پت مین توطن اختیار کر لیا تھا جہان آپکے پدر بزرگوار حاجی مولوی فریدالدین صاحب کو شاہ شرف بوعلی قلندر کے مزار پر انوار کی تولیت کا شرف حاصل تھا - مولوی صاحب موصوف ابتدائی تعلیم سے فراغت حاصل کر کے لاہور گئے جہان آپنے ادب عربی کی تکمیل مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے کی اور معقول و منقول مولانا عبداللہ ٹونکی سے پڑھا - زبان انگریزی مین انٹرنیس کا امتحان پاس کیا اور فارسی مین منشی فاضل کا درجہ حاصل کیا - ابتدا مین قانون کی طرف کچھ میلان خاطر تھا مگر اس خیال کو ترک کر کے ریاست بہاول پور مین صیغہ تعلیم مین کوئی جگہ حاصل کی جہان کچھ عرصہ تک قیام کر کے رام پور ہائی اسکول کے ہیڈ مولوی ہوگئے مگر تھوڑے سے ہی عرصہ کے بعد آپ کے قدردان و مربی جنرل عظیم الدین خان کے قتل کا ناگوار واقعہ پیش آیا تو ترک تعلق کر دیا - کچھ دنون اپنے وطن پانی پت مین مطب بھی کھولا تھا اور ایک دواخانہ بھی قایم کیا تھا -

اسکے بعد مولانا حالی کی وساطت سے سرسید مرحوم کی خدمتمین باریابی ہوئی وہ آپ کو دیکھکر بہت خوش ہوئے اور آپ کی وجاہت اور قابلیت کا انکے دل پر بہت اثر ہوا۔ سیلم صاحب سرسید کے پرائیوٹ سکریٹری ہوگئے اور عام طور پر انکی تصنیفات اور مضمون نگاری مین اعانت کرنے لگے۔ سید صاحب کے ساتھ انکے مرتے دم تک رہے۔ اُس کے بعد اپنا رسالہ "معارف" نکالا جو کچھ عرصہ تک کامیابی سے چلا پھر نواب محسن الملک کے اصرار سے علی گڑھ گزٹ کے اڈیٹر ہوگئے مگر تھوڑے دنون بعد بوجہ علالت کے اسکو ترک کر دیا۔ اسکے بعد مسلم گزٹ لکھنؤ کے اڈیٹر ہوئے مگر مسجد کانپور کے ہنگامے کے متعلق کچھ تیز مضامین لکھنے کی وجہ سے یہ جگہ بھی چھوڑنا پڑی پھر اخبار زمیندار کے اسٹاف مین بحیثیت چیف اڈیٹر داخل ہوئے لیکن جب اسکی ضمانت ضبط ہوگئی تو اُن کو بھی اپنے تعلقات اخبار سے منقطع کرنا پڑے۔ انکی مضمون نگاری اور ترجمہ کی شہرت نے حیدرآباد کے دارالترجمہ کیطرف انکو گھسیٹا جہان انکی مشہور کتاب "وضع اصطلاحات" تصنیف ہوئی جب عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام ہوا تو پہلے وہ اسسٹنٹ پروفیسر اردو مقرر ہوئے مگر چار برس کے بعد پورے پروفیسر ہو گئے۔

آپ کا طرز تحریر نہایت زوردار سلیس اور معنی خیز ہے کہین کہین آپ جذبات نگاری سے بھی کام لیتے ہین۔ آپ اس زمانہ کے اکثر مشہور جرائد اور رسائل مین مفید مضامین لکھتے رہتے ہین علی الخصوص آپ کے مضامین "تلسی داس کی شاعری"، "الدوڈیو مالا" اور "عرب کی شاعری" جو رسالہ "اردو" مین چھپے تھے نہایت اعلیٰ درجے کے اور قابل پڑھنے کے ہین۔ ایک بڑی صفت آپ کی تحریر مین یہ ہے کہ آپ غیر مانوس فارسی اور عربی الفاظ کے زیادہ شایق نہین بلکہ مثل مولانا حالی کے ہندی کے شیرین اور سریلے الفاظ اپنی تحریرون مین بے تکلف استعمال کرتے ہین۔ آپ کی قابل قدر تصنیف "وضع اصطلاحات" نہایت مفید اور اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے جس سے آپ کے تبحر علمی اور تحقیق کا پتہ چلتا ہے۔ اسمین زبان اردو کی اصل کا نہایت غور سے مطالعہ کیا گیا ہے اور جدید سائنٹفک اور ٹکنیکل الفاظ اور محاورات وضع کرنیکے لئے نہایت مفید قواعد قائم کئے ہین۔[1]

---

[1] افسوس ہے کہ مولوی صاحب موصوف کا ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ انتقال ہوگیا ۱۲

شیخ عبد القادر

شیخ عبد القادر صاحب زبان اور ادب اُردو کے مستقل محسنون مین ہین۔ اب سے تقریبًا باون ۵۲ ترپن ۵۳ برس پیشتر لدھیانہ مین پیدا ہوئے جہان آپکے اسلاف قانون گویون کے معزز خدمات انجام دیتے تھے۔ آپ کے والد شیخ فتح الدین لدھیانہ کے محکمہ مال مین ملازم تھے۔ جبوقت اُن کا انتقال ہوا شیخ صاحب کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی۔ زمانہ طالب علمی نہایت ناموری اور کامیابی سے ختم کرکے ۱۸۹۴ء مین فورمین کرسچین کالج لکھنؤ سے بی اے کی ڈگری اوّل درجہ مین حاصل کی جسکے بعد پنجاب "آبزرور" کے اڈیٹوریل اسٹاف مین داخل ہوئے اور ۱۸۹۵ء مین چیف اڈیٹر ہوئے ۱۹۰۴ء مین اخبار سے تعلق ترک کرکے بیرسٹری کیواسطے انگلستان روانہ ہوئے جہان حسب معمول تین برس رہے اور اسی عرصہ مین ولایت کے اکثر مشاہیر سے ملنے اور پبلک معاملات کو بغور مطالعہ کرنیکا خوب موقع ملا۔ بعد حصول ڈگری اکثر ممالک یورپ اور بلاد اسلامی کا سفر کیا جس سے معلومات مین اضافہ اور خیالات مین بہت کچھ ترقی ہوئی۔ ہندوستان واپس آکر پہلے دہلی مین کام شروع کیا تھا مگر دو برس بعد لاہور آگئے۔ ۱۹۱۱ء مین لائل پور مین سرکاری وکیل اور پبلک پراسیکیوٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۰ء مین یہ عہدہ ترک کرکے لاہور مین پھر بیرسٹری شروع کی اور اب ان کا شمار درجۂ اول کے بیرسٹرون مین ہونیلگا۔ ۱۹۲۱ء مین ہائی کورٹ کے جج عارضی طور پر ہوئے اور پھر ایک سال تک اڈیشنل جج بھی رہے۔ ۱۹۲۳ء مین لیجسلیٹو کونسل پنجاب کے ممبر منتخب ہوئے اور پھر ڈپٹی پریسیڈنٹ اور پریسیڈنٹ بھی ہوگئے۔ ۱۹۲۵ء مین پنجاب کے وزیر تعلیمات مقرر ہوئے اور ۱۹۲۶ء مین لیگ اقوام کے ساتوین اجلاس مقام جنیوا مین ہندوستان کی طرف سے بحیثیت ڈیلیگیٹ شریک ہوئے۔ ان مناصب جلیلہ اور ادبی خدمات سے صاف ظاہر ہے کہ جسقدر امیدین آپکے کامیاب زمانہ تعلیم مین آپکی ذات سے وابستہ تھین وہ سب پوری ہوئین۔

شیخ صاحب کو زبان اُردو کے ساتھ ایک خاص عشق ہے جب آپ انڈر گریجویٹ تھے تو آپنے اسی زمانہ مین ایک سلسلہ لکچر زبان انگریزی مین زمانہ حال کے اُردو شعرا اور نثارون پر دینا شروع کیا تھا جو ۱۸۹۸ء مین کتاب کی صورت مین شایع ہوا اور پبلک مین بہت مقبول ہوا۔ پنڈت بشن نراین

آنجہانی نے بھی اُس کی بڑی تعریف کی تھی گو کہ اُسکے بعض نتایج اور رایون سے انکو اختلاف بھی تھا۔

سنہ ۱۹۰۱ع مین اُردو کا مشہور و معروف ماہواری رسالہ "مخزن" جاری ہوا جس نے ادبِ اردو کی نہایت بیش بہا اور قابل قدر خدمات انجام دین اور فی الحقیقت ہماری زبان پر اُسنے اپنا سکہ جما دیا اس رسالہ کے اکثر مضمون نگارون کو خاص شہرت حاصل ہوئی سنہ ۱۹۱۱ع تک شیخ صاحب ہی اُسکے ایڈیٹر تھے بلکہ سنہ ۱۹۲۰ع تک وہی اُسکے آنریری اڈیٹر رہے۔ اس رسالہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اس کے اکثر مضامین اس قدر مشہور و مقبول ہوے کہ کتاب کی صورت مین شایع ہو کر داخل کورس ہوے۔

سنہ ۱۹۱۱ع مین شیخ صاحب نے "اردو کانفرنس" کے اجلاس کلکتہ مین صدارت کی تھی اور بالفعل آپ "انجمن ارباب علم لاہور" کے صدر ہین۔

پنڈت منوہر لال زتشی

پنڈت صاحب سنہ ۱۸۷۶ع مین بمقام فیض آباد پیدا ہوے جہان آپ کے والد پنڈت کنہیالال زتشی پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ مین ملازم تھے۔ آپ کے والد کا انتقال سنہ ۱۸۸۰ع مین ہوگیا سنہ ۱۸۹۴ع مین آپ نے بی۔ اے کی ڈگری کیننگ کالج لکھنؤ سے حاصل کر کے سنہ ۱۸۹۷ع مین امتحان ٹرینینگ نہایت عزت کے ساتھ پاس کیا۔ پہلے کسی اسکول مین ٹیچر ہوے پھر سنہ ۱۹۰۲ع مین امتحان ایم اے سے فراغت کر کے (جس مین آپ اول ہوے تھے) سنہ ۱۹۰۲ع سے سنہ ۱۹۱۱ع تک ٹرینینگ کالج الٰہ آباد کے پروفیسر رہے اور اسی عرصہ مین آپ اکثر مضامین انگریزی ہندوستان ریویو کو اور اردو مضامین زمانہ' ادیب' اور کشمیری درپن کو بھیجتے رہے سنہ ۱۹۱۲ع مین ہیڈ ماسٹری کے بعد انسپکٹر مدارس ہوے ایک سال رجسٹرار بنارس یونیورسٹی اور ایک سال پرنسپل ٹرینینگ کالج الٰہ آباد بھی آپ رہ چکے ہین سنہ ۱۹۱۹ع مین لوکل گورنمنٹ کے انڈر سکرٹری اور سنہ ۱۹۲۱ع مین ایک سال کیواسطے قایم مقام اسسٹنٹ ڈائرکٹر صیغۂ تعلیم رہے۔ بالفعل آپ جوبلی کالج لکھنؤ کے پرنسپل ہین۔ گلدستۂ ادب' اور "ایجوکیشن ان برٹش انڈیا" (تعلیم برٹش انڈیا مین) آپ کی تصانیف سے ہین۔ اسکے علاوہ آپنے مرزا غالب اور چکبست وغیرہ پر نہایت فاضلانہ مضامین بھی لکھے ہین اور اکثر ادبی مباحثون مین نہایت ذوق و شوق سے حصہ لیا ہے آپ کو

کتب بینی کا بیحد شوق ہے اور ناقد بھی آپ اعلیٰ درجہ کے ہین - آپ کے ریویو نہایت منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہوتے ہین کبھی کبھی آپ نظم اردو کے پُرانے رنگ سے ناراض ہوکر زمانۂ حال کے زبردستی کے شاعرون کی خوب خبر لیتے ہین -

---

منشی دیانرائن نگم | دنیائے جریدہ نگاری مین منشی دیانرائن نگم کے نام سے کون ناواقف ہے - ۱۸۸۲ء مین بمقام کان پور ایک معزز کایستھ خاندان مین آپ پیدا ہوے - آپ کے دادا منشی شیو سہائے صاحب اک مشہور وکیل اور وائس چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ تھے نگم صاحب ۱۸۹۹ء مین کرائسٹ چرچ کالج کانپور مین داخل ہوئے اور ۱۹۰۳ء مین بی اے کی ڈگری حاصل کی - اور اسی سال اپنا مشہور پرچہ "زمانہ" نکالا جو اب تک بفضلہ نہایت کامیابی سے جاری ہے - ۱۹۱۲ء مین "آزاد" جاری کیا جو چند روز روزانہ رہکر اب ہفتہ وار ہوگیا ہے - ۱۹۱۵ء مین آپ آنریری مجسٹریٹ ہوئے -

بالفعل آپ مختلف مصروفیتون کے مرکز ہین جسمین معاشرتی سیاسی، علمی، ادبی، تعلیمی، اخباری، غرضکہ ہر قسم کے مشاغل اور مصروفیتین شامل ہین - سوشل رفارم (اصلاح معاشرت) کے معاملات مین آپ نہایت روشن ضمیر اور آزاد خیال - اور سیاسیات مین آپ اعتدال پسند ہین تعلیمی اور ادبی مشاغل مین خاصکر آپ کو توغل ہے اور بحیثیت اک مدیر اور جریدہ نگار کے تو آپ ہمارے نوجوانون کے لئے خضر طریقت ہین کہ وہ آپ کی مثال کو دیکھین اور آپ کی کامیابی سے سبق حاصل کرین - آپ نے اپنی پوری عمر اپنے پیارے "زمانہ" کی بہبودی اور ترقی مین صرف کردی اسی وجہ سے وہ عرصہ زائد بیس سال سے اس نمایان کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے - "زمانہ" ہمارے صوبہ کا بہت پُرانا ماہوار رسالہ ہے اور اس کا شمار اردو کے ان مخصوص چند پرچون مین ہے جو فی الواقع زبان کی سچی خدمت کرتے ہین - اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس مین قابل ہندو اور مسلمان دونون بلاتفریق مذہب و ملت مضامین لکھتے ہین اسکی تنقیدین نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہین اور اس مین معاشرتی اور سیاسی مضامین پر ایسے اہل قلم کے مضامین درج ہوتے ہین جو اپنے اصابت رائے

کیواسطے مشہور ہین۔ خود منشی صاحب کے مضامین جب کبھی نکلتے ہین نہایت نچے تُلے اور غیر جانبدارانہ ہوتے ہین مگر ہمکو افسوس اور شکایت ہے کہ اُنکے مضامین سے پرچہ زیادہ تر فیضیاب نہین ہوتا۔ منشی صاحب ہندوستانی اکاڈیمی کے ایک پُرجوش اور سرگرم ممبر بھی ہین۔

لالہ سری رام دہلوی۔ ایم۔ اے

لالہ سری رام صاحب اک مشہور خاندان سے تعلق رکھتے ہین جسکی شہرت اور عظمت کیواسطے یہ کیا کم ہے کہ اُس کا سلسلہ جاکے اکبر کے مشہور وزیر راجہ ٹوڈرمل سے ملجاتا ہے لالہ صاحب کے آبا و اجداد سلاطین مغلیہ کے عہد مین ہمیشہ معزز و ممتاز رہے ہین۔ آپ کے بزرگوار آنریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب۔ ایم۔ اے۔ بیرسٹر ایٹ لا کے اسم گرامی سے دلّی اور لاہور کا بچہ بچہ واقف ہے اور آپ کے عم نامدار رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب آشوب کو کون نہین جانتا کہ اک مشہور و معروف اُستاد اور ماہر فن تعلیم صوبہ پنجاب مین گذرے ہین اور خواجہ الطاف حسین حالی اور مولوی محمد حسین آزاد کے معاصر اور دوست تھے لالہ صاحب موصوف ۱۸۷۵ع مین دلی مین پیدا ہوئے اور وہین ابتدائی تعلیم سے فراغت کرکے بارہ برس کی عمر مین والد کے ہمراہ لاہور گئے ۱۸۹۵ع مین۔ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور ۱۸۹۷ع مین۔ ایم۔ اے۔ اور منصفی کا امتحان پاس کرکے منصف مقرر ہوئے اور لاہور امرتسر دلّی وغیرہ کی کرسی منصفی کو چند سال تک زینت دیتے رہے مگر دمہ کے موذی مرض مین مبتلا ہوجانیسے ۱۹۰۱ع مین سرکاری ملازمت ترک کرنا پڑی اور علمی مشاغل اور اپنی وسیع ریاست کے اہتمام و انتظام مین ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ آپ اک اعلی درجہ کی علمی قابلیت رکھنے کے علاوہ نہایت خوش تقریر خلیق اور ملنسار واقع ہوئے ہین اور آپ کا خاندان ہمیشہ سے علم و فضل امارت و سخاوت اور پبلک خدمات کیواسطے ضرب المثل ہے اور اسپر مولانا جامی کا یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے ؎

این سلسلہ از طلاے ناب است　　این خانہ تمام آفتاب است

تذکرۂ ہزار داستان المعروف بہ خمخانۂ جاوید

لالہ سری رام صاحب اس عدیم المثال تذکرہ کے مصنف ہین جو افسوس ہے کہ آپکے اتمام کو نہین پہونچا یعنی اس کی چار ضخیم جلدین چھپ گئی ہین اور تقریبًا چار ابھی باقی ہین ۔ یہ شعرا ارد و کے حالات کا خزانہ اور اُن کے منتخب کلام کا مجموعہ ہے اور اسکو بالاستیعاب مطالعہ کرنیسے سمجھ مین آسکتا ہے کہ اس کے ترتیب اور تدوین مین کسقدر وقت اور روپیہ صرف ہوا ہوگا اور کس قدر تحقیق و تلاش اور کس قدر محنت کرنا پڑی ہوگی ۔ اس کی ابتدا کے حالات فاضل مصنف نے جلد اول کے دیباچہ مین مفصل طور پر بیان کئے ہین ۔ اسکی چار جلدین سنین ذیل مین شایع ہوئین یعنی جلد اوّل سنہ ۱۹۰۶ء جلد دوم سنہ ۱۹۱۰ء جلد سوم سنہ ۱۹۱۵ء اور جلد چہارم سنہ ۱۹۲۶ء مین اس لاجواب تذکرہ کو اگر معلومات کی کان کہین تو بجا ہے اور اگر اسکو تاریخ الشعرا کی جان سمجھین تو زیبا ہے ۔ اس نے صدہا بھولے بھٹکے شاعرون کو روشناس خلق کیا جس مین بعض ایسے بھی ضرور ہین کہ جن کا کلام ہم تک نہ پہونچتا تو کوئی زیادہ حرج نہ تھا ۔ انداز بیان اس کا اس قدر متین اور مہذب ہے کہ اچھون کا تو ذکر کیا برُون کو بھی اچھا کر دکھایا ہے ۔ بعض جگہ کچھ غلط بیانیان بھی ہوگئی ہین مثلًا شاہ ولی اللہ صاحب کو شاعر دکھایا ہے اور اُن کا تخلص اشتیاق تبایا ہے جسکی غلطی سے مولانا حالی نے متنبہ کر دیا ۔ اسی طرح تعشق کو اُنس کا بیٹا تبایا اور اس غلطی کو منشی حسن مرزا اشر لکھنوی نے اپنی فاضلانہ تقریظ مین درست کر دیا ۔ مگر انسان انسان ہے اور "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان" مشہور ہے ۔ فاضل مصنف نے انتخاب کلام مین واقعی کمال دکھایا ہے کہ ہر شاعر کے صرف چوٹی کے اشعار منتخب کئے جو فی الواقع بڑی سلامتی مذاق اور صابت رائے کی دلیل ہے ۔ عبارت اسقدر سلیس اور بامحاورہ فصیح و بلیغ کہ چشم بد دور کہنے کو جی چاہتا ہے اور مضامین اس درجہ اعلی و ارفع کہ نور علی نور کہنے کو جی چاہتا ہے ۔ اتمام و اختتام کے بعد یہ تذکرہ بے نظیر و بے عدیل الحق ہوگا اور نظم اردو کا انسائیکلوپیڈیا یعنی قاموس الاعظم کہلائے جانیکا بے شک مستحق ہوگا اور کیون نہ ہو یہ قابل مصنف لالہ سری رام صاحب کی عمر بھر کی محنت اور ہمارے عہد کی بہترین ادبی خدمت ہے ۔ تمام تذکرہ نویس اس زمانہ کے اس کے مرہون منت اور خوشہ چین ہین اور سب سے بڑھکر مولف کتاب ہذا بالیقین ہے ۔ اگر کسی کو تقریظون کی بہار اور ریویو کے لالی آبدار دیکھنا ہون

تو وہ اس کی جلدون کے آخری صفحات پڑھے اور دیکھے کہ کن کن لوگون نے کس کس انداز اور کس کس ادا سے نظم و نثر دونون مین کیا کیا گلفشانیان اور سحر بیانیان کی ہین۔ ہمارے نزدیک اتنی کثرت سے اور اتنے اعلیٰ درجہ کے ریویو کسی ایک کتاب پر ہرگز نہ ہوے ہونگے۔ لالہ سری رام صاحب نے ۱۸۹۸ء مین دیوان انور اور ۱۹۰۲ء مین مہتاب داغ اور ضمیمہ یادگار داغ بھی نہایت عمدگی سے شایع کیا تھا ظاہر ہے کہ ایسے جامع تذکرہ کی فراہمی کیواسطے کتنی کتابین کتنے صرف کثیر سے جمع کرنی پڑی ہونگی ع درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا۔ اسی وجہ سے موصوف کا کتب خانہ جسمین اکثر نادر قلمی کتابین اور تصاویر بھی ہین دیکھنے کے قابل ہے۔ اور آپ بالفعل اسی ادبی فضا مین بکمال فراغت ایک قابل رشک زندگی بسر کرتے ہین۔ اور خواجہ حافظ کے اس شعر کے کم از کم دوسرے مصرع کے ضرور مصداق[۱] ہین ؎

دو یار زیرک و از بادۂ کہن دو منے   فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے

دیگر نثاران اردو موجودہ زمانہ مین اردو نثارون اور ناقدان سخن کی اتنی کثرت ہے کہ ان تمام اصحاب کے مختصر حالات لکھنا بھی تطویل کا باعث ہوگا۔ لہذا یہان بعض ارباب ادب کے صرف نام بتائے جاتے ہین۔ انکے مفصل حالات معہ موجودہ شعرا کے ذکر کے ایک دوسری کتاب مین جو ہم تیار کر رہے ہین انشاء اللہ ضرور جگہ پائینگے۔

(۱) پنڈت بشن نراین در آنجہانی۔ اردو کے بڑے مبصر ہونیکے علاوہ شاعر شیرین سخن بھی تھے اردو پر اردو اور انگریزی دونون مین نہایت فاضلانہ تنقیدی مضامین لکھتے رہتے تھے۔ علی الخصوص وہ مضامین جو سرشار کے متعلق ہین۔ اور شیخ عبدالقادر کی کتاب "نیو اسکول آف اردو لٹریچر" (جدید ادب اردو) پر جو فاضلانہ تقریظ لکھی ہے نہایت دلچسپ اور معلومات سے پر ہے۔

(۲) مرزا جعفر علیخان صاحب اثر لکھنوی ڈپٹی کلکٹر زمانہ حال کے نہایت خوشگو شاعر اور قابل سخن سنج ہین۔ انکے مضامین سیر و سودا سے ہم نے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ کلام نہایت سلیس صاف اور زوردار ہوتا ہے۔

(۳) احسن مارہروی فن نقد مین بلند مرتبہ رکھتے ہین دیوان ولی کو نہایت قابلیت سے اڈٹ کیا

[۱] نہایت افسوس سے سنا جاتا ہے کہ تھوڑے عرصہ سے لالہ سری رام صاحب سخت علیل ہین خدا انکو صحت جلد عنایت کرے۔

شیخ عبدالقادر بی-اے-پی-ایچ-ڈی

لالہ سری رام صاحب ایم۔اے۔مؤلف خمخانۂ جاوید

کتاب "اُردو لشکر" بھی انکی تصنیف ہے جسمین نظم اردو کی درجہ بدرجہ ترقی کو نہایت خوبی سے دکھایا ہے خیالات آزاد اور زبان زوردار ہوتی ہے مگر بعض اوقات ذاتیات کی بحث سے بدمزگی پیدا ہوجاتی ہے جس سے ہمارے نزدیک احتراز کرنا چاہیئے۔

(۴) حامد اللہ افسر رشید احمد صدیقی۔ سید مسعود حسن رضوی۔ اور جلیل احمد قدوائی یہ سب زبان اُردو کے اعلیٰ درجہ کے ادیب اور ناقد ہین۔

(۵) اسی طرح پروفیسر نامی۔ پروفیسر ضامن علی الہ آباد یونیورسٹی کے لکچرار اُردو بھی ادب اُردو مین بڑی بصیرت رکھتے ہین۔

(۶) حسرت موہانی۔ نظم اُردو اور فن تنقید کے ایک استوار ستون ہین۔ مضامین گو کہ مختصر لکھتے ہین مگر اور تخیل اور بہت طبیعت داری کے ہوتے ہین۔

(۷) خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کثیر التصانیف ہین مختلف مضامین پر صفائی اور سلاست سے مگر عام رنگ مین لکھتے ہین۔

(۸) سلطان حیدر جوش ایک مخصوص رنگ کے نہایت عمدہ لکھنے والے ہین جنکے مضامین سے الناظر کے صفحات کو زیب و زینت ہوتی ہے۔

(۹) سجاد حیدر یلدرم۔ نثر افسانہ نما بہت خوب لکھتے ہین۔ عبارت بہت دلفریب اور رنگین ایک خاص نشتریت ہوتی ہے۔ ترکی جانتے ہین۔ اور ایک ترکی ناول اور ایک ترکی ڈرامہ موسوم بہ خوارزم شاہ کا اردو مین ترجمہ بھی کیا ہے۔ انکا مجموعہ مضامین "خیالستان" مشہور ہے۔

(۱۰) مولانا ظفر علیخان ادبی اور اخبار نویسی کی دنیا مین خاص شہرت رکھتے ہین۔ زبردست مضمون نگار اور محسن زبان ہین۔ انکی اکثر تصانیف انجمن ترقی اُردو کے ذریعہ سے چھپ چکی ہین۔ سیاسی مضامین لکھنے کا ایک خاص انداز ہوتا ہے۔

(۱۱) مولانا ہاشمی فرید آبادی۔ ادبائے دکن مین خاص طور سے ممتاز ہین۔ تصانیف بہ کثرت رکھتے ہین

(۱۲) مہدی حسن بہت اچھے لفظی مصور اور صاحب طرز تھے۔ اُنکی کتاب افادات مہدی مشہور ہے

افسوس کہ نوجوانی کی موت نے اُنکی ہونہار زندگی کو قطع کر کے آئندہ امیدون کا خاتمہ کردیا۔

جدید نثر اُردو کے دو طرز

زمانۂ حال مین نثر اُردو اتنی کثیر الاشکال ہے اور ادیبون نے اسقدر علیحدہ علیحدہ طرز انشا اختیار کیے ہین کہ اُن سب کا استقصا اور انپر رائے زنی کرنا دشوار ہے لہذا ہم یہان صرف دو طرزون کا مختصراً ذکر کرتے ہین۔

پہلا طرز۔ عربی اُردو اور اُسکے مقابلہ مین بھاشا آمیز اُردو

اکثر لوگون کا میلان طبع اس طرف ہے کہ عبارت مین مشکل اور غیر مانوس فارسی عربی الفاظ بالقصد استعمال کیے جائین۔ تاکہ عبارت شاندار اور وقیع معلوم ہو۔ ممکن ہے کہ اس طرز کی ابتدا اسطرح ہوئی ہو کہ سرسید اور انکے رفقا اور مقلدین اُنکی تقلید مین نہایت سیدھی سادی مگر زوردار عبارت لکھنے کے عادی ہو گئے تھے۔ بعد کو بعض جدت پسند طبایع کو جب وہ روکھی پھیکی بدمزہ معلوم ہونے لگی تو اُسمین رنگینیت اور علمیت کی چاشنی پیدا کرنیکے لئے عربی فارسی الفاظ کا بکثرت استعمال کیا جانا ضروری سمجھا گیا۔ گویا اس طرز کو سرسید مرحوم کے طرز کا ردعمل کہنا چاہئے۔ ہمارے خیال مین اس طرز کے مخترع مولانا ابو الکلام آزاد ہین جنھون نے اپنے مشہور اخبار الہلال مین اسکو بہت برتا۔ مولانائے موصوف مذہب اور سیاسیات پر بڑے زبردست لکھنے والو نہین ہین۔ اور خود اُنکے تحریرون مین اس قسم کی خرابیان اور لغزشین مُطلق نہین ہوتین جو انکے مقلدین کے یہان بکثرت پائی جاتی ہین جنکی عبارتین سوائے تسلسل الفاظ کے کوئی خوبی نہین رکھتین۔ یہ طرز تحریر اُس جماعت کو نہایت پسند آیا جو چاہتے ہین کہ اہل اسلام کے مختص علوم مثلاً فقہ تفسیر حدیث وغیرہ کی نشر و اشاعت ہو اور اس ذریعہ سے لوگون مین مذہبی جذبات پیدا ہون۔ اس کے بالمقابل اور اُسی کے جواب مین ایک فرقہ نے سنسکرت اور ہندی کے الفاظ بکثرت استعمال کرنا شروع کیے۔ مگر غنیمت ہے کہ اس قسم کی تحریرین خواہ وہ کیسی ہی نیک نیتی پر محمول ہون ایک مختصر جماعت تک محدود ہین۔ اور بہی خواہان اردو نے اس بدعت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔

دوسرا طرز۔ خیالی یعنے ٹیگوری اُردو

طرز مذکورۂ بالا کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا طرز بھی مروج ہے جو خیالی اُردو کہا جا سکتا ہے۔ اسکو ٹیگوری اُردو بھی کہہ سکتے ہین اسوجہ سے کہ یہ رابندر ناتھ ٹیگور کے اس طرز کا

تتبع ہے جو اُنہون نے اپنی تصانیف گیتان جلی وغیرہ مین اختیار کیا ہے - سچ پوچھئے تو یہ ٹیگور اور بعض
مشہور انگریزانشا پردازون کا حقیقی تتبع نہین بلکہ اُنکے کلام کی محض نقل ہے جسمین اُن لوگون کے محاسن
کلام مطلق نہین پائے جاتے - یہ نقال نہ تو اصلی تصوف سے واقف ہین اور نہ اُن مین حقیقی تخئیل
کی روح ہے ایسے لوگون کی انشا پردازی سوا ے چند مستثنیات کے عام طور پر بالکل خام ہوتی ہے - اسمین
کسی قسم کا ادبی حسن نہین ہوتا بلکہ زیادہ تر مبالغہ آمیز اور مطلق العنان اور سطحی ہوتی ہے - اور بعض اوقات
تو وہ مجذوب کی بڑ سے زیادہ وقعت نہین رکھتی - اِن غیر منسلک پوتون کو بسا اوقات انکے صناع
قیمتی سچے موتی خیال کرتے ہین - بعض وقت اس قسم کی تحریرین غیر مہذب بلکہ فحش درجہ تک پہونچ
جاتی ہین - اس قسم کی نثر کی ابتدا افسانہ نویسی سے ہوئی - اس سے لوگون کو بہت لطف آنے لگا
اور نئی معلومات کے راستے کھل گئے - مضامین مین وسعت اور تنوع اور عبارت مین ایک خاص شان
اور رنگینی اُس سے پیدا ہوئی - صاحب تحریر بے تکلف صاحب طرز بن بیٹھے اور اپنے مفروضہ شاعرانہ
خیالات اور شاعرانہ انداز کو بلا عروض کے جھنجھٹ کے نثر کی صورت مین اکڑ اکڑ کر دکھانے لگے تاکہ
لوگ اُن کو نثار شاعر سمجھنے لگین - اور یہ اسطرح ہوا کہ کبھی تو عبارت عربی الفاظ اور ترکیبون کا مجموعہ بنگئی کبھی
جدت کے واسطے نئے نئے الفاظ اور ترکیبین تراشی گئین اور کبھی ایک خاص زور اور انداز پیدا کرنیکے
واسطے معمولی صرفی نحوی ترکیبین الٹ پلٹ کر عبارت ایک طرفہ معجون بنائی گئی - مضامین مین بھی
علٰے ہذالقیاس عجیب وغریب تغیرات ہوے کبھی انمین جدت اور رنگینی پیدا کرنے کیواسطے مشرقی اور
مغربی (رومی اور یونانی) دیومالا چھائی گئی کبھی نیچر کی بیجان چیزین جاندار تصور کرکے اسقدر جوش و خروش
اور ایسے مصنوعی شاعرانہ جذبات کے ساتھ اُنسے تخاطب کیا گیا کہ بعض اوقات اُسکو پڑھکر یا سنکر
بے اختیار ہنسی آتی ہے اور وہ ایک جھوٹی نمائش اور شعبدہ بازی سے زیادہ وقعت نہین رکھتی ایسے
مضامین اور ایسی عبارت البتہ ایک استاد کے قلم سے تو فی الواقع رنگ و حسن و موسیقیت کا جلوہ زار
بن سکتی ہے مگر نو آموزون کے ہاتھ مین وہ محض اک گھروندا بنکر رہجاتی ہے جسمین سوائے الفاظ
کے معنی کا کہین پتہ نہین ملتا -

۱۸۳۶ء مین پریس کو آزادی ملی ۱۸۳۸ء مین مولوی محمد حسین آزاد کے والد مولوی باقر حسین نے اردو اخبار دلی سے جاری کیا جو حقیقت مین اخبار یعنی خبرون کا مجموعہ نہین ہوتا تھا بلکہ ایک ادبی پرچہ تھا جسمین اکثر اوقات ذوق و غالب و مومن اور دیگر معاصر شعرا کی غزلین اور کبھی کبھی طرح غزلین بھی درج ہوتی تھین۔ کبھی اسمین زبان اور محاورات کی بحث ہوتی تھی ذوق کی وفات کی تاریخین اور شہیدی کی شاعری پر مباحثہ بھی اسمین چھپا تھا۔ گورنمنٹ اسکی سرپرستی کرتی تھی ۱۸۵۰ء مین منشی ہر سکھ رائے نے جو ایک بھٹ نگری کایستھ تھے لاہور سے کوہ نور نکالا۔ یہ پرچہ برٹش انڈیا اور دیسی ریاستین دونون مین بہت مقبول تھا مہاراجگان کشمیر و پٹیالہ اس پرچہ کی اور نیز اس کے مالک کی بڑی قدر کرتے تھے۔ پہلے وہ ہفتہ وار تھا مگر بعد کو ہفتہ مین دو مرتبہ اور پھر تین مرتبہ نکلنے لگا۔ آخر مین اسکا زوال ہوگیا اور اُنہین لوگون کے ہاتھون ہوا جنھون نے اسمین کام سیکھ سیکھ کر اُسکے رقیب دوسرے پرچے نکالنا شروع کئے۔ منشی نولکشور صاحب بھی اسکے اسٹاف مین کام کرتے تھے۔ پھر شعلۂ طور اور مطلع نور کانپور سے۔ پنجابی اخبار اور انجم الاخبار لاہور سے۔ اشرف الاخبار دلی سے۔ وکٹوریہ اخبار سیالکوٹ سے۔ قاسم الاخبار بنگلور سے۔ کشف الاخبار بمبئی سے۔ کارنامہ لکھنؤ سے اور جریدۂ روزگار مدراس سے نکلے اور چند دنون کے بعد اکثر انمین سے بند ہوگئے۔ اودھ اخبار جسکو منشی نولکشور صاحب نے ۱۸۵۸ء مین جاری کیا تھا اب بھی نکلتا ہے۔ بلکہ اُس کا شمار ہمارے صوبے کے اعلیٰ درجہ کے اور مشہور روزانہ اخبارون مین ہے۔ شروع مین جب منشی صاحب موصوف کے زمانہ مین یہ اخبار نکلتا تھا تو یہ زیادہ تر اُن خبرون کا مجموعہ ہوتا تھا جو انگریزی اخبارون کے تارون یا نوٹون سے ترجمہ کرکے چھاپی جاتی تھین اور اسکی کوئی معینہ پالسی بھی نہ تھی سوائے اس کے کہ یہ سیاسی شورش کے ہمیشہ خلاف تھا۔ پہلے یہ ہفتہ وار تھا اُسکے بعد روزانہ ہوا۔ اس کا ساز و سامان اور اسٹاف اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اسی کا ہم عصر شمس الاخبار تھا جو مدراس سے نکلتا تھا اور زیادہ تر مسلمانون کیواسطے مخصوص تھا یہ کوئی مشہور پرچہ نہ تھا اور تھوڑے عرصہ کے بعد بند ہوگیا۔ ایک دوسرا مشہور پرچہ اخبار عام لاہور سے ہے جسکو پنڈت مکند رام نے نکالا تھا جو کوہ نور مین ملازم تھے اور ایک پنشن یافتہ

سرکاری عہدہ دار اسکے معاون تھے۔ یہ ایک خاص خبرون کا پرچہ تھا اور نہایت ارزان تھا۔ کچھ دنون گورنمنٹ اسکی سرپرست رہی اور ہر سکول مین اس کے پرچے جاتے تھے مگر یہ سرپرستی اب موقوف ہوگئی۔ پہلے یہ بھی ہفتہ وار تھا اسکے بعد سہ روزہ اور دو روزہ ہوا۔ اسکی زبان اخباری زبان تھی یعنے اسمین کوئی ادبی خصوصیت نہ تھی۔ مگر یہ بات قابل تعریف ضرور ہے کہ اسکی ارزانی قیمت نے لوگون کے دلمین اخبار بینی کا شوق پیدا کردیا۔ اودھ پنچ لکھنؤ ۱۸۷۷ء مین وجود مین آیا یہ ایک ظرافت کا پرچہ تھا اور اپنے عنفوان شباب مین نہایت کامیاب۔ لوگونکو اسکا انداز اسقدر پسند آیا کہ ملک مین اس کے اکثر نقال پیدا ہوگئے۔ اسکی خاص خوبیان یہ تھین کہ آزادی سے لکھتا تھا ظریفانہ رنگ مین لکھتا تھا جسکی ملک مین بڑی ضرورت تھی۔ انشا پردازی اعلی درجہ کی ہوتی تھی اور سب سے بڑھکر یہ کہ کسی خاص فرقہ یا جماعت یا کسی خاص مذہب کا طرفدار یا مخالف نہ تھا۔ منشی سجاد حسین مرحوم اسکے قابل اڈیٹر تھے اور اکثر اس عہد کے قابل ظریف الطبع صحاب اسکے نامہ نگار تھے۔ ہندوستانی کی ابتدا لکھنؤ مین ۱۸۸۳ء مین ہوئی یہ سب سے پہلا اردو پرچہ تھا جسنے سیاسیات اور واقعات حاضرہ پر بالاستیعاب بحث کی۔ یہ ایک اعلی درجہ کا پرچہ تھا اور کبھی چھوٹی چھوٹی باتون اور جزئی مناقشون مین اپنا وقت ضایع نہین کرتا تھا۔ پہلے ہفتہ وار تھا پھر سہ روزہ ہوگیا۔ اسکی زبان مین ادبیت نہ تھی ممکن ہے کہ ترجمہ وغیرہ کی جلدی اس کا باعث ہو اسی شان کا پرچہ رفیق ہند تھا جو لاہور سے نکلتا تھا۔ پیسہ اخبار ۱۸۸۷ء مین نکلا منشی محبوب عالم صاحب اس کے اڈیٹر تھے۔ اسکی ارزان قیمت اور مضامین کی عمدگی سے لوگ اس کو بہت زیادہ پڑھتے تھے اور اسی وجہ سے اسمین اشتہارات بکثرت نکلتے تھے۔

ادبی اُردو رسالے اس قسم کے رسالون مین مولانا شرر مرحوم کا دلگداز بہت پرانا رسالہ ہے جو اب بھی نکل رہا ہے۔ زمانہ کانپور کا ذکر منشی دیانرائن صاحب نگم کے ذکر مین گزرچکا۔ ادیب الہ آباد بھی نہایت عمدہ رسالہ تھا مگر افسوس ہے کہ تھوڑے دنون مین اسکی عمر ختم ہوگئی۔ الناظر جسکے قابل اڈیٹر مولنا ظفر الملک صاحب علوی ہین نہایت آزادخیال اور بڑی قابلیت کا پرچہ ہے۔

ہزارداستان لاہور مین صرف چھوٹے افسانے اور ناول نکلتے ہین ۔ ہمایون لاہور اور شباب اُردو لاہور بھی اپنی صنف مین عمدہ پرچے ہین ۔ نگار لکھنؤ (جو پہلے بھوپال سے نکلتا تھا) ایک اعلیٰ درجہ کا ادبی پرچہ ہے اور اپنے "فاضل ایڈیٹر نیاز فتحپوری کی شخصیت کا پتا دیتا ہے ۔ معارف اعظم گڈھ اور اردو اورنگ آباد یہ دونون زمانۂ موجودہ کے بہترین ادبی رسالے ہین جنکے اکثر مضامین نہایت اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہین سہیل علی گڈھ گو کہ حال ہی مین طلوع ہوا نہایت ہونہار رسالہ ہے اسکے مقاصد بہت اعلےٰ ہین اور اگر ترقی کرتا رہا تو اسکا شمار بہترین اردو رسایل مین ہو جائیگا مولانا حسرت موہانی کا اردوے معلیٰ ایک زمانہ مین بہت مشہور تھا مگر اب ویسا نہین ہے ۔ مرقع لکھنؤ اور اکبر آلہ آباد سے نکلتے ہین مخزن نے ادب اردو کی بہت بیش بہا خدمات انجام دی ہین مختصر یہ کہ سب رسایل کو نام بنام گنوانا بہت مشکل ہے ۔ مگر اُن پرچون مین جو ایک زمانہ مین شہرت رکھتے تھے اور اب بند ہو گئے دکن ریویو حسن اور العصر قابل ذکر ہین ۔

اکثر اخبار نویسون کے حالات اُنکے نام کے تحت مین درج کیے گئے ہین مولانا ظفر الملک مولوی بشیر احمد ایڈیٹر البشیر ۔ اور تاجور نجیب آبادی خاص طور پر قابل ذکر ہین اس وجہ سے کہ یہ حضرات ادب اُردو کی بہت قیمتی خدمات انجام دے رہے ہین ۔ اگر کسیکو اردو روزانہ اخبارون کے ایڈیٹرون کے نام دیکھنا ہون تو ایک مختصر کتاب "اخبار نویسون کے حالات" مولفہ محمد الدین فوق ایڈیٹر کشمیری میگزین کا مطالعہ کرین ۔

باب ۱۷

اُردو ناول کی ابتداء

شرر اور سرشار کا زمانہ

اُردو کے پُرانے قصے "افسانہ گوئی کا شوق دنیا مین بہت قدیم اور انسان کے دل مین اس کا بہت گہرا اثر ہے ۔ پُرانے اُردو قصے یا تو فارسی سے ترجمہ ہوئے یا سنسکرت سے بذریعہ فارسی تراجم کے لئے گئے

یا انہین دونون چیزونکو گھٹا بڑھا کر کچھ نئے قصے گڑھ لئے گئے تھے - یہ سب اپنی نوعیت مین مختلف ہین بعض ہمت وشجاعت کے قصے ہین - بعض مین دیوون اور پریون کا ذکر ہے - بعض اخلاقی ہین اور بعض نہایت مخرب اخلاق - انداز بیان سبکا وہی ٹکا بندھا معمولی ہے - واقعات کا بیان قریب قریب یکسان ہے جنکو بار بار پڑھکر طبیعت اکتا جاتی ہے - عجائب وغرائب کا ذکر عام ہے - انسان دیوون اور پریون کے ساتھ بے تکلف ملتے جلتے ہین - طلسم سحر جادو ہر قصے مین کسی نہ کسی صورت سے موجود ہے بلکہ اکثر اسی پر قصے کا دار و مدار ہوتا ہے - انداز بیان عام طور پر سادہ اور سبق آموز ہوتا ہے مگر کیرکٹر نویسی کا کسی مین پتہ نہین - اور نہ کوئی داخلی دلچسپی نہ کسی پلاٹ کی تعمیر ہوتی ہے - زیادہ تر حسن وعشق کے حالات، ساحرون اور جادوگرون کی لڑائیان، جادوگرون کے شاہزادونسے مقابلے، اور آدمیون کا جانورون کی صورتین بدل جانا دکھایا جاتا ہے یہ سب کچھ ہے مگر روزمرہ کے واقعات سے وہ خالی ہین -

اقسام قصص خاص اقسام قصص حسب ذیل ہین (۱) الف لیلہ (۲) بوستان خیال (۳) داستان امیر حمزہ معہ اُسکے فروعات طلسم ہوشربا وغیرہ کے (۴) قصہ حاتم طائی وباغ و بہار وغیرہ (۵) ہندوستانی قصے جیسے بیتال پچیسی - کلیلہ منہ - سنگھاسن بتیسی - گل بکاؤلی طوطا کہانی وغیرہ -

مطبع منشی نول کشور لکھنؤ اکثر اس قسم کے قصے مطبع منشی نولکشور مین چھپے ہین جسکے بانی خود منشی نولکشور صاحب سی - آئی - ای تھے - اس مطبع نے زبان اردو کی بڑی خدمت کی اور اُسکی ترقی پر بہت بڑا اثر ڈالا اور نادر قدیم کتابون کی اشاعت، مشہور کتب فارسی وعربی کے تراجم جدید کتابون کی پبلک مذاق کے موافق تیاری - اور نیز اسکولی کتابونکی تیاری سے ادب اردو پر بہت بڑا احسان کیا - منشی صاحب موصوف ۱۸۳۶ء مین بستوئی ضلع علی گڈھ مین پیدا ہوئے اُنکے دادا منشی بالمکند آگرہ مین سرکاری خزانچی تھے اور والد منشی جمنا داس بھی کاروبار کرتے تھے - منشی نولکشور ایک خود ساختہ آدمی تھا اور بچپنے ہی سے تجارت کی اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے انکو اخبارات سے بڑا شوق تھا منشی ہر سکھ رائے کی ماتحتی مین اخبار کوہ نور لاہور مین کچھ عرصہ تک رہے جہان اُنکو چھاپہ خانہ وغیرہ

کے حالات کا بہت وسیع تجربہ ہوگیا۔ غدر کے بعد ملازمت ترک کر کے لکھنؤ آگئے جہان ۱۸۵۸ء مین سررابرٹ منٹگمری اور کرنل ایبٹ کی سرپرستی مین اپنا مطبع کھولا۔ تقدیر نے یاوری کی اور انکے کام کو روزافزون ترقی ہوتی گئی۔ اُنکی قابلیت اُنکی دیانتداری انکی پابندی اصول سے یہ مطبع تھوڑے ہی عرصہ مین ہندوستان کیا بلکہ ایشیا کے سب سے بڑے مطابع مین شمار کیا جانے لگا۔ منشی صاحب نے زرکثیر قیمتی نادر قلمی کتابون کی خریدمین صرف کیا جنمین سے اکثر کو شایع کر کے پبلک کو بہت بڑا فائدہ پہونچایا۔ اس مطبع سے ہزارہا عربی فارسی سنسکرت اردو ہندی کتابین بڑے صرف اور بڑے تکلف سے چھپکر شایع ہوئین مختلف قسم اور مختلف قیمتون کے قرآن شریف شایع ہوئے جنسے اہل اسلام کو بہت بڑا نفع پہونچا۔ اودھ اخبار بھی ۱۸۵۹ء مین اُنھون نے جاری کیا تھا جیسا کہ اخبارات کے ذکر مین بیان ہوا۔ اُنکی موت ۱۸۹۵ء مین واقع ہوئی اور وفات کے وقت اُنھون نے تقریبًا ایک کروڑ روپیہ کی جائداد اور کاروبار چھوڑا۔ انکے بعد انکے لایق فرزند راے بہادر منشی پراگ نرائن صاحب آنجہانی نے ادب اردو و ہندی کی بڑی خدمت کی۔ اور اب اُنکے ہونہار فرزند منشی بشن نراین صاحب بھارگو اپنے والد کے قدم بقدم چل رہے ہین۔ اور نولکشور پریس آپ کی کوششون سے نہایت کامیابی سے ترقی کر رہا ہے۔

داستان امیر حمزہ صاحبقران — ایک حجیم اور ضخیم کتاب متعدد جلدون مین ہے۔ اصل کتاب فارسی مین شیخ ابوالفیض فیضی نے اکبر کی تفریح طبع کے واسطے تیار کی تھی اس کے آٹھ دفتر ہین اور ہر دفتر مین سدہا صفحات کی کئی کئی جلدین ہین جنکی مجموعی تعداد ستّرہ اور تعداد صفحات سترہ اٹھارہ ہزار سے کم نہوگی سب سے مشہور دفتر اوّل ہے جو نوشیروان نامہ دو جلدون مین اور دفتر پنجم موسوم بہ طلسم ہوشربا سات جلدون مین ہے اور مؤخرالذکر بہت مقبول عام ہے طلسم ہوشربا کی اول چار جلدون کا ترجمہ میر محمد حسین جاہ اور آخر تین جلدون کا ترجمہ احمد حسین قمر کا ہے۔ ایک منظوم ترجمہ طوطا رام شایان نے بھی کیا تھا۔ نوشیروان نامہ کا ترجمہ منشی نولکشور صاحب کی فرمایش سے شیخ تصدق حسین داستان گو نے کیا تھا۔ اس کتاب مین ایک فرضی طویل افسانہ امیر حمزہ کا ہے جو پیغمبر اسلام صلوٰۃ اللہ علیہ والسلام

منشي نول كشور
(سي - آئي - اي)

کے عمر بزرگوار تھے جس مین ایک قصہ سے سیکڑون قصے پیدا ہوتے چلے گئے ہین۔

بوستان خیال | اس کی نو ضخیم جلدین ہین اوراس کے مصنف میر تقی خیال سمجھے جاتے ہین جو اصل مین گجرات کے رہنے والے تھے مگر آخر مین دلی مین آگئے تھے۔ یہ قصہ مصنف نے اپنی معشوقہ کی دلچسپی کے لئے داستان امیر حمزہ کے رنگ مین تصنیف کیا تھا۔ اس کتاب کو محمد شاہ رنگیلے نے بہت پسند کیا اور وہ اُنھین کے زمانہ مین اور اُنھین کے حکم سے اختتام کو پہونچی۔ اسکے تقریباً چار ہزار صفحات ہین۔ پانچ جلدون کا ترجمہ اُردو مین خواجہ بدرالدین معروف بہ خواجہ امان دہلوی نے اور دو جلدون کا ترجمہ لکھنؤ مین چھوٹے آغا نے کیا اور پوری کتاب پر نظر ثانی بھی کی۔

اِن سب کتابون مین بڑا عیب یہ ہے کہ صحیح جذبات نگاری اور کیرکٹر نویسی ان مین مفقود ہے۔ کوئی معین پلاٹ بھی نہین ہے۔ چند مشہور لوگون کے بعید از قیاس افسانے ہین جنمین جنات اور دیوزادون سے لڑائی اور ساحرون سے مقابلہ کا ذکر ہے۔ کبھی کبھی وہ سحر و طلسم مین پھنس بھی جاتے ہین مگر آخر مین فتحیاب نکلتے ہین اور اپنی محبوبہ کو ظالمون کے پنجہ سے نجات دلاتے ہین قصہ کے تمام واقعات مین ایسی یکسانی ہے کہ جی اُکتا جاتا ہے کوئی تنوع اور جدت نہین اور روزانہ واقعات زندگی کا تو کہین ذکر نہین ہے۔ اکثر یہ قصے فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے شایع ہوئے اور اب منشی نولکشور کے مطبع مین بڑے آب و تاب سے شایع ہوتے رہتے ہین۔

افسانہ اور ناول کی بیچ کی کڑی | مرزا رجب علی بیگ سرور نے ناول کی آفرینش مین بہت کچھ مدد دی یعنے اپنی مشہور کتاب فسانۂ عجائب کی تصنیف سے لوگون کے دلونین افسانہ کا شوق پیدا کر دیا یہ ضرور ہے کہ اسکی مصنوعی مقفٰے اور مسجع عبارت نے کہین کہین مطلب کو گنجلک کر دیا۔ اور تسلسل بیان مین فرق ڈالدیا ہے۔ واقعات معمولی اور زبان نہایت پر تصنع اور پیچیدہ ہے۔

البتہ مولوی نذیر احمد صاحب کے بعض قصے موجودہ ناول کی حدود تک پہونچ جاتے ہین گو کہ انمین بھی موجودہ اصول ناول نویسی کی پوری پیروی نہین پائی جاتی۔ وہ اول سے آخر تک نصیحت آمیز ہین اور کسی معاشرتی یا تعلیمی مضمون یا کسی مذہبی مسئلہ پر ایک زبردست وعظ کی حیثیت رکھتے ہین

رویائے صادقہ توبۃ النصوح مرأۃ العروس وغیرہ کی تہ مین کوئی نہ کوئی اخلاقی سبق ضرور ہے جو بہت زور کے ساتھ سکھایا گیا ہے۔ بیشک مولوی صاحب نے یہ بہت بڑا کمال کیا کہ مافوق العادت اور حیرت انگیز چیزون کو اپنی تصانیف سے ایک قلم خارج کر دیا اور معمولی واقعات زندگی کو ایک منظم پلاٹ کی صورت مین دلچسپی سے بیان کیا۔ انکی قابل قدر تصانیف جو اُس زمانہ کے رسم و رواج اور طرق و عادات کی جیتی جاگتی تصویرین ہین۔ اسمین شک نہین کہ انکی قوت استدلال ومشاہدہ کے شاہد عادل ہین۔ زبان پر انکو پوری طرح قدرت حاصل ہے اور گو کہ اسمین کہین کہین ثقالت پیدا ہو جاتی ہے مگر پھر بھی سلاست و روانی انکے ناولون کی خاص مابہ الامتیاز چیز ہے سلسلۂ واقعات بھی وہ خوب قایم رکھتے ہین گو کہ کہین کہین اس قاعدہ کی خلاف ورزی سے قصہ کے تناسب مین فرق پڑ جاتا ہے۔ کیرکٹر دلچسپ مگر ضرورت سے زیادہ ادب آموز ہین۔

اودھ پنچ اور اسکی ادبی خدمات

منشی سجاد حسین مرحوم نے لکھنؤ سے ۱۸۷۷ء مین اودھ پنچ نکالکر ہندوستانی اخبار نویسی اور ادب اردو پر احسان عظیم کیا نثر کی ایک خاص شان پیدا کی مذاق و ظرافت جس سے ابتک ہمارا ادب خالی تھا داخل نثر ہوئے۔ زبان مین لطیف الفاظ شامل کرکے گرانقدری پیدا کی پُر زور طریقہ سے کتابون کی تنقید کی۔ ناول نویسی مین ترقی کی۔ اودھ پنچ سب سے پہلا اخبار ہے جسنے ایک مقرر اور معین پالیسی اختیار کی۔ وہ محض خبر رسانی نہین کرتا تھا بلکہ پبلک معاملات مین اپنی آزادانہ رائے رکھتا اور قومی حقوق کا تحفظ کرتا تھا اور ہندوستانی رُوسا کا ناصح اور محتسب بھی تھا وہ اصول کانگرس کا حامی، ہندو مسلم اتحاد مین ساعی، البرٹ بل کی تحقیق اور ایکٹ انکم ٹیکس کے پاس ہونے کا سخت مخالف تھا لیکن اسی کے ساتھ سوشل معاملات مین بہت قدامت پرست، سر سید اور انکی تجاویز کا دشمن اور تعلیم نسوان اور پردہ کے توڑنے کا بھی سخت مخالف تھا۔ غرض کہ اس اعتبار سے جدید و قدیم رنگ کا ایک عجیب مجموعہ تھا اُسکے اکثر نامہ نگار نہایت قابل اور فاضل لوگ تھے مثلاً علاوہ خود منشی سجاد حسین مرحوم کے مرزا مچھو بیگ عاشق (جو ستم ظریف کے نام سے اودھ پنچ مین مضامین لکھتے تھے) تربھون ناتھ ہجر منشی جوالا پرشاد برق۔ احمد علی کسمنڈوی

خواجہ بدرالدین خان عرف خواجہ امان مترجم بوستان خیال

اکبرالہ آبادی - نواب سید محمد آزاد جنمین سے بعض کے کچھ حالات علیحدہ بھی لکھے جائینگے -

اودھ[1] پنچ یون تو اک ظریفانہ موقر اخبار تھا مگر کبھی کبھی اسکی ظرافت کا رنگ بدل جاتا تھا اور وہ طعن و تشنیع اور ذاتی حملو نپر اُتر آتا تھا - بعض مضامین کے پڑھنے سے مثلاً وہ جو فسانہ آزاد حالی - داغ - گلزار نسیم وغیرہ کے متعلق لکھے گئے ہین معلوم ہوتا ہے کہ اودھ پنچ کے صفحات مہذب اور سنجیدہ ظرافت سے گزر کر بھکڑ کا ایک میدان بنگئے ہین مگر اقسام ذیل کے مضامین نہایت قابلیت

---

[1] اس زمانہ مین لوگ اسقدر ٹھس ہوگئے ہین اور مذاق و ظرافت کا اُن مین اسقدر فقدان اور اس شئے لطیف کی اُنمین اتنی کمی ہوگئی ہے کہ اودھ پنچ ایسا بمشکل ہنسنے ہنسانے والا پرچہ جو مذاق کے پیرایہ مین نصیحت اور ظرافت کے ساتھ عبرت سکھاتا اور انشا پردازی کا بھی بہترین نمونہ سمجھا جاتا تھا اپنے سابق اڈیٹر منشی سجاد حسین صاحب کے ساتھ خود بھی مرگیا تھا - مگر خدا بھلا کرے حکیم ممتاز حسین عثمانی موجودہ اڈیٹر کا کہ اُنھون نے اسکو زندہ کیا اور اسکے تن بیجان مین نئے سرے سے جان ڈالی - ایک معنی مین تو ہم حکیم صاحب موصوف کو منشی سجاد حسین مرحوم پر ترجیح دینگے اسوجہ سے کہ منشی صاحب مرحوم کے وقت مین تو بہت سے قابل اہل سخن انکے ہم مذاق اور یار و مددگار موجود اور انکا ہاتھ بٹانے کو ہر وقت تیار رہتے پبلک بھی قدردان تھی - حساس تھی - باحمیت تھی - اودھ پنچ کے تازیانہ ظرافت سے لوگ اسیطرح ڈرتے تھے جیسے شوخ - لڑکے ڈنڈے باز مولوی سے ڈرتے ہین - اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک بدکردار شخص جب اپنا بدنما چہرہ صفحات اودھ پنچ کے مجلے آئینہ مین دیکھتا تو اپنی ڈراونی صورت سے ڈر کر بُرے افعال سے توبہ کرلیتا اور اودھ پنچ کا خریدار بنجاتا تھا - اسطرح ہم خرما و ہم ثواب کے اصول پر خود اودھ پنچ کا بھی فائدہ ہوتا اور دوسرون کے اخلاق بھی درست ہوجاتے تھے - ع وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا - مگر اب وہ باتین نہین رہین لوگون کے اخلاق بدل گئے اطوار متغیر ہوگئے - ظرافت کے قدردان اور اس سے فائدہ اُٹھانے والے باقی نرہے - لوگون سے حس اور اثر پذیری کا مادہ جاتا رہا - اور ظرافت کا انداز بھی بدل گیا - مگر پھر بھی بری بھلی جیسی ہے ایسی ہے کہ اسوقت ہندوستان مین اودھ پنچ کا نظیر و عدیل نہین - وہ اپنی آپ مثال اور قلمرو ظرافت مین حاکم علی الاطلاق ہے - ہزار آفرین ہے اسکے فاضل اڈیٹر کو کہ انھون نے اسکی روایات قدیمہ کو قایم رکھا بلکہ زمانہ حال اور ضروریات کے مطابق مضامین

اور شستگی کے ساتھ اسکے صفحات مین درج ہوتے رہے ہین۔ لکھنؤ کی معاشرتی زندگی کی جیتی جاگتی تصویرین۔ محرم۔ چہلم۔ عید بقرعید۔ شبرات۔ ہولی دیوالی۔ بسنت۔ عیش باغ کے میلے۔ ناچ رنگ کے جلسے اور دعوتین۔ مشاعرے۔ اجلاسہاے عدالت۔ مرغ و تیتر کی پالیان الکشن کے مقابلے وغیرہ۔

کا معیار بلند کر دیا۔ پورا پرچہ بیچارے تن تنہا نکالتے ہین اور ٹھیک وقت پر نکالتے ہین جو ہفتہ وار اور اخبار رسالون کے لئے قابل فخر اور قابل تقلید بات ہے ۔

اس موقع پر ہم ایک بات اپنے مکرم فاضل دوست سے ضرور گزارش کرینگے ۔ وہ یہ کہ وہ اپنے پرچہ سے "بوالفضیبین" کا ذکر بغیر اور انکی بات چیت کا انداز ذرا کم کر دین بلکہ اگر بالکل خارج کر دین تو اور بھی اچھا ہے ۔ یہ سچ ہے کہ بعض مقالات پر انکی بھی ضرورت پڑتی ہے اور اس جنس کی بھی مانگ ہوتی ہے۔ ایکمرتبہ مولانا سابق مسٹر محمد علی اپنی مکہ شریف والی قبا اور عمامہ۔ دارم چراغ چشم کے قاعدے سے چونکہ اسمبلی کے اجلاس مین تشریف لے گئے۔ پنڈت مدن موہن مالوی انکی اس نئی دہج کو دیکھکر کہنے لگے ۔ کہ اخاہ مولانا محمد علی ہین ہم تو سمجھے تھے کہ بیگم صاحب بھوپال آرہی ہین۔ مولانا نے جواب دیا کہ اس جگہ جہان عورتین ہی عورتین ہین اگر آپ مجھکو بیگم صاحب سمجھے تو مین حیرت کی کیا بات ہے بہرطور یہ اصول کہ دو دھ پیتے کے بعض ناظرین عورتوں کو زیادہ مرتبہ نہین رکھتے لہذا اُنسے ہمکلام ہونے کے لئے بھی "بوالفضیبین" کی ضرورت پڑتی ہے ایک حد تک تو ضرور صحیح اور قابل تسلیم ہے۔ مگر جب اسمین تجاوز ہوجاتا ہے اور سیاسی علمی و معاشرتی جملہ معاملات مین جا و بیجا بوالفضیبین یا انکی سہیلی منقش آرا بیگم دریاے لطافت کی بی نوزن کی طرح؛ آن کرکو دپڑتی ہین یا ادھ دلیرے نواب ادون سے لیکر شیخ حبیب اللہ صاحب تک سے سیاسی اور علمی مسایل مین اپنے خاص انداز مین ہمکلام ہونے لگتی ہین تو سمجھ مین نہین آتا کہ یا اشراف باتون کے واسطے کیا کوئی مرد دستیاب نہین ہوتا تھا کہ عورتون کی طرف سے اور انکی زبان مین یہ مطالب ادا کئے گئے۔ اور اس سے نفس مسئلہ اور اخبار کے ظریفانہ انداز مین کیا اضافہ ہوا۔ ہمارے ملک مین تعلیم نسوان ابھی اس درجہ کو نہین پہونچی کہ ایسی عورتین پیدا ہوگئی ہون جو سیاسی اور علمی معاملات مین کوئی صائب رائے رکھتی یا اسکا اظہار کرسکتی ہون۔ پھر اس نئی اُپج سے اور اخبار پر ترقی منشور کا الزام عاید کرنے سے کیا فائدہ ؟

منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ

منشی سجاد حسین مرحوم منشی منصور علی ڈپٹی کلکٹر کے بیٹے تھے جو گورنمنٹ سے پنشن لیکر حیدر آباد دکن گئے اور وہان سول جج ہو گئے تھے۔ منشی سجاد حسین سنہ ۱۸۵۶ء مین کاکوری مین پیدا ہوئے۔ انٹرنس کا امتحان کیننگ کالج سے پاس کرکے اور کچھ دنون مختلف ملازمتین کرکے سنہ ۱۸۷۷ء مین اپنا مشہور اخبار "اودھ پنچ" نکالا۔ اُنکی ذاتی قابلیت طبیعت داری اور وسیع الاخلاقی سے اُنکے بہت سے دوست ہم مذاق وہم مشرب پیدا ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ تک پنڈت رتن ناتھ سرشار بھی اُنکے اخبار مین مضمون نگاری کرتے تھے۔ مگر جب سے کہ وہ خود اودھ اخبار کے ایڈیٹر ہوے اودھ پنچ کی نامہ نگاری چھوڑ دی جسکا ذکر کسیقدر تفصیل سے آگے آئیگا منشی سجاد حسین پہلے شخص ہین جنھون نے ہندوستان مین ایک ظریفانہ رنگ کا اردو اخبار نکالا جسنے کہ ملک اور زبان دونون کی معقول خدمت انجام دی۔ منشی صاحب نہایت نیکدل صاف باطن اور غیر متعصب شخص تھے اور کبھی مذہبی رنگ کے مضامین کو اپنے اخبار مین جگہ نہین دیتے تھے۔ اُنکی تحریر کا ایک خاص انداز تھا جسمین واقفیت اور معلومات کے ساتھ مذاق وظرافت اور لطایف وظرایف بکثرت ہوتے تھے عبارت مین بیساختگی اور شستگی بہت نمایان تھی۔ انکے وہ فرضی خطوط جو ہندوستانی رُوساء کے نام ہین ایک عجیب انداز کے ہین اور انمین ایک خاص طریقہ سے نصیحت کی گئی ہے۔ منشی صاحب ایک زبردست ناول نگار بھی تھے۔ چنانچہ انکے ناول حاجی بغلول۔ طرحدار لونڈی۔ پیاری دنیا۔ احمق الذین۔ میٹھی چھری۔ کایا پلٹ۔ حیات شیخ چلّی مشہور ہین اور اِن سب کی عبارت نہایت بلیغ اور دلچسپ ظریفانہ انداز مین ہے۔ سنہ ۱۹ء مین مرض فالج مین مبتلا ہوے اور ایک عرصہ دراز تک جسمانی تکالیف اور آلام ومصائب مین مبتلا رہکر سنہ ۱۹۱۵ء مین انتقال کیا۔ اور اودھ پنچ سابق سنہ ۱۹۱۲ء مین انکی زندگی مین بند ہو گیا تھا۔

مرزا مچھو بیگ عاشق

مرزا محمد مرتضیٰ عرف مرزا مچھو بیگ عاشق تخلص مرزا اصغر علی بیگ کے بیٹے شرفاء لکھنو مین ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ بچپنے مین ورزش کا بڑا شوق تھا اور بانک پٹا وغیرہ اپنے نانا سے سیکھا تھا۔ شاعری کا شوق فطری تھا۔ نسیم دہلوی سے تلمذ تھا۔ بہت خوشگو اور رنگین طبع

شاعر تھے - مگر نظم سے زیادہ نثر مین انکو شہرت حاصل ہوئی جسمین وہ صفائی زبان صحت محاورہ اور بذلہ سنجی کے لئے مشہور تھے - آخر عمر تک "ستم ظریف" کے لقب سے اودھ پنچ مین مضمون نگاری کرتے رہے انکے مضامین پڑھنے کے قابل ہین اور محاورہ اور صفائی زبان کے لئے اپنی آپ مثال ہین - مطبوعہ تصانیف نظم و نثر حسب ذیل ہین گلزار نجات - میلاد شریف (منظوم) آفتاب قیامت (لکھنؤ کے انداز مین ایک ظریفانہ نظم جو آگرہ آباد مین پڑھی گئی تھی) بہار ہند (اردو محاورات کی ایک نا تمام لغت) مثنوی نیرنگ خیال بعض مضامین جو اودھ پنچ مین نکل چکے تھے اور چشم بصیرت کے نام سے علیحدہ شایع ہوے ہین - انکا اردو دیوان اُنکے صاحبزادہ مرزا محمد صدیق کے پاس ہے جو ہنوز شایع نہین ہوا منشی بالمکند گپتا سابق ایڈیٹر بہار ستان کلکتہ اُنکے ایک مشہور شاگرد تھے - مرزا صاحب نہایت ہشاش بشاش خلیق و متواضع اور وسیع الاحباب تھے - مزاج مین ظرافت اور بذلہ سنجی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی - خودداری اور آزادی یہانتک تھی کہ ملازمت سے ہمیشہ کنارہ کش رہا سوجہ سے کہ اسمین پابندی عاید ہوتی تھی - سیاسیات سے بھی شوق تھا چنانچہ اکثر بتہم انڈین نیشنل کانگریس کے ڈیلی گیٹ کی حیثیت سے کانگرس مین شریک ہوئے تھے - مختصر یہ کہ صفائی زبان اور بذلہ سنجی آپکے خاص جوہر ہین -

| تربھون ناتھ ہجر |

پنڈت تربھون ناتھ سپرو متخلص بہ ہجر پنڈت شمبر ناتھ سپرو کے بیٹے تھے - ۱۸۵۳ء مین پیدا ہوے - کیننگ کالج لکھنؤ مین تعلیم انگریزی سے فراغت کرکے اخبار نویسی کا مشغلہ اختیار کیا کچھ دنون تک لکھنؤ مین وکالت بھی کی تھی - نہایت شریف الطبع ملنسار اور ہر دلعزیز تھے -

| نواب سید محمد آزاد |

نواب سید محمد آزاد آئی - ایس - او ۱۸۴۶ء مین بمقام ڈھاکہ پیدا ہوے - مشرقی بنگال کے ایک معزز اور دولتمند خاندان سے آپ کا تعلق تھا - ابتدائی تعلیم آغا احمد علی اصفہانی سے حاصل کی اور یہ وہی شخص ہین جن سے مرزا غالب "برہان قاطع" کے بارہ مین معرکے رہے ہین - انگریزی گو کہ پرائوٹ طور پر پڑھی تھی مگر اس زبان مین انکو مہارت کامل حاصل تھی - ابتدائے ملازمت سب رجسٹراری سے ہوئی اور اسی لائن مین ترقی کرتے کرتے انسپکٹر جنرل رجسٹری کے معزز عہدہ تک پہونچے - بنگال کونسل مین دو دفعہ کرسی ممبری کو زینت بخشی اور امپیریل سروس آرڈر (آئی - ایس - او) کا نشان اعزازی آپ کو

منشی سید محمد سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ
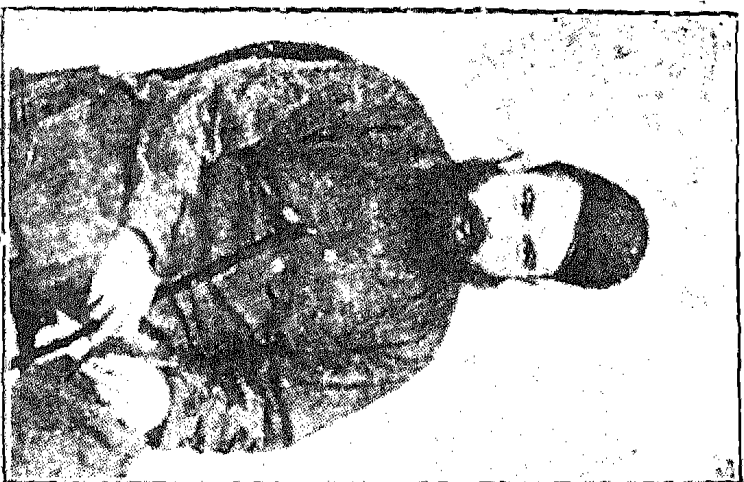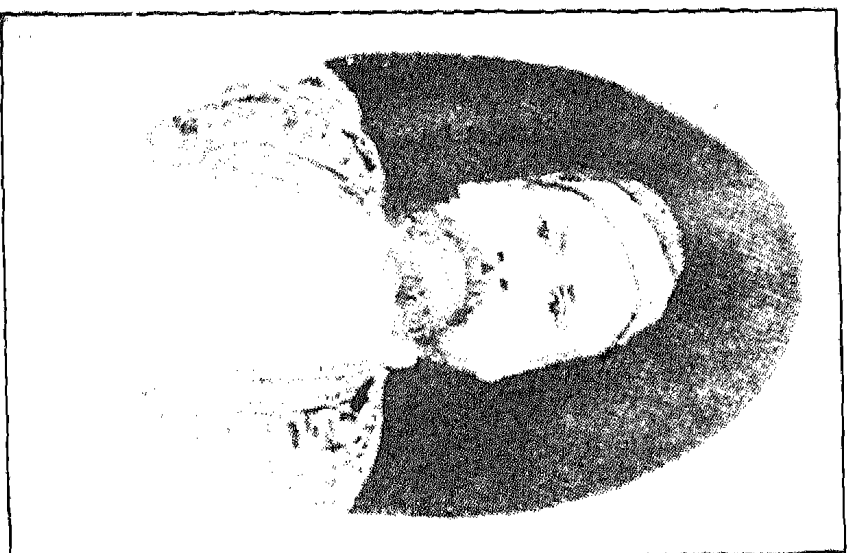
عطا ہوا ۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں سرکاری ملازمت سے کنارہ کش ہوئے ۔ پہلے آپ ایک فارسی اخبار "دوربین" میں بزبان فارسی مضامین لکھتے تھے مگر اُس کے بعد اودھ اخبار اودھ پنچ "آگرہ اخبار" وغیرہ مختلف اخبارات و رسائل میں زبان اُردو میں لکھتے رہے ۔ سنہ ۱۸۷۸ء میں اُنکا ناول "نوابی دربار" نکلا جس میں کہ مذاق کے پیرایہ میں پُرانے رنگ کے فاقہ مست نوابوں کا خوب خاکہ اُڑایا گیا تھا اور بہت مقبول عام ہوا ۔ آپ انگلستان بھی گئے تھے اور وہاں سے جو خطوط بھیجے ہیں وہ نہایت دلچسپ ہیں ۔ آپ کی کتاب موسوم بہ "نئی لغت" ظریفانہ رنگ کی مقفیٰ نہایت دلچسپ کتاب ہے ۔

| جوالا پرشاد برق |

منشی جوالا پرشاد متخلص بہ برق اک نہایت ذہین اور قابل شاعر و نثّار دونوں تھے سنہ ۱۸۶۲ء میں بمقام سیتاپور پیدا ہوئے ۔ انٹرنس کا امتحان کھیری سے پاس کرکے سنہ ۱۸۷۸ء میں کیننگ کالج لکھنؤ میں داخل ہوئے ۔ سنہ ۱۸۸۲ء میں بی اے اور سنہ ۱۸۸۳ء میں قانون کی ڈگری حاصل کی سنہ ۱۸۸۵ء تک وکالت کرکے منصف ہوگئے جنمیں ترقی کرتے کرتے قائم مقام ڈسٹرکٹ و سشن جج کے درجے تک پہونچے سنہ ۱۹۰۹ء میں گریفن کمیٹی کے ممبر مقرر ہوئے ۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں بعارضہ پلیگ اس دار فانی سے کوچ کیا ۔ نہایت طبیعت دار اور ذہین شخص تھے ۔ فسانہ آزاد کی عبارت کے اسقدر دلدادہ تھے کہ خود بھی وہی طرز اک حد تک اختیار کیا آپ کی مثنوی بہار اک نہایت اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے جو سر سید مرحوم کو بہت پسند تھی برق علاوہ شاعر خوشگو ہونیکے مترجم بھی اعلیٰ درجہ کے تھے بنکم چندر چیٹرجی کے اکثر مشہور ناولوں کے ترجمے آپ کے قلم سے نکلے ہیں مثلاً بنگالی دولہن، پرتاب، روہنی، فرالنی مار آستین وغیرہ ۔ آپ کا ترجمہ اس قدر صاف سلیس بامحاورہ اور شیرین ہوتا ہے کہ مطلق ترجمہ نہیں معلوم ہوتا ۔ کتب مذکورہ بالا بہترین اُردو ناول خیال کیے جاتے ہیں انکے علاوہ شکسپیر کے بعض ڈراماؤں کا بھی ترجمہ آپنے کیا تھا مگر افسوس کہ اُنمیں سے اکثر شایع نہو سکے ۔

| احمد علی شوق |

منشی احمد علی شوق قدوائی اسیر مرحوم کے معزز شاگردوں میں تھے ۔ غزل اور مثنوی خوب کہتے تھے ۔ چند ناٹک نثر و نظم بھی آپکی یادگار رہیں جس میں "قاسم و زہرہ" اور "میکبفرسن و لوسی" زیادہ مشہور رہیں ۔ مثنویاں آپ کی بہت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں علی الخصوص "عالم خیال" جس کی زبان نہایت لطیف و

شیرین ہے بیحد مقبول ہوئی یہ کتاب ایک ستم رسیدہ عورت کی دکھ بھری داستان ہے جو اپنے بچھڑے ہوئے شوہر کی واپسی کا انتظار بڑے شوق و ذوق سے کر رہی ہے۔ اسکی عبارت فارسی ضافتون سے خالی ہے، دیوان بھی آپ کا شایع ہو گیا ہے اور نہایت اعلی درجہ کا ہے۔ آپ فن عروض اور نکات ادبیہ سے پوری طرح واقف تھے اور نثر کے مضامین مین بھی صفائی اور صحت زبان کا بہت خیال رکھتے تھے آخر عمر مین ریاست رامپور سے تعلق ہو گیا تھا۔ آپکی وفات حسرت آیات سے ممتاز شعراے اردو کی صف مین ایک جگہ خالی ہو گئی جسکی خانہ پری مشکل ہے۔

پنڈت رتن ناتھہ سرشار

پنڈت رتن ناتھہ در تخلص بہ سرشار گذشتہ صدی کے آخر مین ایک عجیب زندہ دل باکمال شخص گزرے ہین۔ اک معزز کشمیری خاندان سے تھے سنہ ۱۸۴۶ یا ۱۸۴۷ء مین لکھنؤ مین پیدا ہوئے صرف چار برس کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ انکے چھوٹے بھائی پنڈت شمبر ناتھہ ڈپٹی کلکٹر تھے جنکے بیٹے ریاست بلرامپور مین ملازم ہین۔ سرشار کے صاحبزادے پنڈت زنجن ناتھہ در سرکاری خزانہ مین ملازم تھے مگر جوانی مین انتقال کر گئے۔ سرشار عربی فارسی انگریزی تینون زبانون سے واقف تھے انگریزی انھون نے کیننگ کالج لکھنؤ مین پڑھی تھی مگر اسمین کوئی ڈگری نہین حاصل کی۔ سب سے پہلے ضلع سکول کھیری مین ٹیچر ہوے اور یہین سے "مراسلہ کشمیری" مین جو اس زمانہ مین کشمیری پنڈتون کا ایک ماہوار رسالہ نکلا کرتا تھا اور "اودھ پنچ" مین اپنے مضامین بھیجا کرتے تھے۔ یہ آرٹیکل گو کہ کوئی خصوصیت نہین رکھتے تھے مگر پھر بھی انکی آیندہ تصانیف اور شہرت کا ایک سنگ بنیاد ضرور تھے۔ سرشار ترجمہ مین بھی بڑی مہارت رکھتے تھے اور وہ اپنا اس قسم کا کام سررشتہ تعلیم کے کسی رسالہ مین بھیجا کرتے جہان وہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم اسکو بہت پسند کرتے اور ان کی قابلیت کی داد دیتے تھے سرشار کبھی کبھی "مراۃ الہند" اور "ریاض الاخبار" مین بھی اپنے مضامین بھیجتے سنہ ۱۸۷۶ء مین انھون نے ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ کیا اور اس کا نام "شمس الضحی" رکھا۔ اس مین انھون نے اکثر سائنس کی اصطلاحات کا ترجمہ عمدہ اور سلیس اردو مین کیا ہے۔ اسی سال وہ اودھ اخبار کے اڈیٹر مقرر ہوے اور یہ اس طور پر ہوا کہ ڈاکٹر گریفتھہ ڈایرکٹر سررشتۂ تعلیم نے ان کا تعارف منشی نولکشور صاحب مالک اخبار

نواب سید محمد خان بہادر آزاد آئی-ایس-او

ہے کرایا جن کو اسوقت اخبار کے لئے اک قابل آدمی کی ضرورت تھی سرشار نے اپنی مشہور و معروف تصنیف فسانہ آزاد کا سلسلہ اسی اودھ اخبار مین شروع کردیا جو دسمبر ۱۸۷۹ء تک قایم رہا اور سنہ ۱۸۸۰ء مین "فسانہ آزاد" بصورت اک علحدہ کتاب کے چھپا اور بہت مقبول ہوا۔ اسی عرصہ مین اودھ پنچ اور اودھ اخبار مین وہ مشہور معرکہ شروع ہوا جو عرصہ دراز تک قایم رہا۔ اودھ پنچ اودہ اخبار اور اسکے ایڈیٹر کو اپنے ظریفانہ انداز مین سیکڑون صلواتین سناتا تھا اور اس کا جواب بھی کلہ بکلہ آتا تھا آخر بعض دوستون کی کوشش سے مصالحت ہوگئی اور معاملہ رفع دفع ہوگیا سرشار دو اور مباحثون مین بھی شریک ہوئے تھے ایک بیان سیزدانی میرٹھی اڈیٹر "طوطی ہند" اور دوسرا خواجہ الطاف حسین حالی کے ساتھ لہ۔

سرشار کی تصانیف سیر کہسار، جام سرشار، کامنی، اور خدائی فوجدار بہت مشہور ہین آخرالذکر ایک انگریزی ناول ڈان کوئی زوٹ کا ترجمہ ہے۔ سنہ ۱۸۹۳ء مین انھون نے ایک سلسلہ موسوم بہ خمکدہ سرشار شروع کیا تھا اور اسی زمانہ مین اُن کے ناول گرم وہم، بچھڑی دولہن، طوفان بے تمیزی، پی کہان، اور ہشو بھی شایع ہوے مگر ان مین اُن کا زور بیان کم ہے۔ حیدرآباد جانے سے قبل کچھ دنون وہ الہآباد ہائی کورٹ مین مترجم بھی ہوگئے تھے مگر قواعد دفتر کی سختی کے وہ متحمل نہو سکے اور تھوڑے ہی دنون مین ملازمت ترک کردی سنہ ۱۸۹۵ء مین وہ حیدرآباد گئے۔ اپنے قیام حیدرآباد کا حال اک خط مین جو "کشمیری درپن" مارچ سنہ ۱۸۹۹ء مین شایع ہوا تھا اور جس کا ایک حصہ پنڈت برج نرائن چکبست صاحب نے اسی سے نقل کیا ہے اس طرح بیان کرتے ہین:۔

تقریبًا چار برس ہوے کہ مین ممبر کانگریس کی حیثیت سے مدراس آیا تھا۔ میری خوش نصیبی مجھکو حیدرآباد لائی جہان ہندو مسلمان امیر غریب سبنے نہایت گرمجوشی سے مجھکو لیا اور میرے اوپر

لہ۔ ہمکو یاد پڑتا ہے کہ یہ مباحثے سرشار سے نہین بلکہ اودھ پنچ سے ہوئے تھے کیونکہ اودھ پنچ مین ایک سلسلۂ اعتراضات حالی پر ایک عرصہ دراز تک اس سرخی سے چھپتا رہا "ابتر جارحے حملون سے حالی کا حال ہے۔ میدان پانی پت کی طرح پائمال ہے" اور آخر مین کچھ مضامین حالی کی تعریف مین بھی اس سرخی سے نکلے تھے "عیب حالی کے بہت تم نے گنائے اے پنچ + اشک شوئی کو دو چار ہنر بھی کہدو"۔

بڑی عنایتین کین۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد نے اپنے کلام نظم و نثر کی اصلاح کے لئے دوسو روپیہ ماہوار مقرر کر دیا ہے اسکے علاوہ خلعت خوشنودی اور فی شعر جو پسند خاطر ہو جاتا ہے ایک اشرفی عنایت فرماتے ہین۔ حضور نظام مجھسے پہلے ہی سے واقف تھے پہلے دن جب مین حاضر خدمت ہوا تو نظر گذرانی اور اپنی کچھ کتابین بھی پیشکش کین اعلیٰ حضرت نے ذرہ نوازی کی کہ ایک ٹکڑا دربار کے بیان کا سیر سے سیر کہسار سے اور ایک مقام جام سرشار سے سماعت فرمایا۔ مین نے ایک تاریخ شاہزادہ کی ولادت کی مبارکباد مین بندگان عالی کی خدمت مین پیش کی جسکو اعلیٰحضرت نے بہت پسند فرمایا۔ میرا نام معززدرباریون کی فہرست مین شامل ہو گیا ہے اور کوشش کیجا رہی ہے کہ منصب بھی ملے۔ اگر خدا نے چاہا تو میرا جدید ناول "گور غریبان" اک ہفتہ کے عرصہ مین شایع ہو جائیگا۔

کچھ عرصہ تک سرشار دبدبۂ آصفیہ کی ادارت کرتے رہے۔ اُن کا ناول چنچل اسی اخبار مین نکلتا تھا مگر پورا نہین ہوا۔ "گور غریبان" جس کا ذکر انکے خط مین ہے شایع نہو سکا اور چنچل کوئی باوقعت تصنیف نہین ہے۔ آخر عمر مین سرشار نے مے نوشی کی بڑی کثرت کر دی تھی اور یہی اُن کی قبل از وقت موت کا باعث ہوئی چنانچہ انکا انتقال حیدرآباد ہی مین سنہ ۱۹۰۲ء مین ہوا۔

سرشار نہایت خوشگو شاعر تھے اسیر کے شاگرد تھے اور خوب کہتے تھے سنہ ۱۸۹۴ء مین انہون نے اپنا ایک قصیدہ کشمیری کانفرنس مین پڑھا تھا اور ایک مثنوی تحفہ سرشار بھی لکھی ہو جو اس موقع پر لکھی گئی تھی جبکہ پنڈت بشن نرائن در کی واپسی انگلستان پر بڑا نے خیال کے کشمیری ہندوون مین اک قسم کی برہمی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور اسکی معقول باتون سے لوگون کی برہمی سفر ولایت کی نسبت اک حد تک رفع ہو گئی۔

عام عادات و اخلاق

سرشار حقیقی معنے مین آزاد مزاج تھے۔ قوت حافظہ بہت قوی پائی تھی اور تعصب اور مذہبیت سے بالکل بری تھے۔ باتین بہت دلچسپ اور مزے کی کیا کرتے تھے اور طبعًا ظریف واقع ہوے تھے۔ مے خواری نے اُنکے ساتھ بھی وہی کیا جو درگا سہاے سرور کے ساتھ کیا تھا یعنے ایک ہونہار زندگی کا بلد خاتمہ کر دیا۔ اردو ناول کو انگریزی طرز پہ لکھنے کا فخر اُنہین کو

پنڈت رتن ناتھ سرشار
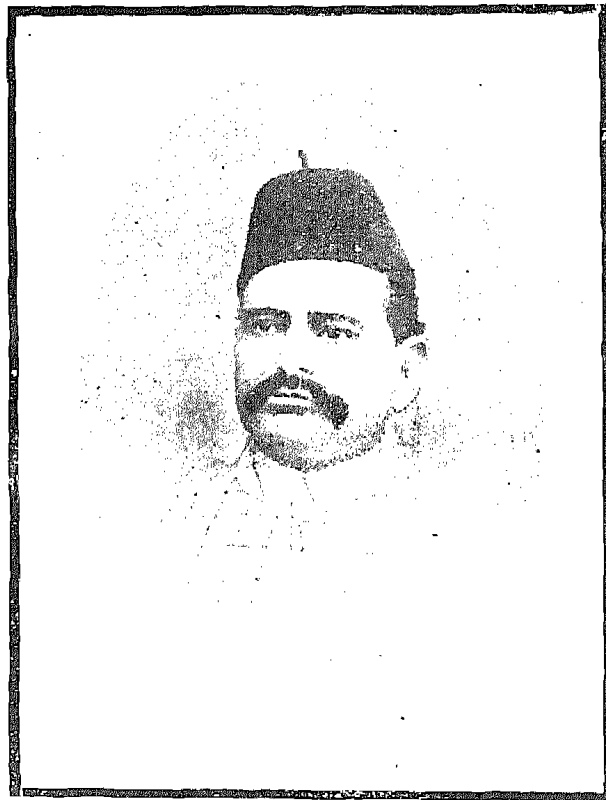
حاصل ہے اور اسی کے ساتھ وہ ایک زبردست جرنلسٹ، ایک مشہور مصنف، اردو کے زبردست زباندان، ظریف اور بذلہ سنج اور ایک طرز خاص کے موجد بھی تھے۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اُنکی شہرت کو کچھ تو لوگونکے تعصب نے اور کچھ اُنکی ذاتی بے پروائی اور لااُبالی پن نے کم کر دیا۔ اُنکی فسانہ آزاد اور دیگر تصانیف مین اکثر جگہ جو رطب و یابس اور درجہ سے گری ہوئی باتین پائی جاتی ہین اُسکی وجہ زیادہ تر اُنکے مزاج کی جلد بازی اور بے پروائی کہی جاسکتی ہے۔ اُنکی شراب نوشی کبھی اُنکے تخیل مین پر لگادیتی اور کبھی اُسکے بار سے اُنکا دماغ معطل اور بیکار ہوجاتا تھا۔ انہین وجوہ سے نہ وہ کبھی اپنے مسودہ پر نظر ثانی کرتے ... کبھی پروف پڑھنے کے عادی تھے ہمیشہ برجستہ اور قلم برداشتہ لکھتے اور اگر کسی وقت پر قلم نہ ملتا تو تنکے سے کام نکال لیتے تھے۔ اسی بے پروائی اور بے اصولی سے اُنکے قایم کئے ہوے پلاٹ اُنکے دکھاے ہوئے کیرکٹر اُنکے بیان کئے ہوئے واقعات مین اکثر جگہ حد درجہ بے ربطی اور عدم تسلسل پایا جاتا ہے۔ جب کبھی اُنسے کوئی مضمون لکھوانا ہوتا تو مالک مطبع شراب کی ایک بوتل پیش کرتے اور وہ اُس مضمون کو فوراً لکھ ڈالتے۔ مگر اس طبعی کمزوری کے ساتھ انمین خودداری اور آزادہ روی بھی اتنی تھی کہ کبھی کسی امیر و رئیس کی خوشامد نہین کی، اور اپنی شہرت کے واسطے کسی دوسرے کے شرمندۂ احسان نہین ہوئے خود انکی قابلیت اور طباعی اور ذہانت اُنکی شہرت کا حقیقی باعث تھی۔ آخر عمر مین البتہ وہ زمانہ کے ہاتھ سے تنگ آکر حیدرآباد گئے تاکہ دولت آصفیہ کے زیر سایہ کچھ دلون بفراغت زندگی بسر کرین۔ مگر بدنصیبی نے پرانی عادتونکی طرح وہان بھی اُنکا ساتھ نچھوڑا۔ اور آخر کار وہین پیوند خاک ہوے اور غالب کے اس قطعہ کے مصداق ہوئے۔

رہیئے اب ایسی جگہ چلکر جہان کوئی نہو   ہم سخن کوئی نہو اور ہمزبان کوئی نہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہو تیمار دار   اور اگر مر جایئے تو نوحہ خوان کوئی نہو

تصانیف اُنکے حسب ذیل تصانیف بہت مشہور ہین۔ فسانۂ آزاد۔ سیر کوہسار۔ جام سرشار۔ کامنی۔ خدائی فوجدار۔ کڑم دھم۔ بچھڑی دُلھن۔ ہُشو۔ طوفان بے تمیزی۔ رنگے سیار۔ پی کہان۔ شمس الضحیٰ

والیس[1] کی کتاب رشیا کا ترجمہ اردو میں - لارڈ ڈفرن کی کتاب "لیٹرز فرام ہائی لیٹی ٹوڈس" کا ترجمہ اُردو میں -

فسانۂ آزاد | جیساکہ اوپر بیان ہوا فسانۂ آزاد شروع میں اودھ اخبار کے کالموں میں نکلتا تھا - اس کی اشاعت نے دنیائے اُردو میں ایک عجیب ہل چل ڈالدی - جب یہ اخبار میں نکلتا تھا تو لوگوں کو اتنا اشتیاق ہوتا تھا کہ دوسرے پرچہ کے لئے بیتاب رہتے تھے - پنڈت بشن نارائن در آنجہانی اس کتاب کی نسبت یوں رقمطراز ہیں :-

قصہ کا پلاٹ تو بہت سادہ بلکہ حد درجہ بے مزہ ہے مگر ڈھائی ہزار کلیان صفحے پڑھتے چلے جائیے ذرا بد مزہ نہیں ہو جیے گا بلکہ سطر سطر پر اشتیاق بڑھتا جائیگا محض اسوجہ سے کہ عبارت آرائی غضب کی ہے - طرز ادا نہایت بے تکلف اور آسان تازہ ادنیچرل بیتکلی اور واضح - پھر اسکے ساتھ جابجا پر لطف ظرافت - پھڑکتے ہوئے فقرے - مزیدار شوخیاں - ترکی برترکی جواب - حماقت آمیز مضحک باتیں جنکو پڑھکر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائینگے - آزاد اصل قصہ کا ہیرو ایک دولتمند نوجوان دنیا دار شخص بہت حسین اور طرحدار تعلیم یافتہ - کئی زبانوں سے واقف - سپاہی پیشہ ظریف - شاعر - عاشق مزاج - اچھے دام باتیں کرنے والا - اور ہر اچھی صورت پر مرنے والا - ایکطرف اعلی سوسائٹی کی زیب و زینت - دوسری طرف ایک بھٹیاری کا عاشق جان باختہ - بیگمات کو بھی للچائی ہوئی نظروں سے گھورنے والا - اتفاقاً یہ میاں آزاد ایک حسین دولتمند حسن آرا نام پر لٹو ہوتے ہیں - اُس سے عشقبازیاں کرتے ہیں - آخر وہ اُنکے ساتھ اس شرط پر عقد کرنیکے لئے راضی ہوتی ہے کہ پہلے وہ ٹرکی جائیں - لشکر اسلام میں نام کمائیں - روسیوں سے نبرد آزمائی کریں - آزاد اپنی معشوقہ کے احکام کی بجا آوری خوشی خوشی

---

[1] سرڈونالڈ مکنزی والیس - لارڈ ڈفرن اور مارکوئس آف لینسڈون کے پرائیوٹ سکرٹری نہایت قابل اور صاحب تصنیف اور بڑے سیاح تھے - انسائیکلو پیڈیا برٹانکا کی دسویں اڈیشن کے ڈائرکٹر رہ چکے ہیں -

شوق قدوائی

کرتے ہین - اور بقول شخصے بندھا خوب مار کھاتا ہے ہل ہانکنے کو دون بھاگتے ترکی جاتے ہین روسیون سے لڑتے ہین اور مظفر و منصور واپس آتے ہین - اپنی جانبازیون کے بدلے اپنی معشوقہ سے ایفاے وعدہ چاہتے ہین اور اپنے مقصد مین کامیاب ہوتے ہین - یہ ہے اصل قصہ اور جہانتک قصہ کے پلاٹ کا تعلق ہے - اس سے بدتر اور بیہودہ تر شاید ہی کوئی قصہ انسانی دماغ سے نکلا ہوگا - مگر اسی قصہ کو رتن ناتھ در کی زبان سے سنیے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک نگارخانہ چین مین چلے جا رہے ہین جسکی دلکش جیتی جاگتی تصویرین الفاظ کا جادو تخیل کی کثرت - مناظر کی چونچالی ایسی ہے کہ جب اس آئینہ خانہ سے گزرتے ہین تو کچھ یقین کچھ شک کرتے ہوئے ایک طلسم کدہ ہمارے نظرون کے سامنے آجاتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زبردست بازیگر نے اپنے کرتبی ڈنڈے سے یہ سارا سمان ہمارے سامنے کھینچ دیا ہے -

مندرجۂ بالا ریویو لفظاً لفظاً صحیح ہے - فسانۂ آزاد کو پلاٹ کے تناسب کیرکٹر نگاری کے اسلوب اور قصہ کی تدریجی ترقی اور دلچسپی کے لحاظ سے نہ پڑھنا چاہیئے - اصل قصہ کو اک کھونٹی سمجھنا چاہیئے جس پر ہزارون واقعات ٹنگے ہوئے ہین اور انھین علیحدہ علیحدہ واقعات کے پڑھنے میں سارا لطف آتا ہے - وہ اُن کا مذاق و ظرافت، وہ دلچسپ کیرکٹر وہ شوخیان اور حاضر جوابیان یہی سب باتین کتاب کی جان ہین - فسانۂ آزاد مین مثل ڈوما[۱] کے ناولون کے ساری عمدگی اور دلچسپی اشخاص قصہ کی باتون مین ہے نہ کہ نفس قصہ کے بیان مین - سرشار مکالمہ کے استاد ہین اور کیرکٹر نگاری کی خوبیان طول طویل بیان سے نہین بلکہ خود اُن اشخاص کی گفتگو سے نہایت کامیابی سے دکھلاتے ہین -

سرشار کی مرقع نگاری سرشار مثل مرزا رجب علی بیگ سرور کے پُرتکلف اور مقفیٰ عبارت نہین

---

[۱] اس نام کے دو ناولسٹ باپ اور بیٹے فرانس مین گزشتہ صدی مین بہت مشہور و معروف گذرے ہین ان کے اکثر ناول نہایت دلچسپ ہین ۱۲ -

پسند کرتے نہ وہ برائیون کو چھپاتے اور اچھائیون کو چمکاتے ہین بلکہ ہو بہو تصویرین کھینچتے ہین اور علی الخصوص اشخاص لکھنؤ اعلیٰ وادنےٰ امیر و غریب سب کے سب بے مثل مرقعے اپنے اس لاجواب کتاب مین کھینچ دئے ہین۔ اُن کے اشخاص قصہ سایہ کی طرح ہماری آنکھون کے سامنے نہین گذرتے، بلکہ وہ ہمارے آپ کی طرح گوشت و پوست کے بنے ہوے چلتے پھرتے جیتے جاگتے معلوم ہوتے ہین۔ پنڈت بشن نراین در اسکی نسبت لکھتے ہین :-

"اگر تم لٹکے محبوس کے اندر جاؤ۔ غل غپاڑے والے طوفان بے تمیزی کے مجمع۔ تو تمکو بڑی احتیاط سے جانا ہوگا کہین ایسا نہو کہ لوگون کی دھکم دھکی سے تم خود نہ گر پڑو اور اس کی احتیاط کرنا ہوگی کہ تمہاری گھڑی یا کوئی اور چیز جو تمہاری جیب مین ہے کہین نکل نہ جائے۔ یہی حال اُنکے محرم، چہلم اور عیش باغ کے میلون کا ہے کہ تم وہان اپنے تئین ایک عجیب بھیڑ مین پاتے ہو جسمین شہر بازار، پتنگ باز۔ افیمی۔ زرق برق نواب معہ اپنے ڈیڑھ خمسے زرد رو مصاحبون کے۔ رنڈیان گاڑیون مین سوار کسی بڑھے فیل سوار تماشبین سے آنکھین لڑا رہی ہین۔ فقیر گاڑیون کے پیچھے دوڑتے دعائین دیتے جا رہے ہین اور اگر کچھ نہین ملتا ہے تو چپکے چپکے سیکڑون صلواتین سناتے ہین۔ فاقہ مست عاشق۔ رنگیلے بیکار۔ عورتین خوبصورت بدصورت۔ کوئی اپنے کھوئے ہوئے بچے کو آواز دے رہی ہے۔ کوئی اپنے یار سے لڑ رہی ہے۔ کوئی کسی نواب صاحب کے مصاحب خاص سے ناز و انداز کی باتین کر رہی ہے۔ پولیس کا کنسٹبل۔ چور۔ اُچکے چنگی کا محرر۔ ریلوے بابو۔ ٹھاکر صاحب کسی قریب کے گاؤن سے میلا دیکھنے آئے ہین۔ لالہ بھائی کسی تنبولی یا تنبولن سے فارسی لغت چھانٹ رہے ہین۔ انگریزی نما گریجویٹ سگرٹ منہ مین دبا ہوا اینولیٹن کے مسلمان ترکی ٹوپی ڈالے۔ بنگالی بابو مین نرم دھوتیان ہوا مین اڑاتے ہوئے۔ یہ سب وہ مجمع ہے جسکی سرشار تمکو سیر کراتے ہین جسمین ہزارون مختلف آوازین تمھارے کانون مین آ رہی ہین اور چارون طرف زندہ چلتے پھرتے باتین کرتے غل مچاتے انسانون کا ایک سمندر موجزن ہے اور پھر ان سب پر طرہ یہ کہ اس عظیم الشان مجمع مین ہر آدمی کو اُسکی بات چیت اور اُسکے حرکات و سکنات سے تم بخوبی پہچان سکتے ہو۔"

فسانۂ آزاد بلکہ سرشار کی اکثر ناولون کی خاص خصوصیات یہ دو چیزین ہین یعنی (۱) لکھنؤ کی اس زمانہ کی سوسائٹی کی ہو بہو تصویرین کھینچنا اور (۲) شوخی و ظرافت۔ ہمارے نزدیک کسی شاعر یا ناثر نے اس سے قبل لکھنؤ کے آخری دور تمدن اور سوسائٹی کی صحیح تصویرین اسقدر جزئیات کے ساتھ کبھی نہ کھینچی ہونگی۔ سرشار پرانے رنگ کے نوابون اُنکے افعال و اشغال انکے مصاحبون اور ہم جلیسون کے سچے نقشے کھینچنے مین کمال رکھتے ہین اور باوصف اس کے کہ وہ ہندو تھے مگر سخت حیرت[۱] ہے کہ مسلمانون کے بڑے گھرانون کے اندرونی حالات اور بیگمات کی طرز معاشرت اور بول چال سے وہ اسطرح واقف ہین کہ کوئی مسلمان بھی اُنسے بہتر نہین جان سکتا۔ اُنھون نے ہماری آنکھون کے سامنے سے پردہ اٹھا دیا ہے اور ہم ہندو اور مسلمان حرمسراؤن کے اندرونی حالات نہایت صفائی سے بالکل بے پردہ دیکھتے ہین۔ انکو مختلف پیشہ ورون کی خاص خاص اصطلاحین مختلف جماعتون کے خاص خاص بولیان اور اُن کا طرز ادا، دیہاتی بولی۔ بیگمات اور انکی مغلانیون اور پیشخدمتون کی بات جیسے بھٹیارے اور بھٹیارن۔ افیمی چنڈو باز۔ شرابی جوا اُچکون کی زبان، دیہاتی گنگھے ٹھا کرون اور پڑھے لکھے لالہ بھائیون کا طرز تکلم۔ اِن سب پر اُنکو کامل عبور حاصل ہے۔

سرشار کی شوخی اور ظرافت اُنکا مذاق کامل، مہذب اور آزادانہ ہے۔ البتہ اُسمین غالب کی سی لطافت اور نمکینی نہین ہوتی اور الفاظ کی رو مین اور محاکات کے شوق مین کبھی وہ اسقدر بڑھ جاتے ہین اور اُنکا سمند طبع اسقدر بیقابو ہو جاتا ہے کہ وہ فحش سے بھی پرہیز نہین کرتے۔ مگر باوجود اسکے اس خاص چیز یعنی شوخی اور ظرافت مین کوئی اِن کے قریب تک نہین پہونچتا۔ مکالمات لکھنے مین وہ کمال رکھتے ہین علی الخصوص ادنیٰ طبقہ کی بول چال اُنکے ٹکے بندے فقرے اُنکے ضلع جگت کو وہ من وعن ادا کر دیتے ہین

[۱] یہ کوئی حیرت کا مقام نہین۔ یہ اُس زمانہ کے ہندوون اور مسلمانون کے میل جول اور دلی اتحاد کا بین ثبوت ہے دوسری مثال اس کی نظیر اکبرآبادی کی ہے جنھون نے ہندوون کے تہوار میلے ٹھیلے یہانتک کہ اُنکے مذہبی معتقدات تک کو کس قدر واقفیت اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اب جبکہ دونون قومون کے درمیان نفسانیت اور تعصب کی ایک آہنی دیوار قائم ہے تو یہی باتین تعجب اور حیرت کی معلوم ہوتی ہین۔

اِس رنگ زمانہ کو بے نقاب کرنے کی نسبت پنڈت بشن نراین درنے اُسی مضمون مین جس سے بعض
مقامات اوپر نقل کیے گئے اسطرح رقمطراز ہین۔

"بے ادبی و گستاخی، پرانے رسوم و خیالات کا استیصال، دنیاوی لذتون سے تمتع۔ موجودہ چیزون کی
ناپسندیدگی یہی سب خیالات اُنکے زمانہ مین لوگون کے دلون کو مسخر کیے ہوئے تھے اور وہ خود بھی یہی خیالات
رکھتے تھے۔ پس کوئی شخص انکی سچائی اور راست بیانی پر اعتراض نہین کرسکتا جبکہ وہ اپنے کلام کو اس
رنگ مین ڈبوتے ہین اور اسکو طرح طرح کی خوبیون سے آراستہ بھی کرتے جاتے ہین۔ مگر اسی کے ساتھ وہ
اُس آزادانہ تحریک کے بڑے حامی ہین کہ جو پرانے خیالات اور قدیم رسم و رواج کو توڑنا چاہتی تھی۔
ہر سوسائٹی کے منازل ارتقا مین ایک ایسا درجہ ضرور آتا ہے کہ جب عیوب اور غلطیون کی اصلاح کے واسطے ظرافت
اور استہزا مثل وعظ و نصیحت کے مفید ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔ اور جب بدکاری کی بُرائی دکھانیکا
یہی بہترین طریقہ ہے کہ وہ عُریان کرکے دکھائی جائے۔ بہت سی غلطیان جو وعظ و نصیحت سے اصلاح
نہین پاسکتین اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہ ایک مذاقیہ جملے سے بالکل دہل جاتی ہین اور ایک طنز آمیز قہقہہ
کی گولی عیوب کی تیز پرواز چڑیا کو فوراً گرادیتی ہے۔ رتن ناتھ سے جب کسی اخلاق آموز واعظ یا مولوی
سے کسی پرانے خیال کے چھوت چھات ماننے والے سے کسی دولت پر گھمنڈ کرنے والے یا حسب و نسب
پر فخر کرنے والے سے مڈبھیڑ ہوتی ہے۔ اور وہ انکی پند و نصیحت کو انکی ڈینگون اور شیخی کی باتون کو
سنتے ہین تو وہ اُن سے بحث و مباحثہ نہین کرتے نہ کبھی اُن سے لڑنا جھگڑنا چاہتے ہین بلکہ صرف
ان کا مذاق اُڑانے لگتے ہین۔ اور گو کہ متانت پسند لوگ انکی اس ادا کو ناپسند کرین مگر باقی اور لوگ
جو اس تماشے کو دیکھتے اور انکی باتون کو سنتے ہین ہنسی کے مارے لوٹ جاتے ہین جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ مسخرہ نے اپنی باتون سے اُنکے دلون کو موہ لیا اور اسکے بعد سے وہ لوگ جو مسخرہ کے ساتھ ہنس
چکے پھر کسی واعظ کی تعلیم و تلقین پر نہین روتے۔ پس رتن ناتھ کی نصیحت کا یہی طریقہ ہے۔ وہ تمسخر کرتے
ہین ہنستے ہین اور فتح پاتے ہین۔ اسی وجہ سے ہم انکو سوسائٹی کی برائیون کا ایک بہت بڑا مصلح سمجھتے ہین
اگر وہ کسی خاص اصلاحی تحریک سے تعلق نہین رکھتے اُنھون نے کسی پیغمبر یا مصلح قوم کی طبیعت نہین

پائی تھی وہ دل سے مسخرے اور ہنسی مین امداد دینے والے تھے"۔

سرشار کی کیرکٹر نگاری سرشار کیرکٹر نگاری کے استاد ہین مگر وہ ہو بہو نقشے نہین کھینچتے بلکہ اصلیت کے ساتھ مبالغے سے بھی کام لیتے ہین اسی وجہ سے اُنکے کیرکٹرون مین ڈکنس اور تھیکرے[1] دونون کا مجموعی رنگ پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے تمام کیرکٹرون مین جو خاص اور ممیز باتین ہوتی ہین اُن کو چُن لیتے ہین اور انہین مین وہ وہ شگوفے پیدا کرتے ہین جنکو پڑھکر آدمی ہنستے ہنستے لوٹ جاتا ہے۔ اِن کے کیرکٹرون کو اس نظر سے نہ دیکھو کہ وہ بالکل نیچر کے مطابق ہین بس اُنکو پڑھو اور ہنسو اور یہی کافی ہے۔

خوجی خواجہ بدیع الزمان معروف بہ خواجہ بدیعا مخفف خوجی[2]۔ وہ پُرانا بے وقوف، مسخرہ، آزاد کا ہمراز دیار غار، کمزور ونکو دبانیوالا، زٹلیا، عیاش، زٹلیا، بدمعاش، جسمانی اور دماغی کمزوریون کا پوٹ، بونا جو اپنے تئین ہرگز بونا نہین سمجھتا بلکہ بونا کہنے سے سخت بُرا مانتا ہے اپنے گذشتہ کارنامون پر جو سراسر لغو اور جھوٹ ہین ڈینگین مارنیوالا، جہان جائے لوگ اُسپر آوازے کسین اور پھبتیان اُڑائین، ہمیشہ اس خیال مین کہ دنیا جان بوجھکر اُسکی بڑائیون اور خوبیون پر خاک ڈالتی ہے اُسکا مسخرا پن، اُسکی دل لگیان، اُسکی آزادی کے ساتھ محبت و وفاداری، اُس کا اپنے چھوٹی سی تلوار لیکر پترے بدلنا، اُس کا بات بات پر قسم کھانا، اُسکی اپنی بزدلی چھپانیکی ترکیبین، انہین سب باتون سے وہ لوگون کے دلون مین گھر کئے ہوئے ہے اُسکے

---

[1] انگلستان کے گذشتہ صدی کے دو مشہور ناولسٹ گذرے ہین۔

[2] دنیائے افسانہ کے اس عجیب و غریب کیرکٹر کا سرشار نے جو خاکہ اپنے خاص رنگ مین کھینچا ہے حسب ذیل ہے "گیدیون کے قبلہ گاہ بدیون کے پشت و پناہ گاودیون کی جان، بلکہ روح روان سودائے حماقت کے پشتیبان، چھچھے پہلوان میان خواجہ بدیع الزمان صاحب بدیع (آنجہانی) عرق بحر نادانی نہایت حیرانی اور بغایت پریشانی سے دل ہی دل مین ...... ٹھنڈی سانسین بھرتے شش گام جانے لگے اور چونکہ ماشاء اللہ ڈنڈ پیل جوان اور کامل فن پہلوان تھے یہ کیفیت ہوئی کہ دس قدم چلے اور تیورانے لگے۔ اللہ ری طاقت۔ اول تو پستہ قامت۔ ماشہ بھر کا قد۔ دوسرے قطع شریف از بس موزون اونٹ کی طرح کوئی کل درست نہین۔ اُسپر طرہ یہ کہ مدت کے بعد اک چوبی قرولی جو کسی استاد نجار نے پیر مرد کو بطریق نذر دی تھی زیب دست تھی مثل مشہور ہے "اوچھے کے گھر تیتر۔ باہر رہے نہ بھیتر" کبھی داہنے ہاتھ مین لی بازار والون کی طرف

اکثر فقرے اور جملے اردو مین ضرب المثل ہو گئے ہین[۵۱]۔ اس عجیب غریب کیرکٹر کی آفرینش سے سرشار ہمیشہ یادر ہینگے۔ تمام ادب اردو اُس کا مدمقابل اب تک پیدا نہین کرسکا۔ وہ ادب ظریفانہ کی سب سے زیادہ اوزنجبل اور سب سے زیادہ عجیب مخلوق ہے ۔

دیکھکر چمکائی۔ کبھی بائین ہاتھ مین لی اور اکڑ کے چلنے لگے۔ اب زمین پر قدم ہی نہین رکھتے ۔ دماغ فلک الافلاک پر ہے اللہ ری نخوت ۔ اور کیون نہو خدا نے حسن دیا تو گلو سوز۔ نور عطا کیا تو عالم افروز۔ ایک تو گران ڈیل جوان دوسرے فن سپہگری مین طاق کشتی کے پہلوان۔ بانک پٹے۔ بانے۔ بنوٹ مین مشاق ۔ اور خانہ جنگی مین شہرۂ آفاق اور سب صفتون سے بڑھکر یہ صفت جناب باری نے عطا کی تھی کہ میدان جنگ مین بھاگتون کے مقدمۃ الجیش۔ سپہ سالار نامدار بنتے تھے۔ کوئی اور بھاگے یا نہ بھاگے یہ سب کے پہلے میدان چھوڑنے کی فکر کرتے تھے اللہ ری بہادری۔ بازار مین اس عجیب الخلقت پر جسکی نظر پڑتی بے اختیار ہنس دیتا تھا کہ ماشاءاللہ کیا قطع ہے اور ابس پوسے پن پر اکڑنا اور تن تن کر چلنا اور اینڈنا اور شہکا مچانا اور مصنوعی قرولی سے چھیڑ کو بٹانا اور بھی لطف دیتا تھا۔ فقرہ باز آپ جانیے زمانہ بھر کے بے فکرے انکو شگوفہ ہاتھ آیا جس گلی کوچے کی طرف سے خوجی نکلجاتے تھے لوگ انگلیان اُٹھاتے تھے اور پھبتیون کے پھرے چلے جاتے تھے ۔

(۱) ذرا سنبھلے ہوئے حضرت دیکھئے کہین ٹھوکر نہ لگے ۔

(۲) آدمی کیا بنگلہ کا مرغن ہے کیا گھٹ پٹ جارہا ہے ۔

(۳) ہمکو تو چنڈول معلوم ہوتا ہے (قہقہہ لگاکر) ۔

(۴) کلنگ کے بادن ادتا کے ذریات مین سے ہے ۔

(۵) اکڑ تے تو بہت جاتے ہو کہین ایسا نہ ہو کہ کوئی چپت دے قرولی و ردی چھین لے ۔

(۶) ہاتھ پاؤن ماشاءاللہ کتنے سڈول ہین ۔

(۷) ارے میان بھین ذری ادھر تو دیکھو یہ بھیڑیے کے بھٹ سے نکالے گئے ہین سنا ابھی تک آدمی کی بولی نہین بول سکتے ۔

[۵۱] خوجی کے جملے ضرب المثل نہین ہوئے بلکہ وہ خود ضلع جگت کی طرح شلیس بھی بولنے کا بہت شایق ہے ۱۲۔

سرشار نے اپنے ناولون سے ان نیچرل چیزون کو خارج کر دیا

ایک خاص صفت انکی تصانیف کی یہ ہے کہ انھون نے غیر فطری جزو کو اپنے ناولون سے خارج کر کے انسانی زندگی کے معمولی معمولی واقعات مین ایک غیر معمولی دلچسپی پیدا کر دی - مولوی نذیر احمد کا بھی یہی خصیصہ ہے - مگر اُنمین اور سرشار مین یہ فرق ہے کہ اُنکے قصے صرف اخلاقی اور نصیحت آموز ہین جنکی غرض صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ انکو عورتین پڑہین اور انسے فائدہ اُٹھائین - اور اسیوجہ سے اُنمین دلچسپی اور حیرت انگیزی کم ہے - ہماری راے مین سرشار سب سے پہلے شخص ہین جنھون نے زندگی کے معمولی معمولی واقعات کو قصہ کے پیرایہ مین دل بہلانے کی غرض سے لکھا جو زمانہ حال کی ناولون کی اصلی اور صحیح غرض ہے -

نقایص کلام

سرشار کے قصون مین مندرجہ ذیل نقایص تباے جاتے ہین (۱) پلاٹ مربوط اور منتظم نہین ہوتے - فسانۂ آزاد ایک باقاعدہ پلاٹ کا قصہ نہین لہذا مصنف جب واقعات مین ایک ترتیب و نظام قایم کرنیکی کوشش کرتے ہین تو ناکام رہتے ہیں وہ تمام متفرق واقعات کو کبھی یکجا نہ کر سکے اور اُن سے کبھی باقاعدہ اور مرتب پلاٹ نہ تیار کر سکے - یہی کمزوری اُنکے دوسرے ناولون مین بھی نمایان ہے - اسکی وجہ بظاہر انکی بے پروائی اور بےقاعدگی معلوم ہوتی ہے جسکی وجہ سے وہ کوئی چیز مستقل باقاعدہ طور پر نہین کر سکتے تھے - وہ ایک سچے آرٹسٹ کی محنت اور شوق کیساتھ کام کرنے سے گھبراتے تھے - اور اخبار کی اڈیٹری یا اُسکے واسطے قصے تیار کرنا اُنکو ایک بارگران معلوم ہوتا تھا - افسوس ہے کہ ایسے طباع اور ذہین آدمی نے بوجہ اپنے وارفتگی مزاج اور پابندی قواعد سے گھبرانے کے اپنی خلقی طباعی و ذہانت سے پوری طرح کام نہین لیا اور اسکی قدر نہین کی - (۲) یہی سبب اُن کے واقعات مین عدم تسلسل اور ابواب مین بیربطی کا بھی ہے اور شاید اسی وجہ سے اُنکے کیرکٹرون مین ہمواری اور یکرنگی نہین ہے جو قصے کے سلسلے مین سیکڑون رنگ بدلتے رہتے ہین - وہ وقتی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہین اور کیرکٹرونکے خصایص اُنکے دماغ مین قایم نہین رہتے اسیوجہ سے وہ انکو نباہ نہین سکتے - فطری بےصبری اور جلدبازی کی وجہ سے اُنکا قلم سرپٹ گھوڑے کی طرح دوڑنے لگتا ہے - وہ لکھتے رہتے ہین خواہ طبیعت حاضر ہو یا نہو جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب اُنکی فکر مین قوت پرواز نہین

اکثر فقرے اور جملے اردو مین ضرب المثل ہوگئے ہین[له]۔ اس عجیب غریب کیرکٹر کی آفرینش سے سرشار ہمیشہ یاد رہینگے۔ تمام ادب اردو اُس کا مدمقابل اب تک پیدا نہین کر سکا۔ وہ ادب ظریفانہ کی سب سے زیادہ اتزنجبل اور سب سے زیادہ عجیب مخلوق ہے ۔

دیکھکر چمکائی۔ کبھی بانہین ہاتھہ مین لی اور اکڑ کے چلنے لگے۔ اب زمین پر قدم ہی نہین رکھتے۔ دماغ فلک الافلاک پر ہے۔ اللہ ری نخوت۔ اور کیون نہو خدا نے حسن دیا تو گلو سوز۔ نور عطا کیا تو عالم افروز۔ ایک تو گران ڈیل جوان دوسرے فن سپہگری مین طاق کشتی کے پہلوان۔ بانک، پٹے، بانے، بنوٹ مین مشاق۔ اور خانہ جنگی مین شہرۂ آفاق اور سب صفتون سے بڑھکر یہ صفت جناب باری نے عطا کی تھی کہ میدان جنگ مین بھاگنے کے مقدمتہ الجیش۔ سپہ سالار نامدار بنتے تھے۔ کوئی اور بھاگے یا نہ بھاگے یہ سب کے پہلے میدان چھوڑنے کی فکر کرتے تھے اللہ ری بہادری۔ بازار مین اس عجیب الخلقت پر جسکی نظر پڑتی بے اختیار ہنس دیتا تھا کہ واہ ماشاء اللہ کیا قطع ہے اور ابھی بوسنے ہین پر اکڑنا اور تن تن کر چلنا اور اینڈنا اور ٹھہر جانا اور مصنوعی قرولی سے چھیڑ کو بنانا اور کبھی شلف دیتا تھا۔ فقرہ باز آپ جانئے زمانہ بھر کے بے فکرے اُنکو شگوفہ ہاتھہ آیا جس گلی کوچے کی طرف سے خوجی نکلتے تھے لوگ انگلیان اُٹھاتے تھے اور پھبتیون کے چھرے چلتے جاتے تھے ۔

(1) ذرا سنبھلے ہوئے حضرت دیکھئے کہین ٹھوکر نہ لگے ۔

(2) آدمی کیا بنگیر کا انجن ہے کیا کھٹ پٹ جارہا ہے ۔

(3) ہمکو تو چنڈول معلوم ہوتا ہے (قہقہہ لگاکر) ۔

(4) کلنگ کے باون اوتار کے ذریات مین سے ہے ۔

(5) اکڑتے تو بہت جاتے ہو کہین ایسا نہ ہو کہ کوئی چپت دے قرولی ور دی چھین لے ۔

(6) ہاتھ پاؤن ماشاء اللہ کتنے سڈول ہین ۔

(7) ارے میان چھین ذری ادھر تو دیکھو یہ بھیڑیے کے بھٹ سے نکالے گئے ہین سنا ابھی تک آدمی کی بولی نہین بول سکتے ۔

له خوجی کے جملے ضرب المثل نہین ہوئے بلکہ وہ خود ضلع جگت کی طرح شلین بھی بولنے کا بہت شایق ہے ۱۲۔

سرشار نے اپنے ناولون سے ان نیچرل چیزون کو خارج کر دیا

ایک خاص صفت انکی تصانیف کی یہ ہے کہ انہون نے غیر فطری جز د کو اپنے ناولون سے خارج کرکے انسانی زندگی کے معمولی معمولی واقعات مین ایک غیر معمولی دلچسپی پیدا کر دی - مولوی نذیر احمد کا بھی یہی خصیصہ ہے - مگر اُنمین اور سرشار مین یہ فرق ہے کہ اُنکے قصے صرف اخلاقی اور نصیحت آموز ہین جنکی غرض صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ انکو عورتین پڑہین اور انسے فائدہ اُٹھائین - اور اسیوجہ سے اُنمین دلچسپی اور حیرت انگیزی کم ہے - ہماری راے مین سرشار سب سے پہلے شخص ہین جنہون نے زندگی کے معمولی معمولی واقعات کو قصہ کے پیرایہ مین دل بہلانے کی غرض سے لکھا جو زمانہ حال کی ناولون کی اصلی اور صحیح غرض ہے -

نقایص کلام

سرشار کے قصون مین مندرجہ ذیل نقایص بتائے جاتے ہین (۱) پلاٹ مربوط اور منتظم نہین ہوتے - فسانۂ آزاد ایک باقاعدہ پلاٹ کا قصہ نہین لہذا مصنف جب واقعات مین ایک ترتیب و نظام قایم کرنیکی کوشش کرتے ہین تو ناکام رہتے ہیں وہ تمام متفرق واقعات کو کبھی یکجا نہ کر سکے اور اُن سے کبھی باقاعدہ اور مرتب پلاٹ نہ تیار کر سکے - یہی کمزوری اُنکے دوسرے ناولون مین بھی نمایان ہے - اسکی وجہ بظاہر انکی بے پروائی اور بیقاعدگی معلوم ہوتی ہے جسکی وجہ سے وہ کوئی چیز مستقل باقاعدہ طور پر نہین کر سکتے تھے - وہ ایک سچے آرٹسٹ کی محنت اور شوق کیساتھ کام کرنے سے گھبراتے تھے - اور اخبار کی ایڈیٹری یا اُسکے واسطے قصے تیار کرنا اُنکو ایک بار گران معلوم ہوتا تھا - افسوس ہے کہ ایسے طباع اور ذہین آدمی نے بوجہ اپنے وارفتگی مزاج اور پابندی قواعد سے گھبرانے کے اپنی خلقی طباعی و ذہانت سے پوری طرح کام نہین لیا اور اسکی قدر نہین کی - (۲) یہی سبب اُن کے واقعات مین عدم تسلسل اور ابواب مین بیربطی کا بھی ہے اور شاید اسی وجہ سے اُنکے کیرکٹرون مین ہمواری اور یکرنگی نہین ہے جو قصے کے سلسلے مین سیکڑون رنگ بدلتے رہتے ہین - وہ وقتی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہین اور کیرکٹرونکے خصایص اُنکے دماغ مین قایم نہین رہتے اسیوجہ سے وہ انکو نباہ نہین سکتے - فطری بےصبری اور جلد بازی کی وجہ سے اُنکا قلم سرپٹ گھوڑے کی طرح دوڑنے لگتا ہے - وہ لکھتے رہتے ہین خواہ طبیعت حاضر ہو یا نہو جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب اُنکی فکر مین قوت پرواز نہین

رہتی تردہ زمین پر کھسلنے لگتے ہین (۳) اُنمین فلسفیت اور اخلاق آموزی کی کمی ہے - اسیوجہ سے فسانۂ آزاد کی آخری جلد اور ہشو کے بھی آخری ابواب جنمین تعلیم نسوان، تھیاسوفی اور ترک مئیوشی وغیرہ کے متعلق وعظ نما تقریرین ہین نہایت بمزہ اور بے اثر ہین جب وہ اس کوچہ مین قدم رکھتے ہین تو پھر وہ سرشار نہین رہتے (۴) اُنمین جذبات کی بھی کمی ہے اسیوجہ سے اُنکی تصانیف مین تصاویر درد وغم کا پتہ نہین - انکی جذبات نگاری جہان کہین ہوتی ہے مصنوعی معلوم ہوتی ہے - اور ادہر اُدہر کے اقوال و اشعار سے اس کمی کو وہ پورا کرنا چاہتے ہین (۵) بعض جگہ اخلاق سے گری ہوئی اور غیر مہذب باتون کا بھی اُنپر الزام لگایا جاتا ہے اور فی الحقیقت اونہون نے بعض جگہ غیر مہذب اور سوقیانہ الفاظ استعمال کئے ہین جنسے ہمارے اخلاقی احساسات کو ضرور صدمہ پہونچتا ہے مگر اسکے جواب مین انکی طرف سے دو عذر پیش ہو سکتے ہین ایک یہ کہ اُس زمانہ کا جس مین وہ تھے رنگ ہی یہ تھا - دوسرے یہ کہ کسی عیب کی خرابی صرف اُسیوقت بخوبی ظاہر ہو سکتی ہے جبکہ اسکو عریان کر کے دکھایا جائے ورنہ لوگ اسکی اصلی حقیقت سے متاثر نہون گے (۶) اُنکے قصون مین کیرکٹرون یعنے اشخاص قصہ کی اتنی کثرت ہے کہ اُنکے کھینچے ہوے مرقعے اکثر گچ پچ ہو گئے ہین اور واقعات کی بھی اتنی کثرت ہے کہ تناسب قایم نہین رہا اور پڑھنے والے کی طبیعت مین دفور واقعات سے پریشانی پیدا ہو جاتی ہے - مگر سچ پوچھئے تو یہ سب اعتراضات اگر صحیح بھی مان لئے جائین تو اُس عظیم الشان خدمت کے مقابلہ مین ہیچ ہین جو انہون نے اپنی تصانیف سے ادب اُردو اور سوسائٹی کی انجام دی - اور اُن کے جزوی نقائص سے ہمکو اغماض کرنا لازم ہے -

سرشار بحیثیت ایک صاحب طرز کے

سرشار کا بہ حیثیت ایک ماہر زبان اور ایک صاحب طرز کے بہت بڑا مرتبہ ہے صاف، سلیس، بامحاورہ - اور زوردار عبارت لکھنے مین اُنکو اپنے ہمعصرون پر فوقیت حاصل ہے اور بہ حیثیت ایک صاحب طرز کے گو وہ آزاد سے دوسرے نمبر پر ہون مگر اور سب سے وہ ضرور بڑھے ہوئے ہین - اُنھون نے ایک ایسا طرز اختیار کیا تھا جو افسانہ نویسی کے واسطے نہایت موزون تھا اور اُنکی تصانیف مین لوگ نفس قصہ سے زیادہ عبارت سے دلچسپی لیتے ہین - ہر چند کہ بعض آدمیون

نے انکی زبان اور محاورات پر بھی اعتراض کئے مگر اس قسم کے اکثر اعتراضات غیر منصفانہ اور حسد و تعصب پر مبنی معلوم ہوتے ہین - زبان مین وہ ضرور بے روک ٹوک ہین اور کبھی ضرورت سے زیادہ صرف محاورات و اصطلاحات کرتے ہین مگر اسکی وجہ وفور خیالات اور قدرت زبان کہی جاسکتی ہے -

سرشار اور سرور کا مقابلہ

مرزا رجب علی بیگ سرور کے یہان تکلف اور آورد بہت ہے اور سرشار کی عبارت واضح بے تکلف اور نیچرل ہوتی ہے - سرور چیزون کا بیان کرتے ہین اور سرشار آدمیون کا - سرور آئیڈیل (خیالی) تصویرین کھینچتے ہین اور تصویرون کے محاسن کو ابھارتے اور معایب کو چھپاتے ہین - برخلاف اسکے سرشار کی تصویرین بالکل سچی اور ہوبہو ہوتی ہین - اور اچھائیان اور برائیان سب وہ بے تکلف ظاہر کر دیتے ہین - سرور کے یہان یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک باغ مین کھڑے ہوئے ہین - اسکے بیچون بیچ مین ایک خوبصورت نہر جاری ہے جسمین صاف سونے سا پانی بہتا ہے اور اُس کے کنارون پر گلاب اور ترشادے کے پھول مہک رہے ہین - سرشار ہمکو ایک عظیم الشان دریا کے پاس کھڑا کر دیتے ہین جسمین ہوا کے زور سے لہرین اُٹھ رہی ہین اور دریا کے قریب آس پاس کے جنگل سے سناٹے کی آوازین آرہی ہین کبھی کبھی دریا کے صاف پانی پر کوئی نجس اور خراب چیز بھی بہتی ہوئی چلی آرہی ہے - سرور کے مُرقعے اسوجہ سے دلچسپ اور حسین ہین کہ وہ اُن چیزون سے جنکو وہ بیان کرتے تھے خود بڑی محبت رکھتے تھے اور انمین کوئی عیب نہین دیکھتے تھے - سرشار برخلاف اسکے جس سوسائٹی کا خاکہ کھینچتے ہین اسکو پسند نہین کرتے بلکہ اکثر موقعون پر تو اس سے نفرت ظاہر کرتے ہین - اور اس نفرت و ناراضی کو وہ کہین چھپاتے نہین - پس کہا جاسکتا ہے کہ سرور قدامت پسند ہین اور زمانۂ قدیم سے تعلق رکھتے ہین اور سرشار اس نئی تحریک کے حامی ہین کہ جو فنون لطیفہ کو تکلف اور قدامت پسندی کے پنجہ سے چھڑا کر آزاد کرنا اور اُسکو نیچر کا متبع دیکھنا چاہتی ہے اور اسیوجہ سے وہ زمانۂ حال اور مستقبل دونون سے تعلق رکھتے ہین

اس مضمون کے اختتام پر ہم منشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ اور پنڈت رتن ناتھ سرشار کی عبارت کے نمونے پیش کرتے ہین تاکہ ناظرین کو دونون کے رنگ طبیعت سے آگاہی حاصل ہو منشی سجاد حسین کے مشہور ناول حاجی بغلول سے وہ مقام لیا جاتا ہے جہان "حاجی صاحب" اپنی

معشوقہ کنڈے والی کو یاد کر کے اُسکے تصور سے اپنے دل ہی دل مین باتین کر رہے ہین۔ اور فسانۂ آزاد
جلد چہارم سے اسیکے قریب قریب وہ مضمون نقل کیا جاتا ہے جسمین خوجی بمبئی پہنچنے سے کچھ پہلے جہاز
پر اپنی معشوقہ شتاب جان ورزن سے ملنے کے خیال مین بےچین ہو رہے ہین اور اسیکے متعلق آزاد
سے باتین ہو رہی ہین۔

(ماخوذ از حاجی بغلول) ناظرین ذرا چلئے اسوقت تنہائی مین حاجی صاحب بڑے کراہ رہے ہین
کان لگا کر سنئے تو کیا کہہ رہے ہین۔ مگر دیکھئے دور ہی رہئے نزدیک گئے اور سارا کھیل بگڑ گیا۔ آپ
کہہ رہے ہین۔

اے نیک بخت افسوس تجھکو خبر نہین کہ کوئی حاجی جان دیتا ہے۔ یون دم توڑتا ہے۔ آپ تو
کھیتی باڑی مین جی بہلاتی ہوگی یا گھر کے چکی چولھے مین پڑی ہوگی (اسے تو بہ مصروف ہوگی) یا
ایلیان پیاری پیاری بناتی ہوگی۔ مگر یہان سوکھ سوکھ کر عشق کی دہوپ مین ہم کنڈا ہوے جاتے ہین
تمکو کیا نام کرنا چاہیے ہم ہو کنڈے جسکی آنچ ایسی تیز ہوتی ہے کہ تپال جنتر مین عرق اور تیل اُسی سے
نکل سکتا ہے۔ کیمیا کے نسخے اسی سے تیار ہوتے ہین۔ ہائے افسوس۔ کیا نام کہ حضور کی محبت مین
کیسے کیسے مخمصے اُٹھائے۔ لگو بکا ادہر کے کھیت مین لیجاتا۔ گھوڑے پر سے گرنا عمل خوانی مین
گرڈی سہنا (یہ سب وہ واقعات ہین جنکا ناول مین ذکر ہے) مگر حاجی عاشق صادق ہے جو تسلیم
ورضا کی سپر لگائے سب چوٹین کھاتا ہے۔ ورنہ کیا نام کہ مجال تھی کسیکی انگلی تو دکھائے مارے جریون
کے سہرا کر دیا ہوتا۔ مگر نہین عاشقی کے ضابطہ کے خلاف یہ بات تھی جس گاؤنکو تم اپنے جلوہ سے
رشک ارم بناؤ۔ وہان کا گدہا اور سور براق اور دُنبہ ہے اور آدمی تو ہماری آنکھ مین حور اور غلمان
ہین۔ دم بھر کو کوئی سسرال جاتا ہے جو تھی کھیل جاتی ہے۔ بھلا ہے کوئی مرد آج اس میدان مین
جو عشق بازی مین آپکے حاجی کا مقابلہ کر سکے۔ ہائے مین آج کو کرا ہوتا اور جہان تم ہوتین وہان بیٹھکے
قاؤن قاؤن کی صدا لگاتا۔ تم ہنکانے اُٹھتین اور ہم تمھارے سر پر آ بیٹھتے۔ ہائے تمنا ہے کہ ہم تمہارا
گائے بھینس ہوتے اور کیا نام کہ تم ہمارے گلے مین رسی باندھکر چرانے لیجاتین۔ ٹھو ینبر تمہارے نازک

ہاتھ پھیرتے ۔ تم دودھ دوہتی ہوتین اور ہم تمکو چاٹتے ہوتے ۔ کیا نام کہ اگر کہو تو بمبئی چلین اب تو ہم آپ کے
عاشقون مین ہو گئے ۔ آج تک کبھی یہ چوٹ نہین اٹھائی ۔ مگر قسمت کا لکھا ہوا ۔ اب تو ہم دنیا مین
تمہارے عاشق مشہور ہو گئے ۔ سب پر بھید کھل گیا ؎ میرے دل کے مونڈھے پہ بیٹھو صنم تم ۔ تن زار
گھٹکر ٹھٹھرا ہوا ہے ۔ آہ یہ کمر کا درد ۔ تمہارے عشق کی چوٹ ہے جو سارے جسم و جان مین پھیلی ہوئی ہے
افسوس ۔

سوختیم و سوزش ما لیا نم کہ (کسی پر ظاہر نشد
چون چراغان شب مہتاب بیجا سوختیم

ہائے سینہ مین الاؤ لگا ہوا ہے ۔ بھس کی آگ کی طرح اندر ہی اندر سلگ رہا ہے
(ماخوذ از فسانہ آزاد جلد ۳) اتنے مین ملاحون نے کہا اب بمبئی سامنے سے نظر آتی ہے سنتے ہی خوجی
کی باچھین کھل گئین ۔ چلا کر کہا یار ذرا دیکھنا بی شتاب جان صاحب کی فنس تو نہین آئی ہے ۔
کرم بخش نامے مہری ساتھ ہو گی ۔ اطلس کا چھکا ہے اور کہاروں کی پگڑیان وردی رنگی ہوئی ہین ۔
مچھلیان ضرور لٹک رہی ہونگی ۔ بی شتاب جان ہوت ۔ اے شتاب جان صاحب آزاد پاشا
آواز آئی ارے یار آواز آئی ہو تو خدا کا واسطہ بتا دو ۔ بی شتاب جان ۔ اے کرم بخش مہری مہری
کیا بہری ہے ۔
لوگون نے سمجھایا کہ صاحب ابھی بندرگاہ تو آنے دیجئے بی شتاب جان اور کرم بخش یہان سے
کیونکر سن لینگی ۔ کہا اجی ہٹو بھی تم کیا جانو کبھی کسی پر دل آیا ہو تو سمجھو ۔ ارے نادان عشق کے کان
دو کوس تک کی خبر لاتے ہین ۔ اور کون کوس کڑی منزل کے کوس ۔ کیا شتاب جان نے آواز
نہ سنی ہو گی واہ بھلا کوئی بات ہے ۔ مگر جواب کیون نہ دیا ۔ یہ پوچھو اسمین اک لم ہے پوچھو وہ کیا
وہ یہ کہ یہ معشوق پن نہین اگر اتنی کچی نہو ۔ اگر آواز کے ساتھ ہی آواز کا جواب دین تو بندے کی نظرون سے
گر جائین ۔ مزا جب ہے کہ ہم بوکھلائے ہوئے ادھر ادھر ڈھونڈتے اور آوازین دیتے ہون کہ بی شتاب
جان صاحب اجی بی صاحب اور وہ بجری مین پیچھے سے ایک دھول جمائین اور تنک کر کہین

مونڈی کاٹا آنکھوں کا اندھا نام مین سکھ غل مچاتا پھرتا ہے - شتاب جان شتاب جان اے بی صاحب تیری بی کو کیا کہوں - موئی کہین چرخہ کات رہی ہوگی - اور ہم ڈہول کھا کر کہین کہ دیکھئے سرکار ایکی ڈہول لگائی تو خیر جواب ہول لگائی نہ تو بگڑ جائیگی - بس کہہ دیا ہے - اور وہ جھلا کر ایک ڈرجائین کہ اینجانب کی ٹوپی گھوڑے پر جا گرے - اور ساتھ ہی اس گھسی ہوئی کھوپڑی پر تڑاتڑ دو چار اور جما دین - تب ہنسکر کہوں - جانمن خدا گواہ ہے اسوقت پیٹ بھرا ہے ورنہ مارے بھوک کے آنتین قل ہو اللہ پڑھ رہی تھین - سفر اور پردیس مین ایسی چاند تارہ سہ پارہ کہان ملتی جو بید پھڑک کے ہول پر دہول جماتی - اور ابھی کیا ہے پیاری ذرا شاد دل ہوکر بیٹھین تو پھر دو ایک جوتے ضرور لگانا - ہان بے پاپوش کاری کے طبیعت بےچین رہتی ہے -

آزاد - بالفعل کہئے تو خاکسار ہی لگا دے -

خوجی - (مسکراکر) اے نہین حضرت آپکو تکلیف ہوگی -

آزاد - واللہ کس مردود کو اپنے حساب تکلیف ہو - وہ جوتون مین آپ اس مدجہ کو پہنچ جائین کہ پھر عمر بھر آرام سے سوئیے - ع نے غم دزد نے غم کالا - یا کہئے فقط سنگھا ہی دون - گو تکلیف ہو کچھ پرواہ نہین - اسکا کہان تک خیال کرون گا -

خوجی - میان پہلے منھ دہو آؤ - دلگی نہین ہے - ان کھوپڑیون کے سہلانے کے لئے پریون کے ہاتھ چاہئے نہ کہ تم ایسے دیوزادون کے -

آزاد - خدا کرے جسوقت آپ پر پاپوش کاری کرین اسوقت ہم بھی ہون - کہتا جاؤن کہ ہمارے خاطر ایک اور بھی پڑے - اب کی زنجک چاٹ گئی - اب کے خوب چٹاخ سے آواز آئی - ہان ذرا ایک اور اور ذرا دور تک آواز جائے ؎

ناصح کے سر پہ ایک جمائی چٹاخ سے ... پھر ہاتھ مل رہے ہین کہ اچھی پڑی نہین

اتنے مین ساحل بحر نظر آیا - تو خواجہ صاحب نے غل مچایا شتاب جان صاحب ابھی حضور کا غلام فرزندانہ آداب عرض - اسقدر کہہ چکے تھے کہ لوگون نے قہقہہ لگایا - اور خوجی متحیر ہوے کہ یہ کیا

اسرار ہے۔ آزاد سے پوچھا اس خندہ بے محل کا کیا سبب۔ آزاد بولے آپکی حماقت اس کا سبب ہے
گدھا پن خود کرتے ہو اور او پر سے ہمسے پوچھتے ہو کہ اس کا کیا سبب ہے۔ کیا فقرہ کہا تھا آپنے ذرا پھر فرمایئے گا
خواجہ صاحب نے طیش کھاکر پھر وہی فقرہ سنایا۔ اجی حضور غلام فرزندانہ آداب عرض کرتا ہے۔

آزاد۔ تو آپ شتاب جان کے صاحبزادہ فرزند دلبند ہین۔

خوجی۔ یہ کاہے سے۔ صاحبزادہ ہین یا میان ہین شوہر خاص۔

آزاد۔ پھر یہ فرزندانہ آداب کیسا ہوتا ہے۔ جو رد کو کوئی فرزندانہ آداب عرض کرتا ہے تو آپ کی بیوی کیا آپ کی والدہ شریفہ بیٹھی ہین؟

خوجی۔ (گالونپہ تھپڑ مار کر) ارر ررا غضب ہو گیا بڑا ہوا اللہ ستم ہو گیا سخت مصیبت مین گرفتار ہو گئے۔ ایسے خفیف ہوے کہ توبہ ہی بھلی۔ اے ہے خفت سی خفت ہے۔ مگر چمڑے کی زبان پھسل گئی لیکن تشفی یہ ہے کہ بدحواسی کے وقت ایسا کلمہ زبان سے نکلا۔ اور وہ بھی اپنی پیاری شتاب جان کی نسبت جی۔ پھر درین چہ مضایقہ باشد۔ اب تو صاف صاف نفس نظر آتی ہے وہ دیکھئے ہوا سے زلف درہم و برہم ہوئی جاتی ہے۔

سمجھکر چھیڑا و مشاطہ اسکی زلف پُرخم کو
خدا کے واسطے برہم نکر اسباب عالم کو

وہ مہری سامنے ڈٹی کھڑی ہے۔ آخاہ اب تو بی کرم بخش بھی بارہ پر ہین۔ سرو قامت رشک شمشاد
اس حور کردار کی مہری بھی پریزاد ہے۔ وہ ہنسی اُہو ہو ہو۔ دُر دندان نے مار ڈالا کیا پیارے دانت ہین۔ ؎

چمک لعل بدخشان کی مٹا دے
ترے ہونٹوں پہ ایسا رنگ پان ہے

یاران مژدہ باد کہ عروس مانوس من و نگار گلعذار من وصبیہ من بی شتاب جان دامت حسنہا
از جھروکہ زرنگار رعنائی بیند دمی گویدے یار نام خدا ہے کشتی مین ۔ ناخدا آج پار بیڑا ہے۔

آزاد - یار عمر بھر مین برجستہ شعر آج ہی مناسب حال -

خوجی - درست اور وہ شعر جو کانسل کے نام ہمنے لکھا تھا -

لے قبائے بادشاہی راست بر بالائے تو

(مصرع ثانی حذف شد) والا ۔۔۔ ئے تو

آزاد - مگر ایک عنبہ پھر کھایا - پہلے شتاب جان کو اپنی مادر مہربان بنایا - ابکے ایک ایسا کلمہ کہا کہ پھر چھپ جاؤگے زبانسے لینا ہی نہین -

خوجی - کیا طاقت ہمنے کہا کیا تھا - یہی کہا تھا نہ - کہ عروس من دلگار من و صبیہ من بی شتاب جان پھر کیا عروس نہین یا صبیہ نہین ہے -

آزاد - لے لعنت خدا - ارے کمبخت - عربی مین صبیہ لڑکی کو کہتے ہین - سے اب سر پیٹو - کبھی مان بناتا ہے کبھی لڑکی - اور پھر اوپر سے غراتا ہے -

خوجی - (سر پیٹ کر) زبان تراش ڈالنے کے قابل ہے - لیکن خیر گذشتہ الصلوٰۃ آئندہ را احتیاط

آزاد - یار وہ دیکھو سامنے کیا نور کا بکا نظر آیا -

خوجی - یہی ہماری شتاب جان ہین - کیا صورت ہے ؎

چہرۂ گلگون ہے گلشن قامت موزون ہے سرو

گوش نازک مین گل تر غنچۂ گل ناک ہے

جلوہ گر خال سیہ ہے روے آتشناک پر

چشمۂ خورشید مین زنگی مگر تیراک ہے

مولوی عبد الحلیم شرر ایک دوسری زبردست ہستی جسنے اُردو ناول کی اشاعت و ترقی مین بڑی اعانت کی مولوی عبد الحلیم شرر ہین - اُنہون نے سب سے پہلے اُردو مین تاریخی ناول لکھے قصہ کے پلاٹ اور کیرکٹر کی ترقی پر توجہ کی اور نیز اپنے طرز تحریر سے ثابت کر دیا کہ صاف بے داغ اور سلیس کی ہوئی زبان ہی ناول نویسی کے واسطے نہایت موزون ہے - اُنہون نے ناول کو غیر مہذب اور سخیف الفاظ و مضامین سے
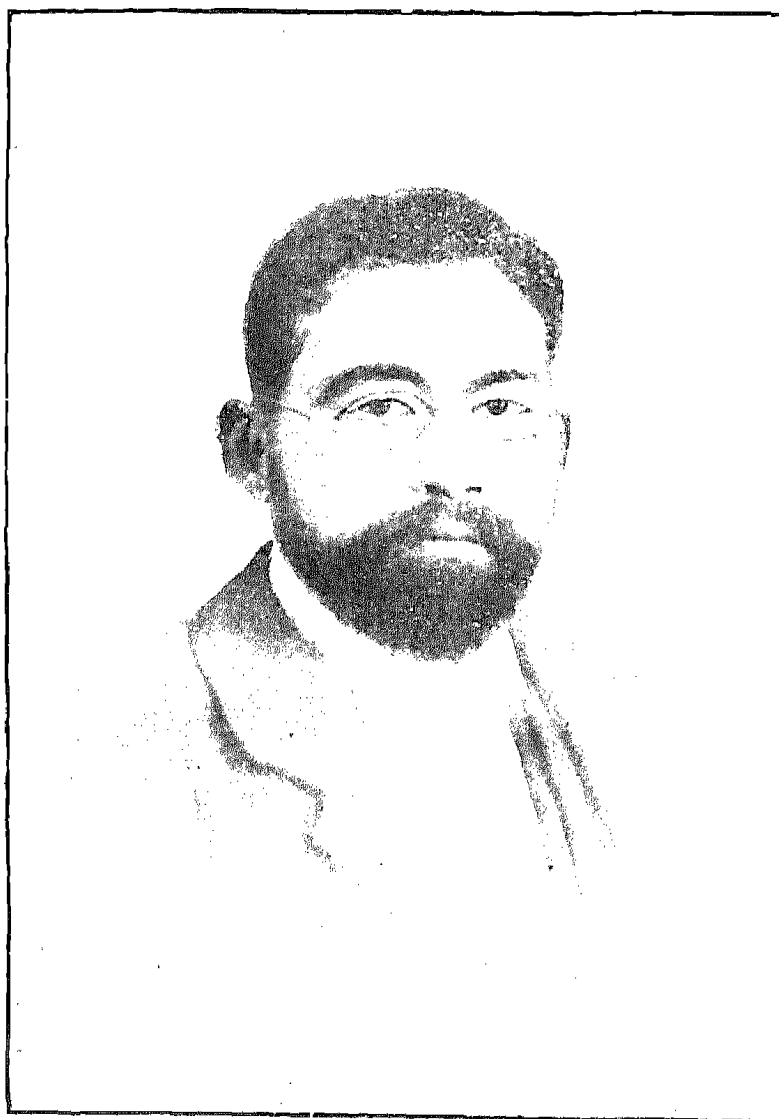
مولانا عبدالحلیم شرر

پاک کیا اور اپنی وسیع معلومات سے وہ مواد فراہم کیا جو اُنکی تصانیف کے کام آیا۔ وہ صرف ناولسٹ ہی نہ تھے بلکہ مورخ ڈراما نگار ادیب، اور ایک زبردست جرنلسٹ بھی تھے۔

[یہاں سے صفحہ ۱۴۵ تک خود مولانا شرر صاحب مرحوم کے بیان کردہ حالات زندگی، جو انہون نے بعد نظر ثانی بغرض اشاعت مجھکو عنایت فرمائے تھے اور میرے پاس موجود ہین درج کیے جاتے ہین۔ چونکہ یہی حالات کم و بیش مختلف عنوانات سے مصنف صاحب نے بھی اس کتاب مین بیان کئے ہین لہذا اصل مضمون کتاب کے بجائے اسی پر اکتفا کی گئی۔ مترجم]

جمعہ کے دن ۲۰۔ جمادی الثانی ۱۲۷۶ھ کو غدر ۱۸۵۷ء کے تین سال بعد لکھنؤ مین پیدا ہوئے نانا چونکہ دربار اودھ مین رسوخ اور معزز حیثیت رکھتے تھے لہذا اودھ کے شاہی خاندان کے ساتھ انگلستان گئے اور وہان سے واپس آکے مٹیا برج کلکتہ مین قیام پذیر ہو گئے۔ عام خاندان کو چونکہ اگلے شاہی دربار سے وابستگی تھی لہذا مولانا کے دیگر بزرگ اور والد بھی انھین رسیون مین بندھے ہوئے مٹیا برج کلکتہ پہونچے۔ مولانا کے والد حکیم تفضل حسین صاحب عربی و فارسی مین کامل بصیرت رکھنے کے ساتھ ایک پختہ مغز طبیب تھے ۱۲۸۵ھ مین جب کہ ۹ سال کی عمر تھی کلکتہ گئے۔ اور اسی وقت سے گویا تعلیم شروع ہو گئی گو ایک ناقص طریقے پر لکھنؤ مین بھی ابتدائی تعلیم ہوتی رہی تھی۔

مٹیا برج مین ابتداً اپنے والد صاحب سے اور چند اور اساتذہ سے ابتدائی کتب فارسی و عربی پڑھین۔ مولوی سید علی حیدر صاحب اور مولوی محمد حیدر صاحب سے کچھ معقولی و ادبی کتابین پڑھین مولوی مرزا محمد علی صاحب مجتہد سے چند اوپر کی منطقی کتابین پڑھین۔ حکیم محمد مسیح صاحب سے بعض کتب طبیہ پڑھین۔ کچھ انگریزی بھی پڑھی مگر پرائیوٹ طور پر اور بالکل ناقص۔ اخبارات کا ذوق اسی زمانے سے پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ اِن دنون اودھ اخبار مین بہ حیثیت کارسپانڈنٹ خبرین لکھ لکھ کے بھیجا کرتے تھے۔

اُنیس ۱۹ سال کی عمر مین کلکتہ سے تعلق ترک کر کے لکھنؤ کی سکونت اختیار کی۔ اور مولوی محمد عبد الحی صاحب مرحوم سے کتب درسیہ عربی ختم کین۔ بیس ۲۰ برس کی عمر مین ماموں کی بیٹی سے

شادی ہوئی۔ اور شادی کے بعد ہی حدیث کا شوق ایسا غالب ہوا کہ دہلی چلے گئے اور مولوی محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کی خدمت مین حاضر ہوکے اور اُن کے مدرسہ مین رہ کے حدیث کی تعلیم تکمیل کو پہونچائی۔ اب اس کے بعد اُنھین انگریزی کا شوق ہوا۔ اور انگریزی جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ خانگی طور پر بے انتہا محنت شروع کی اور چند روز مین بقدر ضرورت دستگاہ پیدا کر لی۔

اسی زمانے مین اُنھین منشی احمد علی کسمنڈوی مرحوم سے صحبت ہوئی۔ جو بعض اخبارات اور خصوص اودھ پنچ مین مضامین لکھا کرتے تھے۔ اور اُن کا فارسیت کا مذاق بہت بڑھا ہوا تھا۔ اُن کے شوق دلانے سے بعض اخبارات مین مضامین لکھنے لگے۔ جن مین بجاے پالٹکس مین منہمک ہونے کے انشا پردازی کا مذاق بڑھا ہوا تھا۔ چنانچہ سنہ ۱۸۹۱ء مین منشی نول کشور صاحب نے اُنھین اودھ اخبار کے ایڈیٹوریل اسٹاف مین لے لیا۔ یہ نوعمری کا زمانہ تھا۔ طبیعت زور رون پر تھی اعلے خیال آفرینی کے ساتھ فلسفیانہ معنی آفرینی اور لٹریری مذاق بڑھا ہوا تھا۔ اسی رنگ کے مضامین اس زور شور سے لکھنا شروع کیے کہ ہر جگہ شہرت ہو گئی اور ایسی شہرت ہوئی کہ حیدر آباد مین اور بعض اور چھوٹی ریاستون مین طلب کیے گئے۔ مگر پسند کیا۔ سرسید سے گو شناسائی نہ تھی مگر انھون نے روح کے بحث پر مولانا کا ایک مضمون اس قدر پسند کیا کہ منشی نول کشور کو لکھا "مین اس مضمون مین سے کچھ اخذ کرنا چاہتا ہون۔ لہذا صاحب مضمون سے اس کی اجازت چاہتا ہون"

اسی زمانے مین اُنھون نے اپنے ایک دوست مولوی عبد الباسط کے نام سے محشر نام ایک ہفتہ وار رسالہ نکالا جس کا رنگ عبارت اسقدر دلکش اور دلفریب تھا کہ ہر طرف دھوم پڑ گئی۔ اس مین اٹھارہ انیس نمبرون مین اُنھون نے مسلسل صبح کا سمان دکھایا تھا جس نے تمام صاحب ذوق لوگون کو حیرت مین ڈال دیا۔ یہ رنگ اردو مین کبھی نہین دیکھا گیا۔ اُس مین فارسی کے تشبیہات واستعارات تھے مگر بندشین انگریزی تھین۔ گویا انگریزی عروس سخن کو فارسی واُردو کا لباس پہنا دیا گیا تھا۔ اسی ضرورت سے قافیہ بندی اور رعایت لفظی بالکل چھوڑ دی۔ اور اس سے بہت پرہیز کیا

نیاز فتحپوری مدیر رسالہ نگار
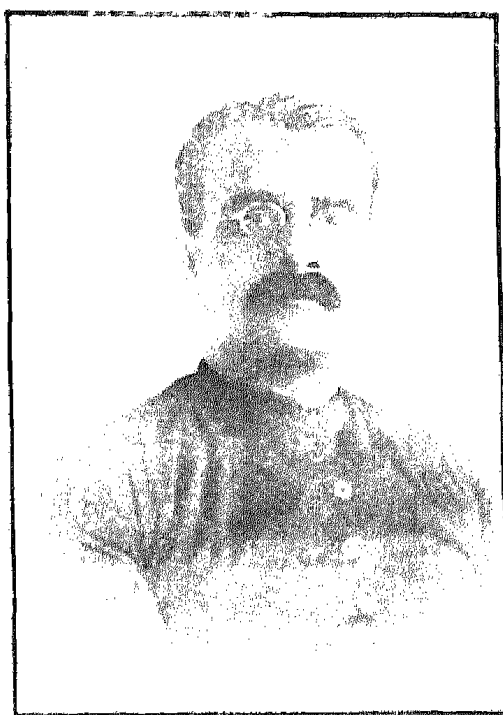
کہ نثر مین جا بجا اشعار شامل کیے جائین - ابتدائً اس رنگ کے نباہنے مین اکثر جگہ عبارت اُلجھ جاتی تھی
جس کی کچھ تو یہ وجہ تھی کہ اُردو نثر مین انگریزی کی طرح علامات اوقاف (پنکچویشن مارکس) نہین
ہین - اور کچھ یہ کہ مولنا کا ایجاد کیا ہوا رنگ ابھی پختگی کو نہین پہونچا تھا - مگر چند ہی روز کے بعد ایسا
اعتدال پیدا ہوا کہ اُن کی عبارت نے خاص رنگ پکڑ لیا - اور ایسا مقبول رنگ کہ یہی طرز عبارت
آج ساری اُردو انشا پردازی اور اخبارات کی عام زبان پر حکومت کر رہا ہے -

یہ اسی عبارت کی شان تھی کہ جس نے ایک دفعہ دیکھا بے انتہا گرویدہ ہوگیا - اور فوراً اس کو ختیار
کر لیا - افسوس کہ شرر کے وہ اودھ اخبار اور محشر کے مضامین کسی نے علیحدہ نہین چھاپے اور وہ اصل
پرچے کہین دستیاب نہین ہوتے - ورنہ شاید اب ہندوستان بہ نسبت سابق کے اُن کی زیادہ قدر کرتا
۱۸۸۲ء مین منشی نولکشور کے تعلق کو چھوڑ دیا جس کا سبب یہ تھا کہ مطبع اودھ اخبار نے اسپشل
کارسپانڈنٹ بنا کے حیدر آباد بھیجا تھا - مولنا گئے مگر چھ مہینے رہ کر واپس آنا چاہا مطبع نے اس کی
اجازت نہ دی - اور آپ خود ہی چلے آئے -

اس زمانے مین اُنھون نے اپنا سب سے پہلا ناول "دلچسپ" لکھا جسمین وقتون اور حالتون
کا ایسا سمان دکھایا ہے کہ اُردو زبان مین بالکل نیا اور حیرت انگیز ہے - مگر چونکہ اس رنگ کا پورا ڈولپمنٹ
(رواج) ہنوز نہین ہوا تھا لہذا جا بجا اُلجھا ہوا اور پیچیدہ ہے اور اخلاق پسندی کی شان دکھاتا ہے
وہ ایک ہندوستانی معاشرت کا ناول ہے جس مین عشق کی دلچسپی کے ساتھ دکھایا گیا ہے کہ ہندوستانی
خاندان زیادہ تر کن اسباب سے تباہ ہوتے ہین - سال بھر بعد اس کا دوسرا حصہ شایع ہوا جو
انشا پردازی کے اُس نقص سے پاک تھا جو پہلے حصہ مین ہے - اس مین نہایت پختگی حاصل
ہو گئی ہے -

اس کے دو سال بعد مولنا نے بنکم چندر چٹرجی کے ناول درگیش نندنی کو اس کے انگریزی
ترجمہ سے اُردو مین ترجمہ کر کے شایع کیا - اور اس کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک اچھا
انشا پرداز ترجمہ کرے تو اُس مین کیسی خوبیان پیدا ہو سکتی ہین -

اب پبلک مولانا کے کلام کی بے انتہا مشتاق تھی - ہر طرف دست شوق پھیلا ہوا تھا کہ مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر اور منشی نثار حسین صاحب نثار مالک پیام یار کے اصرار سے ۱۸۸۷ء مین مولانا نے اپنا مشہور رسالہ دلگداز جاری کیا - اُس کے شایع ہوتے ہی شوق نے سارے ہندوستان مین ایک سرگرمی پیدا کر دی اور اُس کی اشاعت ہزار سے زیادہ ہو گئی - اِسمین خاص قسم کے ایسے مضامین تھے جن کے نمونے اگر کوئی ڈھونڈھے تو صرف انگریزی اعلیٰ لٹریچر مین مل سکتے ہین - اُردو کا خزانہ اُس وقت تک اُس سے خالی تھا - کسی خیال کو موثر بنانا اور بغیر تشبیہ و استعارہ کے اور بغیر قافیہ بندی کے کسی مطلب کو دلکش و دل فریب بنا دینا دلگداز کے مضمون نگار ایڈیٹر کا خاص حصہ تھا - اس کے مضامین اسقدر پسندیدہ اور ایسے دلکش رنگ مین ڈوبے ہوئے تھے کہ سر رشتہ تعلیم کو بھی بغیر اس کے کہ مولانا کو اس محکمے سے کوئی بھی لگاؤ ہو آپ کے مضامین لینے پڑے - اور اب ہندوستان مین اُردو کا کوئی کورس نہین ہے جس مین دو ایک مضامین شرر کے نہ ہون -

۱۸۸۸ء مین دلگداز مین ناول نویسی کا سلسلہ شروع کیا گیا - اور اُس وقت سے مُسلسل دو ناول شایع ہونے لگے جن کے نام ملک العزیز ورجنا - حسن انجلینا - منصور موہنا وغیرہ ہین جن مین مورخانہ شان سے قدیم دلچسپ واقعات کو اعلےٰ لٹریچر کا لباس پہنایا گیا ہے - یہ ناول اس قدر مقبول ہوئے کہ اس وقت تک ان کے بیسیون ایڈیشن شایع ہو چکے ہین - اور مانگ ویسی ہی باقی ہے - بلکہ زیادہ ہے -

شرر کے ناولون اور نیز مضامین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھون نے تاریخ کو اور خصوص اسلامی تاریخ کو حد سے زیادہ اسٹڈی کیا ہے - اور اسی وجہ سے مضمونون اور ناولون مین روز بروز خیال آرائی کا رنگ چڑھتا گیا - اور تحقیق و تدقیق کے ساتھ صرف سادے الفاظ مین جوش پیدا کرنے اور واقعات کو انتہا سے زیادہ دلکش بنا دینے کی شان بڑھتی گئی - ان کے آخری ناولون مین ایک ایام عرب ہے جس مین جاہلیت عرب کی زندہ سوسائٹی ایسی عمدگی و خوب صورتی سے دکھائی گئی ہے کہ زمانہ حیرت کرتا ہے - فلورا فلورنڈا - اور فتح اندلس وغیرہ مین اسپین کے اسلامی دور کو ایسی خوش اسلوبی سے دکھایا

ہے کہ لوگ بار بار پڑھتے ہین اور جی نہین بھرتا۔

انہین آخری ناولون مین ناول "فردوس برین" بھی ہے اس کا پلاٹ ایران مین اور اُس زمانے مین دکھایا گیا ہے جب کہ جبال طالقان اور التمونت مین باطینون (حشیشین لوگون) کا زور تھا۔ اور ہزارہا بندگان خدا اُن کے خنجر سے مارے جاتے تھے۔ اُن کے بادشاہ نے پہاڑون مین ایک جنت بنا رکھی تھی جس مین وہ سب سامان فراہم کیا تھا جو مسلمانون کے خیال مین جنت مین ہونا چاہیے۔ اس ناول مین عجیب حیرت ناک طریقے سے دکھایا گیا ہے کہ وہ لوگ کیونکر لوگون کو فریب دے کے اپنا گرویدہ بناتے اور اپنی فلسفیانہ تقریرون سے انسان کو کیونکر اپنا فریفتہ کر لیتے تھے۔

تاریخی مذاق کے بڑھنے کا ایک یہ نتیجہ تھا کہ مولانا شرر نے ۱۸۹۰ء مین مہذب نام ایک اخبار جاری کیا جس مین مسلسل علماے اسلام کے سوانح عمری ہوا کرتے تھے۔ اس پرچے کی اشاعت بڑھتی جاتی تھی اور مسلمانون مین نہایت مقبول تھا کہ یکایک ۱۸۹۱ء مین انہون نے دلگداز اور مہذب دونون کو بند کر کے حیدرآباد کا سفر کیا۔ اور وہان ریاست مین دو سو روپیہ ماہوار کا تعلق پیدا کر لیا جس کی وجہ سے ایک مدت تک وہ ملک کی نظر سے غائب رہے۔ اتفاقاً نواب وقارالامرا بہادر سابق مدارالمہام مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے نواب ولی الدین خان انگلستان مین ایٹن کالج مین تعلیم پاتے تھے اور چونکہ بچپن سے بھیجے گئے تھے لہذا مذہب سے بالکل آشنا نہ تھے۔ مولانا شرر کو وقارالامرا بہادر نے اس خدمت کے لیے منتخب کیا۔ اور ۱۸۹۵ء مین وہ انگلستان گئے۔ جہان چودہ پندرہ مہینے قیام رہا۔ اور موسیو کوربین نام ایک فرانسیسی محقق سے فرنچ زبان شروع کی جس مین اتنی دستگاہ ہے کہ ڈکشنری کی مدد سے ترجمہ کر سکتے ہین۔ ۱۸۹۶ء کے آخر مین ہندوستان واپس آئے۔

۱۸۹۸ء مین آپ نے حیدرآباد سے دلگداز کو از سر نو جاری کیا۔ مگر گیارہ ہی مہینہ تک جاری رکھ کے خود ہی بند کر دیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی جناب سکینہ کی لائف آپ نے شایع کرنا شروع کی تھی۔ اُس مین چونکہ تاریخی تحقیقات کر کے اصلی واقعات لکھے تھے وہ عام مسلمانون مین اور خاصتہً شیعہ لوگون کے خلاف ہوئے۔ اور ایک قسم کی شورش پیدا ہوئی۔

بعض عہدہ داران گورنمنٹ نظام نے پرایوٹ طور پر آپ کو ہدایت کی کہ اس مضمون کا سلسلہ بند کردیں مگر آپ نے جب یہ رنگ دیکھا تو بجائے اس مضمون کے خود پرچہ بند کر دیا۔ اور آپ نے سنہ ۱۹ء مین پھر لکھنؤ آکے جاری کیا جس مین سب کے پہلا سکینہ بنت حسین کی لائف کا بقیہ تھا۔

اس زمانے مین ریاست دکن کے تعلقات قایم تھے صرف مدارالمہام مرحوم کی فیاضی اور سابق ہوم سکرٹری مولوی محمد عزیز مرزا صاحب کی کوشش سے آپ کو لکھنؤ مین رہنے کی اجازت مل گئی تھی سنہ ۱۹۰۱ء کے درمیان مین آپ واپس طلب کیے گئے نتیجہ یہ ہوا کہ دلگداز بند کر کے آپ پھر حیدرآباد گئے۔ اس مرتبہ جانے مین یکایک ایسے انقلابات ہو گئے کہ آپ کے تعلقات ریاست کو نقصان پہونچا۔ وقارالامرا بہادر وزارت سے علٰحدہ ہوئے اور چند روز بعد انتقال بھی کر گئے۔ مولوی عزیز مرزا صاحب جن کو آپ سے خاص ہمدردی تھی اضلاع مین ڈپٹی کمشنری کی خدمت پر بھیج دیے گئے۔ نئے مدارالمہام مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کو آپ سے کوئی خاص ہمدردی نہ تھی۔ اور مسٹر داکر جو فنانس کا انتظام کرنے کے لئے آئے تھے اُن کے نزدیک ریاست کو مولنا کی ضرورت نہ تھی۔ غرض ریاست سے جو تعلق تھا جاتا رہا۔ اور جو تعلق وقارالامرا بہادر کے صاحبزادے نواب سلطان الملک بہادر کی سرکار سے تھا اُسے آپنے خود ہی چھوڑ دیا۔ اور سنہ ۱۹ء مین لکھنؤ واپس آکے پھر سلک کی خدمت شروع کردی۔ جب سے دلگداز پھر جاری ہوا اور اس وقت تک جاری ہے۔

مولنا کا رنگ عبارت اسٹڈی کیا جائے اور اُس مین خاص حیثیت سے انسان منہمک ہو تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اُردو مین کیا چیز پیدا کی ہے۔ اُردو کے پُرانے نمونے دو وضع کے تھے۔ ایک تو میرامن دہلوی کی سادی عبارت۔ اور دوسری مرزا رجب علی بیگ سرور کی فارسی مذاق کی رنگین اور مسجع و مقفیٰ عبارت۔ اس کے بعد جو اُردو کے نئے مجدد پیدا ہوئے وہ حسب ذیل ہین سر سید احمد خان۔ مولوی محمد حسین آزاد۔ مولنا نذیر احمد صاحب۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ اور مولنا محمد عبدالحلیم شرر۔ سر سید نے سادگی اور وہ شان اختیار کی جو کبھی مولنا شاہ اسمٰعیل کے قلم نے دکھائی تھی۔ یعنے ہر مضمون اس طرح ادا کیا جائے کہ عامی سے عامی شخص اُس کو سمجھ جائے۔ مولوی محمد حسین کی شان یہ تھی کہ زبان مین بے تکلفی و روانی ہو

اور روانی کے ساتھ شاعرانہ تشبیہات و استعارات بھی بہت ہی معتدل حد تک ہون - مولوی نذیر احمد صاحب صرف روانی چاہتے تھے اور بے تکلفی مین اس قدر حد سے بڑھ گئے ہین کہ زبان کو جب تین بنانا چاہتے ہین تو سوا اس کے کہ عربی یا انگریزی جملے اور لغات داخل کر دین اُن کا کچھ زور نہین چلتا - بندشین وہی رہتی ہین اور عبارت بھی وہی باقی رہتی ہے - پنڈت رتن ناتھ مین کوئی ایجادی مادہ نہین ہے - اور اگر ہے تو صرف اتنا کہ اُن مین ظرافت کا مادہ بڑھا ہوا ہے - اُن کی عبارت دو طرح کی رہتی ہے - ایک تو وہ جہان وہ خود کوئی سمان کھینچنا چاہتے ہین یا کسی کیفیت کو بیان کرتے ہین وہان اُن کی عبارت مین اور سرور کی عبارت مین کوئی فرق نہین - وہی قافیہ پیمائی ہے - وہی مبالغے ہین - وہی پُرانی تشبیہات و استعارات ہین - اور وہی جا بیجا اور ضرورت و بے ضرورت اشعار کا بھرتی کرنا ہے - بلکہ الفاظ بھی وہی پُرانے فارسی نثارون کے ہین - دوسری عبارت وہ جہان عورتون کی زبان سے وہ اُن کے خیالات ادا کرتے ہین - اس مین سوا خاص خاص لغزشون کے وہ لکھنؤ کی عورتون کی زبان اچھی اور بے تکلف لکھتے ہین - خلاصہ یہ کہ سرشار کی زبان مین کوئی جدت نہ تھی سوا اس کے کہ خلاف قیاس مضامین کو چھوڑ دیا پُرانی عبارت اور اُن کی عبارت مین کوئی فرق نہ تھا - شرر نے ان سب لوگون سے علیحدہ ہو کے یہ کمال دکھایا کہ انگریزی انشا پردازی کی خوب صورت بندشون کو اُردو مین داخل کیا - مگر تشبیہات و استعارات وہی پُرانے ایشیائی رکھے - اُنھون نے خیالی مضامین کو لیا - اور اُن مین بالکل انگریزی جادو نگارون کی سی خیال آفرینیان کین اور عجب خوب صورتی کے ساتھ اُنھین اُردو مین کھپا دیا - اُردو پبلک مین ابتداءً یہ نیا رنگ تھا - انگریزی والون کو اُردو مین وہ چیز مل گئی جسے وہ ڈھونڈھ رہے تھے - اور صرف اُردو جاننے والون کو تھوڑی وحشت کے بعد جب اُس کی چاٹ پڑی تو اُن کے نزدیک اُس سے زیادہ دلچسپ کوئی رنگ عبارت تھا ہی نہین - سرشار کا رنگ اُن کے چند ابتدائی ناولون پر محدود رہے اور وہ بھی جن مین پلاٹ نہین - بخلاف اس کے شرر کا رنگ زیادہ تر اُن کے مضامین مین نظر آتا ہے جو اپنا جواب نہین رکھتے - اور جن کے سامنے کسی کو قلم اُٹھانے کی جرات نہین ہو سکتی - شرر ہی نے درحقیقت وہ زبان شروع کی جس کی نسبت سب کو اتفاق ہے کہ

وہی جدید اُردو ہے اور وہ زبان ہے جو فی الحال ملکی لٹریچر پر حکومت کر رہی ہے - اور جو جو یہ رنگ چمکتا اور ابھرتا جائے گا اُسی قدر زیادہ نمایاں طور پر شرر کا سکہ اُردو لٹریچر پر نظر آتا جائے گا۔ سادی حیثیت مین وہ متین محققانہ بلکہ فلسفیانہ ہے۔ شاعرانہ خیال آفرینی کی حیثیت مین وہ شاعری کے رنگ مین انتہا سے زیادہ ڈوبی ہوئی ہے - وہ جس چیز کی تصویر کھینچتے ہین اُسے اسکاٹ کی طرح ناظرین کی نظر کے سامنے لا کے کھڑا کر دیتے ہین - انسانی جذبات پر اس طرح اور اتنا تصرف کرتے ہین کہ جس قسم کے جذبات چاہتے ہین اپنے ناول پڑھنے والے کے دل مین پیدا کر دیتے ہین - اپنا زورِ طبع دکھانے کے لیے اُنھون نے ایسے ایسے سبجکٹ لیے جن پر اُن سے پیشتر کسی نے قلم نہین اٹھایا تھا۔ مثلاً "غریب کا چراغ"۔ "صحبت برہم" "نہین" "ہان" "لالۂ خودرو" "یا ورجنگل دیہات کی لڑکی" "خواب دوشین" وغیرہ وغیرہ - ایسے مضامین کو اُردو مین پہلے پہل اُنھین نے انٹروڈیوس کیا - اور سچ یہ ہے کہ آج تک اُن سے بہتر کوئی نہین لکھ سکا۔ غرض سچ یہ ہے کہ اُردو لٹریچر کی دُنیا مین ایک جابدست مقتدر ہین - اور جذبات انسانی پر حکومت کرنے والے بادشاہ -

تاریخی ذوق پڑھنے کی بدولت مولانا اوّل سے ایک مورّخ بن گئے۔ آپ نے دلگداز مین جو تاریخی مضامین لکھے ہین اُن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مسائل تاریخی اور اکثر ناموران سلف کی سوانح عمری لکھ کے آپ نے ہندوستانی پبلک کی واقفیت بہت بڑھا دی ہے۔ مگر اُن کے علاوہ آپ نے دو تاریخین بھی لکھی ہین جو بہت بڑے پیمانے پر ہین - ایک تاریخ سندھ جس مین آپ نے اسلامی عہد کو عام مسلمات کے خلاف کچھ اور ہی ثابت کر دیا ہے اور اُس کی تکمیل کے لیے عربی اور انگریزی تاریخون کی بہت ورق گردانی کی ہے - دوسری تاریخ ارض مقدس ہے جس مین یہود کے ابتدائی زمانے سے رسول آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کے حالات بڑی تنقیح و تحقیق سے لکھے ہین -

مولانا کا کیرکٹر یہ ہے کہ رسم و رواج کے اکثر خلاف رہتے ہین - اور تحقیق و تنقید کی دُھن ہے تقلید سے گریز - اور اہل حدیث کے اصول مذہب کی طرف رجحان ہے - اگرچہ بعض مسائل مین

مولانا عبدالحلیم شرر

اپنی تحقیق کی بنا پر اہل حدیث سے بھی علیحدہ ہو جاتے ہین - آزادی کا خیال غالب ہے - اور
جو چیز صحیح ثابت ہو جاے اُس کے تسلیم کرنے اور علانیہ اُس کا اعتراف کر دینے مین باک نہین
کرتے - علماے زمانہ کی اکثر شکایت کرتے ہین - انھین اسباب سے اکثر عوام الناس اُن سے سخت
مخالفت رکھتے ہین - پہلی ناراضی لوگون کو اُن سے یہ تھی کہ مستند تاریخون سے نقل کر کے شایع کر دیا
کہ حضرت شہربانو کا عقد جناب امام حسین کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے امام زین العابدین
نے اپنے غلام زبید سے کر دیا - دوسری مخالفت وہی سکینہ بنت حسین کی لائف کی بنیاد پر تھی مگر سب سے
زیادہ اختلاف اُس وقت ہوا جب آپ نے سنہ ۱۹۰۱ء مین پردہ عصمت نام ایک رسالہ لکھنؤ سے
شایع کیا جس کی غرض یہ تھی کہ مسلمانون مین سے پردے کا رسم اٹھا دیا جائے - آپ کا دعوےٰ
تھا کہ پردہ اسلام مین صرف ایک ساتر اور مہذب لباس کا نام ہے نہ گھر کی چار دیواری مین
بند کر دینے کا - یہ رسالہ برس دن تک نکلا - ہر جگہ سخت اختلاف ہوا - مگر اُس نے اپنا کام پورا
کر دیا - اس لیے کہ اُس وقت تک اس مسئلہ کو علانیہ کوئی بیان نہین کر سکتا تھا - اور اب ہر جگہ
ایک جماعت اس کی طرفدار ہے اور پردے کے توڑنے کی کوشش کر رہی ہے -

اپریل سنہ ۱۹۰۴ء سے آپ نے ایک نیا پندرہ روزہ رسالہ جاری کرنا شروع کیا جس کا نام
"اتحاد" رکھا اور اس کی غرض یہ تھی کہ ہندو مسلمانون کے باہمی تعلقات صاف کیے جائین -

---

مولانا کے آخر عمر یعنی تقریباً سنہ ۱۹۰۸ء سے سنہ ۱۹۲۶ء اُنکے سال وفات تک کے مزید حالات
مختصراً اس طرح پر تقسیم ہو سکتے ہین (۱) دلگداز اس زمانہ مین کئی دفعہ بند ہوا اور پھر جاری ہوا اور بالفعل
اُن کے صاحبزادہ مولوی محمد صدیق حسن صاحب منیجر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن کی
اڈیٹری مین لکھنؤ سے نکلتا ہے (۲) جب مولانا محمد علی سنہ ۱۹۱۲ء مین اخبار "ہمدرد" دہلی سے
نکالنے والے تھے تو سب سے پہلے اُنہون نے اسکی ادارت کیواسطے مولانا کو دو سو روپیہ ماہوار پر مقرر
کیا تھا مگر بعض وجوہ سے مولانا چند ماہ دہلی مین قیام کر کے قبل اخبار نکلنے کے لکھنؤ چلے آئے اور اخبار

مذکور سے کوئی تعلق نہین رکھا (۳۲) ۱۹۱۰ء مین حضور نظام فرمانروائے دکن خلد اللہ ملکہ نے مولانا کو طلب کر کے انکو اپنی سوانح عمری تیار کرنیکا حکم دیا تھا مگر بعد کو یہ خیال ترک کیا گیا اور بجاے اُس کے مولانا "تاریخ اسلام" لکھنے پر مامور کئے گئے جسکے واسطے ایک معتدبہ رقم ماہوار انکو لکھنؤ گھر بیٹھے ملتی تھی۔ یہ کتاب تین جلدون مین تیار ہوئی جسکی پہلی جلد شائع ہو گئی اور عثمانیہ یونیورسٹی کے نصاب تعلیم مین داخل ہے۔

مولانا کے چھوٹی اور بڑی تصانیف اتنی کثرت سے ہین کہ وہ اس خاص صفت مین اپنے تمام معاصرین پر گوئے سبقت لے گئے تھے اور اُن کی اس کثرت تصانیف سے وہ زمانہ قرون اولیٰ کا یاد آجاتا ہے جبکہ تصانیف کی کثرت مختلف طریقون سے کتب تاریخ وسیر مین بیان کی جاتی تھی مثلاً کسی مصنف کے تراشہ قلم سے اُسکے غسل میت کیواسطے پانی گرم کیا جانا۔ یا کسی شخص کی مصنفہ کتب کا بار کئی کئی اونٹون پر ایک مقام سے دوسرے مقام تک لیجایا جانا وغیرہ۔ غرضکہ مولانا کی تمام تصانیف کی اسم نویسی اس جگہ تحصیل حاصل ہے اسکے واسطے کوئی فہرست کتب یا دلگداز کے آخری اشتہاری صفحات دیکھنا چاہئے۔ یہان پر ہم اُنکے جاری کردہ اخبارات و رسائل اور اُنکی تصانیف کی مجموعی تعداد باعتبار اُن کے مضامین کے بتا دینا کافی سمجھتے ہین۔

اخبارات و رسائل

(۱) محشر ہفتہ وار ۱۸۸۲ء لغایت ۱۸۸۲ء

(۲) دلگداز ماہوار ۱۸۸۰ء

(۳) مہذب ہفتہ وار

(۴) پردہ عصمت پندرہ روزہ

(۵) اتحاد "

(۶) العرفان ماہوار

(۷) دل افروز ماہوار

(۸) ظریف ہفتہ وار

آخر مین چند سال ہوے ایک ماہوار پرچہ "موَرخ" کے نام سے بھی نکالا تھا۔

تصانیف

سوانح عمریان مثلاً "ابوبکر شبلی" جنید بغدادی' وغیرہ	۲۱
تاریخی ناول مثلاً ایام عرب' بابک خرمی وغیرہ	۲۸
خیالی ناول حسن کا ڈاکو' غیب دان دولہن وغیرہ	۱۴
تاریخ مثلاً تاریخ سندہ' عصر قدیم وغیرہ	۱۵
نظم و ڈراما مثلاً شہید وفا' شب غم' شب وصل وغیرہ	۶
متفرق	۱۸
کل	۱۰۲

مولانا کے مضامین جو "دلگداز" مین چھپے ہین سید مبارک علی شاہ تاجر کتب لاہور نے آٹھ جلدون مین "مضامین شرر" کے نام سے حال ہی مین شایع کیے ہین یہ سب کتابین نہایت دلچسپ اور پڑہنے کے لائق ہین مگر علی الخصوص وہ جلد جس مین قدیم لکھنؤ کے حالات "ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ" کے نام سے دلگداز مین چھپتے رہے دیکھنے کے لایق ہے اور اُن لوگون کے لیے جو لکھنؤ کی پُرانی تاریخ اور دلچسپیون کے جویا ہین نہایت مفید اور پُر از معلومات ہے۔

مرزا احمد ہادی رُسوا مرزا محمد ہادی بی۔اے۔پی ایچ۔ڈی تخلص مرزا و رسوا فن شعر مین مرزا دبیر مرحوم کے شاگرد ہین۔ مرزا صاحب جوانی مین مرزا غالب کے رنگ کو بہت پسند کرتے تھے اور دیوان غالب انکو قریب قریب کل حفظ تہا۔ مگر اب غالب کی نازک خیالیان اور عبارت آرائی انکو زیادہ مرغوب نہین بلکہ کلام نہایت صاف سادہ اور لطیف تخیل سے معمور ہوتا ہے۔ اس صفائی اور سادگی مین وہ مومن کے تتبع البتہ کہے جا سکتے ہین۔ مرزا صاحب کی معرکہ آرا تصنیف

انکا ناول "امراؤ جان ادا" ہے جسکو لکھے ہوئے تقریباً پچیس تیس برس ہوئے ہونگے۔ یہ نہایت اعلیٰ درجہ کا ناول ہے اور اسکی عبارت نہایت اعلےٰ درجہ کی ہے۔ سب سے بڑی صفت اسمین یہ ہے جو اردو کے بہت کم ناولون مین پائی جاتی ہے کہ اس کا پلاٹ یعنی ترتیب قصہ نہایت باقاعدہ اور منظم اور اسکے کیرکٹر (اشخاص قصہ) صاف واضح طور پر نظر آتے ہین۔ ہم نے کسی ناول مین اتنی دلچسپی اتنی کثرت واقعات اور فطرت انسانی کی اتنی صحیح تصویر نہین دیکھی۔ اسمین اُس زمانہ کی طرز معاشرت اور سوسائٹی کے ہو بہو نقشے کھینچے گئے ہین جنمین کسی قسم کا مبالغہ یا آورد نہین ہے۔ مرزا صاحب کی دیگر تصانیف۔ انکے مثنوی نوبہار، صبح امید، مرقع لیلیٰ مجنون (ڈراما) اور ذات شریف (ناول) وغیرہ ہین۔ مرزا صاحب بالفعل عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ مین ملازم ہین۔

| حکیم محمد علی | حکیم محمد علی تخلص بہ طبیب جنکا تھوڑا عرصہ ہوا کہ انتقال ہو گیا ایک مشہور ناول نگار تھے۔ حسب ذیل ناول انکی تصنیف سے ہین۔ عبرت حسن سرور۔ دیول دیوی۔ گردا۔ رام پیاری۔ جعفر و عباسہ۔ اختر حسینہ۔ وغیرہ بعض ناول انگریزی کتابون کے ترجمے ہین۔ مثلاً نیل کا سانپ جو رائیڈر ہیگرڈ کی کلیوپیٹرا کا ترجمہ ہے۔ اور دیول دیوی اور جعفر و عباسہ تاریخی ناول ہین۔ حکیم صاحب گو اپنے اقران و امثال مین ممتاز تھے مگر اعلیٰ درجہ کے ناول نگار نہین کہے جا سکتے اسوجہ سے کہ وہ زمانہ کے رنگ سے بیخبر تھے اور نہ وہ اُس زمانہ یا اس سوسائٹی کے حالات سے واقف تھے جسکی وہ تصویرین کھینچتے تھے۔ فطرت انسانی سے وہ پوری طرح باخبر نہین اور لطیف جذبات کے بھی ماہر نہ تھے۔ عبارت مین یکرنگی ہے اور پند و نصائح سے اوبھی اُسے غیر دلچسپ اثر کر دیتے ہین

| راشد الخیری | ناول نویسی مین مولانا نذیر احمد صاحب کے صحیح جانشین کہے جاتے ہین۔ اُنکی توجہ زیادہ تر عورتون کی تعلیم و ترقی اور انکے مصائب زندگی پر مبذول ہے۔ چونکہ عبارت نہایت درد انگیز اور تاثیر سے لبریز ہوتی ہے لہذا مصور غم کے لقب سے مشہور ہین۔ کثیر التصانیف ہین۔ بعض مشہور تصانیف کے نام حسب ذیل ہین۔ صبح زندگی۔ شام زندگی۔ نوحہ زندگی۔ عروس کربلا۔ زہرہ مغرب وغیرہ۔

نیاز فتحپوری — اُردو کے مشہور و مشاق ادیب و جرنلسٹ نیاز محمد خان نیاز فتحپوری۔ وطن فتحپور (یو۔پی) سال ولادت ۱۸۸۴ء۔ ابتدائی تعلیم فارسی و عربی گھر پر ہوئی پھر مدرسہ اسلامیہ فتحپور مدرسہ عالیہ رام پور اور ندوۃ العلمار کے دارالعلوم مین فراغت حاصل کرکے حدیث مولانا عین القضاہ صاحب لکھنوی سے پڑھی انگریزی تعلیم ایف اے تک پرائیوٹ طور پر حاصل کی اور ترکی زبان ایک تک سے پڑھی مختلف روزانہ اخبارات مین کام کیا اب سات سال سے "نگار" ایک ادبی علمی رسالہ جاری کیا ہے جو پہلے بھوپال اور اب لکھنؤ سے جاری ہے۔

تصانیف۔ صحابیات گہوارہ تمدن، نگارستان، (بعض ادبی مضامین کا مجموعہ ہے) جذبات بھاشا، شہاب کی سرگزشت، شاعر کا انجام، المسلۃ الشرقیہ، عرض نغمہ، (ترجمہ گیتان جلی)۔

طرز تحریر — آپ کا طرز تحریر سب سے علحدہ ہے اور آپ معمولی سیدہی سادی عبارت سے نظم کا نثر کو زیادہ پسند کرتے ہین مگر بعض موقعون پر جب یہ رنگ حد اعتدال سے بڑھ جاتا ہے تو عبارت باتکلف اور بے لطف معلوم ہونے لگتی ہے۔ عبارت اور مضمون مین چولی دامن کا ساتھ ہے لہذا اس قسم کی عبارت کو صرف اُنہین مضامین پر صرف کرنا چاہئے جو اُسکے متحمل ہو سکین مگر یہ بات ضرور قابل قدر ہے کہ آپ نے قدیم طرز انشا پردازی کو چھوڑ کر اپنے واسطے ایک نئی شاہراہ قایم کی ہے۔ آپ نے ٹیگور کی گیتان جلی کا اردو مین ترجمہ کیا ہے اور رومی اور یونانی علم الاصنام سے بھی آپ کبھی کبھی فائدہ اُٹھاتے ہین "کیوپڈ اور سائیکی" اور "مریخی سیاح کی ڈائری" انگریزی کے ترجمے معلوم ہوتے ہین[۱] آپ کی بعض کتابین مثلاً "شاعر کا انجام" اور "گہوارہ تمدن" جس مین ترقی تمدن مین عورتون کے حصہ لینے کی بحث ہے نہایت عمدہ اور دلچسپ کتابین ہین۔ آپ کا رسالہ "نگار" ایک نہایت ممتاز ادبی رسالہ ہے جسکے اکثر مضامین جو آپکے زور قلم کا نتیجہ ہوتے ہین نہایت اعلیٰ درجہ کے اور پڑھنے کے قابل ہوتے ہین۔

خواجہ حسن نظامی — خواجہ حسن نظامی دلی مین ۱۲۹۶ھ مین پیدا ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپکی ولادت

---

[۱] یہ ترجمے نہین ہین بلکہ طبعزاد مضامین ہین ۱۲۔

درگاہ فلک بارگاہ حضرت نظام الدین اولیاء مین ہوئی۔ خواجہ صاحب ابتدائے عمر ہی سے اخبارات مین مضامین لکھا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ تک گورنمنٹ انکو بنظر شک دیکھتی رہی اور پولیس انکی نگرانی کرتی تھی۔ وہ بوجہ اپنے مرتبہ اور نیز بوجہ صحافی ہونیکے بہت بااثر شخص ہین۔ پچاس سے زیادہ کتب اور رسایل کے مصنف ہین جنمین سے بعض بہت اچھی ہین۔ آپکی خصوصیت ہے کہ معمولی معمولی مضامین اور خیالات کو نہایت دلکش اور موثر طریقہ سے ادا کرتے ہین اور الفاظ نئے نئے اور عجیب وضع کرتے ہین۔ آپکی عبارت نہایت سادہ سلیس اور دلکش ہوتی ہے مگر خیالات مین گہرائی نہین ہوتی آپنے تقریبًا دس کتابین غدر کے بارہ مین شایع کی ہین جنمین سے بعض ترجمہ ہین اور بعض مین معزول شاہ دہلی کی اولاد کی پریشان گردیون کے افسوسناک اور عبرتناک حالات ہین۔ آپکی کتاب کرشن بیتی کو اہل اسلام اور خصوصًا ارباب تصوف بہت پسند کرتے ہین۔ بعض دیگر تصانیف حسب ذیل ہین۔ میلاد نامہ۔ محرم نامہ۔ یزید نامہ۔ بیوی کی تعلیم۔ اولاد کی شادی۔ جگ بیتی کہانیان وغیرہ۔

پریم چند میدان قصہ گوئی کے مشہور شہسوار ہین۔ اصلی نام دھنپت رائے ہے۔ پریم چند کے لقب سے مشہور ہین ١٩٣٧ سمبت سن ولادت ہے۔ آپکے والد منشی عجایب لال بنارس کے قریب موضع پانڈےپور کے رہنے والے تھے۔ فارسی کی تعلیم تقریبًا سات آٹھ برس حاصل کرکے انگریزی شروع کی اور بنارس کالجیٹ اسکول مین داخل ہوئے جہانسے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ سات برس کی عمر مین ان کا اور پندرہ برس کی عمر مین باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ شروع مین آپ نے صیغہ تعلیم مین ملازمت کرلی تھی مگر درس و تدریس کا سلسلہ اسکے بعد بھی جاری رہا۔ آپ کی ادبی زندگی ١٩٠١ء سے شروع ہوتی ہے جب سے کہ آپنے زمانہ مین مضامین لکھنا شروع کئے۔ ١٩٠٢ء مین ایک ہندی ناول پریما لکھا جو انڈین پریس الہ آباد سے شایع ہوا۔ ١٩٠٤ء مین جلوہ ایثار اور ١٩١٧ء مین بازار حسن[1] ہر دو حصہ تصنیف کئے۔ مثل اردو کے آپکو ہندی مین بھی کمال حاصل ہے چنانچہ سیوا سدن، پریم آشرم، رنگ بھوم اور کایا کلپ آپ کے مشہور ناول ہین جنکے اردو ترجمے بھی سنا گیا ہیکہ عنقریب شایع ہون گے۔

[1] سیوا سدن کا ترجمہ بازار حسن کے نام سے شایع ہوا ہے رنگ بھوم کے ترجمہ کا پہلا حصہ چوگان ہستی کے نام سے شایع ہوا ہے دوسرا حصہ بھی عنقریب شایع ہوگا۔

رنگ بھوم علی الخصوص ایک نہایت دلکش ناول ہے - آپکا تاریخی ڈراما کربلا رسالہ زمانہ مین بہ اقساط نکلتا رہا منشی صاحب موصوف چھوٹے چھوٹے قصے لکھنے مین ید طولیٰ رکھتے ہین - اور حق یہ ہے کہ آپکے اس قسم کے افسانے اس زمانہ کے کثیر التعداد نام نہاد ناولون کے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہین جو سچے نگینون کو جھوٹے پتھرون کے ساتھ ہوتی ہے - آپکو دیگر ناول نگارون پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ آپنے ہندوستانی دیہات کے ہو بہو نقشے اور یہان کے کسانونکے سچے سچے واقعات نہایت عمدہ طریق سے اپنے ناولون مین بیان کئے ہین - آپ کبھی مبالغے کو اپنی تصانیف مین پاس نہین آنے دیتے اور نہ کبھی حق اور سچائی سے انحراف کرتے ہین آپکی عبارت مین بیجد آمد اور زور معلوم ہوتا ہے لطیف استعارات اور تشبیہون سے عبارت کی خوبی اور بڑھ جاتی ہے - جیسا کہ اوپر لکھا گیا آپکو اردو و ہندی دونون زبانون پر عبور حاصل ہے اور ساتھ ہی اسکے جذبات و نفسیات انسانی کے بھی پورے ماہر ہین آپکے کلام مین کہین ظرافت اور کہین درد وہی رنگ دکھاتا ہے جیسے کہ دھوپ اور چھاؤن - آپکے کیرکٹر نہایت مخصوص جیتی جاگتی تصویرین ہوتی ہین - آپ کا ناول بازار حسن جو دو جلدون مین ہے ایک طویل کتاب ہے مگر دلچسپی مین کم نہین ہے - اگر آپکے اس قسم کے ادبی اشغال جاری رہے تو کچھ عرصہ مین آپ بڑی ترقی حاصل کرینگے - تھوڑے عرصہ سے بوجہ اردو کی ناقدری کے آپ ہندی کی طرف زیادہ توجہ فرما رہے ہین - آپ کے خیالات سوشل اور پولٹیکل معاملات مین بہت اعلےٰ و ارفع ہین - آپ کے مضامین ہندو مسلم اتحاد اور دور جدید جو زمانہ مین نکلے تھے خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہین - آپکی تصانیف علاوہ کتب مذکورۂ بالا کے پریم پچیسی حصہ اول و دوم اور پریم بتیسی حصہ اول و دوم چھوٹے چھوٹے قصون کا مجموعہ ہین - خواب و خیال ابھی حال مین پنجاب سے شایع ہوا اور فردوس خیال انڈین پریس شایع کر رہا ہے -

سدرشن آپ بھی ایک مشہور افسانہ نگار ہین اور پنجاب سے تعلق رکھتے ہین - منشی پریم چند کی بعض خصوصیات آپ مین بھی موجود ہین مگر اُنسے کم درجہ پر - آپ مین وہ استادی اور فنی کمال نہین ہے اور نہ عبارت مین اسقدر ادبیت اور صحت ہے - آپکی تصانیف حسب ذیل ہین - (۱) محبت کا انتقام

ایک انعامی رسالہ جسپر پنجاب گورنمنٹ نے پانچسو روپیہ انعام دیا - پہلے ہندی مین لکھا تھا اُسکے بعد اُس کا ترجمہ اُردو مین ہوا (۲) چندن اسپر خواجہ حسن نظامی نے دیباچہ لکھا ہے - پندرہ چھوٹے چھوٹے قصون کا مجموعہ ہے (۳) بہارستان اسپر منشی پریم چند نے دیباچہ لکھا ہے - یہ بھی چھوٹے چھوٹے قصون کا مجموعہ ہے (۴) و (۵) تہذیب کے تازیانے اور زہریلا آب حیات بنکم چندر چٹرجی کے بعض مضامین اور ناول کے ترجمے ہین - (۶) عورت کی محبت ایک بنگالی مصنف کی کتاب کا ترجمہ ہے (۷) بیگناہ مجرم بنگالی اور فرنچ کتابون سے لیا گیا ہے (۸) سدا بہار پھول مختصر قصون کا مجموعہ ہے -

دیگر ناول نویس فی زمانہ ناول نگارون اور چھوٹے چھوٹے قصے لکھنے والونکی اتنی کثرت ہو گئی ہے کہ اُن سب کے نام بتانا بھی ایک امر محال معلوم ہوتا ہے - بہر طور اصحاب ذیل ان سب لوگون مین زیادہ مشہور و ممتاز ہین - (۱) حامد اللہ افسر میرٹھی - جو علاوہ ایک عمدہ شاعر اور نقاد ہونے کے افسانے لکھنے مین بھی بڑی مہارت رکھتے ہین - انکی اکثر کتابین سر رشتہ تعلیم مین بھی داخل ہین - ایک مجموعہ قصص جسمین ڈالی کا جوگ اور دیگر قصص شامل ہین تیار ہو رہا ہے - (۲) مجنون گورکھپوری (۳) احمد حسین خان ایڈیٹر شباب اُردو (۴) سید عابد علی (۵) حکیم شجاع الدین (۶) مولوی ظفر عمر صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس ممالک متحدہ - جاسوسی کے قصے لکھنے مین خاص مہارت رکھتے ہین - آپ کے ناول نیلی چھتری بہرام کی گرفتاری بہت مشہور و مقبول ہین - ان کے علاوہ بعض قابل خواتین نے بھی اس فن کی طرف توجہ کی ہے اور صوبہ پنجاب سے بعض بہت دلچسپ قصے عورتون کے لکھے ہوے شایع ہوئے ہین -

باب ۱۸

اُردو ڈراما

اُردو ڈراما اُردو ڈراما ایک خیزنگی پودا ہے جو سرزمین اُردو پر انیسوین صدی کے وسط مین نصب کیا

گیا اور اب خوب جڑ پکڑ گیا اور نہایت تندرست اور تنومند معلوم ہوتا ہے -

ڈراما کی عمومیت

محاکات یعنی نقالی کا شوق ہر قوم مین فطری ہے عام اس سے کہ وہ قوم ترقی کی معراج پر ہو یا بربریت اور گمراہی کے گڑھے مین پڑی ہو - نقالی انسانی فطرت مین داخل ہے - البتہ بعض ممالک مین یہ فطری جوشش دبا دیا گیا اور بدعت کہلایا - اہل اسلام اسی چیز یعنی نقالی کو جس مین ڈراما بت تراشی تصویرکشی رقص اور موسیقی سب داخل ہین ممنوع سمجھتے ہین - پس اُنکے ممالک مین فنون لطیفہ کی نشوونما اور ترقی کو گویا بدعت یا انحراف سنت کی تاریخ سمجھنا چاہیے - اسی وجہ سے فارسی سے اس قسم کے کوئی نمونے اردو کو نہین ملے مگر خود فارسی اس نقالی کے جذبے سے محفوظ نہ رہ سکی وہان ڈراما نے پیشن پلے (مرثیہ) کی صورت اختیار کر لی جسمین میدان کربلا مین حضرت امام حسین کی شہادت پر اظہار رنج وغم کیا جانے لگا - مذہب جو زمانہ قدیم مین عنصر غالب تھا اب ڈراما اور دیگر اصناف ادب کو ذریعہ تبلیغ قرار دینے لگا - اہل یورپ اور اہل انگلستان کے مریکل پلے (ایسے سین جنمین معجزات دکھائے جاتے ہین) اور مسٹری پلے (ایسے سین جنمین اسرار دکھائے جاتے ہین) جو قدیم کلیسائے مسیحی کے رسوم اور طریقہ عبادت کے مظہر ہین اسیطرح سنسکرت اور ہندی کے مذہبی ڈراما جو پرانون اور دیگر مذہبی کتب ہنود سے اخذ کئے گئے ہین اور اوبرامرگو[1] کے پیشن پلے ان سب کا ماخذ وہی قدیم مذہبی اعتقادات ہین - ہندوستان مین ابتک مذہب کا بہت بڑا اثر ڈراما پر ہے - پران اور دیگر مذہبی کتب کے قصے ڈراما کی صورت مین آکر اپنے خوبصورت پردون اپنی دلچسپ موسیقی اور اخلاقی نتائج سے اب بھی ہزارون آدمیون کے دلکشی اور تفریح کا باعث ہوتے ہین -

سنسکرت اور ہندی ڈراما نے اُردو پر کیون نہین اثر کیا

ہندوستان مین ڈراما درجۂ کمال تک پہونچ گیا تھا پس قدیم سنسکرت ڈراما کو جو اپنے عروج تک پہونچگیا تھا اُردو ڈراما پر کچھ نہ کچھ ضرور اثر

---

[1] اوبرامرگو جرمنی مین ایک مقام ہے جہان مقررہ اوقات پر حضرت مسیح کے حالات زندگی ناٹک کی صورت مین اسیطرح دکھائے جاتے تھے جسطرح ہمارے یہان رام لیلا ہوتی ہے - ہزارون آدمی اس مذہبی تماشے کے دیکھنے کو دور دور سے آتے تھے - معلوم نہین کہ اس تہذیب و تمدن کے زمانہ مین بھی اس قسم کا اجتماع ہوتا ہے یا نہین -

کرنا چاہئے تھا - مگر نہایت افسوس ہے کہ جسطرح اُردو فن نظم سنسکرت کے اثر سے محفوظ رہا اسیطرح
فن ڈراما پر بھی اُسکا کوئی اثر نہ پڑا - سنسکرت کے ان دونون خزانون سے اُردو نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا
جنکی وہ حقیقی وارث تھی - اسکی وجہ یہ ہے کہ سنسکرت ڈراما کا زرین دور گزر چکا تھا اور اب وہ ایک
تن بیجان اور محض کتابون مین محفوظ تھا - اسکے شاہکار ہندوستان کی ایسی زبانون مین مفقود تھے
اُسکا کھیل (ایکٹنگ) بھی موقوف ہو چکا تھا - شروع مین بودھ مت اور جینی ڈراما کو ناپسند کرتے تھے
مگر اُسکا یہ فائدہ دیکھکر کہ وہ انکے دینی مسایل کے پھیلانے کا ایک اچھا ذریعہ ہے وہ بھی اسکی قدر
کرنے لگے - اور بودھ مت کا ڈراما تو راجہ ہرش اور اشوک کے زمانہ مین بڑی ترقی کر گیا تھا جب بودھ
مت کو زوال اور برہمنون کی ترقی ہوئی تو ڈراما اپنا پرانا عروج حاصل نہ کر سکا اسوجہ سے کہ غیر اقوام
کے حملون اور قوم کی مفلسی سے ملک مین ایک بے اطمینانی کی حالت پھیل گئی تھی - اب ڈراما کی طرف
لوگون کی توجہ کم ہو گئی اور وہ اُسکی پُرانی شان و شوکت جاتی رہی - اور جب ادنےٰ درجہ کے لوگون نے
ناٹک کی کمپنیان کھول لین تو ڈراما کی رہی سہی عزت جاتی رہی - ایکٹر لوگ قدر کی نگاہ سے نہین دیکھے
جاتے تھے اور مضمون بھی ادنیٰ درجہ کے بعض وقت فحش کی حدتک پہونچ جاتے تھے - ان زمانے
مین اُردو اپنا چہرہ لے رہی تھی سنسکرت ڈراما محض ایک طاق کی چیز رہ گیا تھا اور ہندی ڈراما ادنےٰ درجہ
کا اور ذلیل ہو گیا تھا - اسکے علاوہ اردو زبان ابتدا ہی سے فارسی کے آغوش محبت مین آگئی تھی اُسکی
سوتیلی مان نے سگی مان کو کونے مین بٹھا دیا تھا - فارسی روایات فارسی محاورے فارسی تخیل اردو پر غالب
تھے فارسی ادیب اس نوزائیدہ بچہ کو پیار کرتے تھے اور وہ فارسی تہذیب تمدن کے سرچشمہ سے سیراب
ہوتا تھا - سنسکرت ادیبون کی غفلت اور بے توجہی کے سبب سے طفل زبان مسلمانون ہی کی گود مین
پلنے لگا فارسی زباندان سنسکرت سے ناواقف تھے اسیوجہ سے سنسکرت ڈراما اور فن نظم دونون
بے اثر رہے - اگر یہ لوگ بھاشا اور سنسکرت کی قدر کرتے یا اگر پنڈت لوگ اردو کی پرورش زیادہ
محبت سے کرتے تو آج یہ حالت نہ ہوتی - اور اُردو زبان اپنے اکثر نکتہ چینون کو دندان شکن جواب دیتی

اُردو ڈرامہ کی ابتدائی حالت — مسٹر عبداللہ یوسف علی آئی - سی - ایس - نے ایک فاضلانہ مضمون مین -

منشی پریم چند

پہلے ذیل کے عناصر ترکیبی حسب ذیل قایم کیے ہین۔ (۱) قدیم سنسکرت ڈراما (۲) اہل ہنود کے خالص مذہبی ناٹک یا مریکل پلے اور دیوتاؤن اور دیویون کے حالات (۳) وہ چیزین جو ادنیٰ درجے کے لوگون مین جاری ہین۔ مثلاً سوانگ نوٹنکی نقلین وغیرہ (۴) اسلامی نظمین اور قدیم روایات۔ (۵) زمانہ موجودہ کا انگریزی ڈراما اور یورپین اسٹیج کی ترقیان۔

سنسکرت ڈراما ہرچند کہ قدیم سنسکرت ڈراما کا اردو ڈراما پر بہت کم اثر پڑا مگر پھر بھی بعض مشہور ناٹکون کا ترجمہ اردو مین ہوگیا ہے اور وہ کھیلنے کے قابل کردیے گئے ہین۔ تھوڑے عرصہ سے ڈراما کے پرانے قواعد بھی استعمال مین آرہے ہین خاصکر وہ جو ابتدائی سین کے متعلق ہین مثلاً ناٹک شروع ہونیسے پہلے ایک شخص جو سوتردھار کہلاتا ہے مع اپنی بیوی کے اسٹیج پر آتا ہے اور تماشہ کے تمام واقعات کو مختصر طور پر بتلا دیتا ہے اور لوگون کو آگاہ کردیتا ہے کہ اب اصلی کھیل شروع ہونیوالا ہے۔ بدوشک یعنی مسخرہ کا پاٹ بھی ضرور ہوتا ہے مگر اچھے تماشون مین یہ بالکل علٰحدہ رہتا ہے اور تماشہ کے اصل واقعات سے اسکو تعلق نہین ہوتا۔

ہندو مریکل پلے وغیرہ اس قسم کے ناٹکون نے بھی موجودہ اردو ڈراما کے واسطے بہت کچھ مواد فراہم کردیا ہے۔ انکی نسبت اردو ڈراما کے ساتھ وہی ہے جو ہالنشڈ[۱] اور "ہال" کے پرانے قصون اور مورخ پلوٹارک[۲] کی قدیم یونانی مشہور لوگون کی سوانح عمریون کی شیکسپیر کے ناٹکون کے ساتھ ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو اردو ڈراما کی ابتدا ہی اس قسم کی ہندی چیزون سے ہوئی تھی۔ قدیم زمانہ سے ہندو لوگ رام اور کرشن کے مشہور واقعات زندگی کو تیوہارون کے موقع پر مندرون مین ناٹک کی صورت مین لوگون کو دکھایا کرتے تھے تاکہ وہ اپنے مذہبی روایات سے واقف ہون اُن سے

---

[۱] یہ دونون انگلستان کے قدیم مورخ سولہوین صدی عیسوی مین گذرے ہین انکے تاریخی قصون سے جنکو کرانیکل کہتے ہین شیکسپیر نے اپنے تاریخی ڈرامون مین بہت مدد لی ہے۔ [۲] مشہور یونانی مورخ جو ظالم شہنشاہ نیرو کا معاصر تھا۔ تقریباً ۵۰ء مین پیدا ہوا۔ اسکی کتاب "لائوز" "سوانح عمریان" زمانہ قدیم کی اک مشہور اور مستند تاریخ سمجھی جاتی ہے جس مین چھیالیس بڑے بڑے یونانی اور رومی مشاہیر کے حالات بالمقابلہ نہایت وضاحت سے لکھے گئے ہین اسکی دوسری کتاب موریلیا کئی رسالون کا مجموعہ ہے ۱۲۔

جی اچھی اچھی باتین سکھتین اور اپنے دیوتاؤن اور سورماؤن کے واقعات زندگی سے مفید
رامائن کے واقعات دسہرہ کے زمانہ مین جبکہ رامچندر جی اپنے حریف راون پر فتح پاکر بھارت ورس
مین واپس آئے تھے اسی قسم کے ہین اور آجکل ایسے ناٹک رام ناٹک اور رامائن کے نام سے مشہور ہین اور
مذہبی لوگون اور علی الخصوص عورتون کو بہت پسند آتے ہین۔ اسی طرح کرشن جی کے عاشقانہ گیت
بھی اردو ڈراما کا جز ہین سچ پوچھیے تو جس قدر عاشقانہ اور جذباتی شاعری ہندی اور بنگالی مین بالفعل
ہے اسکا زیادہ تر حصہ کرشن اور رادہا کے عشق پر مبنی ہے۔ بہت سی دیسی کمپنیان جو منڈلی کہلاتی ہین
متھرا اور بندرابن وغیرہ متبرک مقامون کی چلکر راستہ مین اپنے مذہبی گانون اور تماشون سے لوگون کے
دلون کو محظوظ کرتی ہین۔ ناچ اور گانا ان تماشون کی جان ہے۔ اس قسم کی کمپنیان دولتمند اور تعلیم یافتہ
لوگون کے لئے نہین بلکہ عوام الناس کی دلچسپی کے لئے ہین۔ یہ لوگ جگہ جگہ کی سیر کرتے پھرتے ہین جہان
پہونچتے ہی فوراً ایک اسٹیج تیار کرلیتے اور کپڑے ادہر ادہر سے مانگ جانچ کر مہیا کرلیتے ہین اپنے چہرے رنگو
رنگتے اور چراغون یا مشعلون کی روشنی مین اپنے تماشے دکھاتے ہین اور آخر مین دو دو چار چار پیسے لوگون
سے وصول کرتے ہین۔ ملا غنیمت کشمیری نے اپنی مشہور مثنوی 'نیرنگ عشق' مین ان جماعتون کا جلو
و بھگت باز کہتے ہین خوب خاکہ اڑایا ہے۔ غالباً انہین جماعتون سے واجد علیشاہ نے جو اپنے
عیش پرستیون کے لئے مشہور تھے ناٹک کا پہلا سبق سیکھا ہوگا۔ اور وہ انکو بہت پسند آیا ہوگا
پھر انہون نے ناٹک اور رہس خود قائم کرلئے جنمین وہ خود کنہیا اور اُن کے محل کی عورتین نہایت
قیمتی اور زرق برق لباس مین گوپیان بنا کرتی تھین۔ ہمارے نزدیک یہ ناچ اور گانا جو اردو
ڈراما کا جزو لاینفک ہے انہین رہس منڈلیون سے لیا گیا ہے اور ممکن ہے کہ فرنچ اوپرا کا بھی اس کی
کچھ اثر ہو کیونکہ واجد علیشاہ کے عہد مین انکے یورپین دوستون کی وجہ سے یہ رواج مروج ہوگیا تھا

سوانگ نقلین وغیرہ — سوانگ کی ہندوستان مین وہی حیثیت ہے جو 'پیجنٹ' کی انگریزی ڈراما
کی ترقی کے پیشتر انگلستان مین تھی۔ سوانگ ہندو تہوارون کے موقعہ پر جلوس اور باجون کے ساتھ نکلتے
ہین۔ انکو ابتدائی مہذب نقالی سمجھنا چاہئے مگر عنصر ظرافت اور کامک انمین ضرور پایا جاتا ہے۔

پُرانے زمانہ کے نقال یا مسخرے امیر لوگون کی صحبت یا ملازمت مین رہتے تھے اور اپنی ظریفانہ باتون اور نقلون سے اپنے مالکون کا دل خوش کیا کرتے تھے۔ نقالی اس زمانہ مین ایک مشکل فن تھا جو خاص تربیت اور محنت سے آتا تھا اور اسکی تکمیل کے واسطے گانا ناچنا بھی ضروری سمجھا جاتا تھا۔ نقالون کی وہی حیثیت تھی جو انگلستان مین ملکہ ایلزبتھ کے زمانہ مین اُمرائے دربار کے مصاحبین اور ملازمون کی تھی جو جماعتون مین نکلا کرتے تھے اور اپنے گانے بجانے اور مسخرے پن سے لوگون کو خوش کرتے تھے۔ لوگون کا خیال ہے کہ یہی پھرنے والی نقال کمپنیان عہد الزبتھ کے ترقی یافتہ ڈراما کی اصلی پیشرو تھین۔ ہندوستان مین نقالون کی جماعتین طایفہ کے نام سے مشہور ہین جو شادی بیاہ کے موقعون پر بہ اجرت بلائے جاتے ہین اور اپنے ناچ گانے اور مذاق کی باتون سے سامعین کو محظوظ کرتے ہین۔ انہین پرانے زمانے کی نقلون نے آجکل کے تماشون کے کامک اور نقلین ماخوذ ہین۔

اسلامی نظمین اور روایات | یہ اُردو ڈراما کا عنصر غالب ہین نظم اردو عاشقانہ رنگ اور ڈراما نگاری کے لئے ایک خاص استعداد اور موزونیت رکھتی ہے۔ قدیم ڈراما نہایت مؤثر دردو اونچے سُرونکی عاشقانہ نظمون مین ہوتے تھے۔ اُنکی نثر مقفیٰ اور شعر دونون مؤثر ہین۔ زبان اُردو بڑی زوردار چیز ہے اُسکا طرز ادا اُسکے صنایع بدایع نہایت دلکش اور قابل تعریف ہین۔ وہ رزم و بزم دونون موقعون کے لئے موزون اور جذبات نگاری کے لئے بھی پوری طرح مناسب ہے۔

انگریزی اسٹیج | اس کا اثر زمانہ حال کے اُردو ڈراما پر سب سے زیادہ ہے۔ اُردو اسٹیج آجکل انگریزی ناٹکون کے ترجمون سے بھری ہوئی ہے۔ اسٹیج کی وضع تھیٹر کی ساخت پردے لباس نشستونکا طریقہ، تماشہ کی تقسیم، پارٹون کا انتظام یہ سب بالکل انگریزی اصول کے مطابق اور اُسی کے زیر اثر ہین۔

اُردو ڈراما کے اقسام | اُردو ڈراما مستقل تصانیف اور تراجم پر مشتمل ہے۔ اول الذکر کی تعداد نسبتًہ کم ہے اور جو ہین وہ کسی پولٹیکل یا سوشیل مبحث پر مبنی ہین۔ تراجم کے ماخذ حسب ذیل ہین۔

(۱) سنسکرت (۲) انگریزی یا اور کوئی یورپی زبان بذریعہ ترجمہ انگریزی (۳) فارسی قصے

(۴) دیسی زبانین علے الخصوص بنگلہ، مرہٹی اور زیادہ تر ہندی۔

قصون کے مضامین حسب ذیل چیزون سے ماخوذ ہین۔

(۱) پوران اور ہندو دیومالا (۲) فارسی اور عربی قصے (۳) ہندوستان کے مشہور قدیمی روایتین اور قصے (۴) انگریزی قصے (۵) مسائل حاضرہ یعنی کوئی پولیٹکل مسئلہ یا سوشیل خرابیان۔

اردو ڈرامہ پر شاہی درباروں کا اثر

سب سے پہلا اردو ڈراما اندرسبھا ہے جسکو امانت شاگرد ناسخ نے تصنیف کیا تھا جو عہد واجد علی شاہ مین دربار شاہی سے تعلق رکھتے تھے اور مشہور ہے کہ یہ کتاب بادشاہ ہی کے حکم سے تیار کی گئی تھی[۱]۔ ایک ہندی شاعر نواز نامی نے فرخ سیر بادشاہ دہلی کے عہد مین مشہور و معروف شکنتلا ناٹک کا زبان برج بھاشہ مین ترجمہ کیا تھا مگر خود اس ترجمہ کو ڈراما سمجھنا غلطی ہے اسوجہ سے کہ نہ تو یہ ترجمہ ایک صحیح ترجمہ ہے کیونکہ وہ حکایتی صورت مین ہے اور نہ اسمین ڈراما کی شان باقی رہی کیونکہ اشخاص قصہ جسطرح کہ ڈراما مین دستور ہے آتے جاتے نہین اور نہ اس مین کیرکٹر اور ایکشن کا کہین پتہ ہے اس وجہ سے نہ تو وہ ڈراما ہے اور نہ اُس کا تعلق اُردو سے ہو سکتا ہے جیسا اوپر مذکور ہوا زمانہ شاہی مین نقالون اور بہروپیون کا بڑا رواج تھا انکی نقلون سے لوگ خوش ہوکر ان کو انعام و اکرام سے مالا مال کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ محمد شاہ بادشاہ دہلی جو اپنے ناچ رنگ اور عشرت پرستیون کیوجہ سے محمد شاہ رنگیلے کے نام سے مشہور ہین اپنے اسی قسم کے اشغال مین مصروف تھے کہ نادرشاہ کا حملہ دلی پر ہوا۔ نسبت شاہی مین مخل ہونیکے ڈر سے کوئی شخص اس بری خبر کو اپنے منھ سے نہین نکال سکتا تھا مجبوراً ایک نقال کے ذریعہ سے یہ خبر بادشاہ کو پہونچائی گئی۔ نقلون کی کوئی کتاب مرتب نہین ہوتی تھی بلکہ وہ حسب موقع فی البدیہہ یا فرمایش سے فوراً تیار کرلی جاتی تھین۔ لکھنؤ جو بادشاہان اودھ کا دارالسلطنت تھا عیش و عشرت کا مرکز بنا ہوا تھا اور علی الخصوص واجد علیشاہ کا زمانہ تو دولت ثروت شوکت و عشرت کا بہترین دور تھا۔ اس زمانہ کی ان الفاظ مین کیا اچھی تصویر کھینچی گئی ہے "ہُوبان دولت خوشحالی فارغ البالی ناچ رنگ گانے

---

[۱] دیکھو نوٹ صفحہ ۱۵۰۔

بجانے کے ہر طرف جلسے تھے عاشق مزاج خوش رو جوانون اور حسین مہ جبین نازنینون کے جمگھٹے تھے۔ زندگی اس مزہ سے گذرتی تھی جس طرح پھولون کے تختہ پر باد بہاری چلتی ہے۔ ہر طرف سریلی آوازون سے کان لطف اندوز ہوتے تھے۔ وہ خیالی پرستان جسکو کوہ قاف کہتے ہین اس سچ مچ کے پرستان کے آگے جہان ہزار دن لاکھون آدمی اپنی زندگی نہایت بیفکری اور عیش و عشرت مین گذارتے تھے مات تھا۔ شاہزادے اور رؤسا و امرا جو شادمانی اور کامرانی کے مجسم تصویرین تھے اُنکو دیکھکر دنیا کی جاہ و جلال اور مال و منال کا صحیح نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا تھا۔ اسی دربار مین اردو ڈراما نے جنم لیا۔ بادشاہ اور اُنکے وزرا اور مصاحبین اپنی مسرت اندوزیون کے نت نئے طریقے سوچا کرتے تھے چنانچہ ایک فرانسیسی نے جو دربار شاہی سے متوسل تھا اوپرا کی تجویز پیش کی جس کا اس زمانہ مین یورپ مین عروج ہو رہا تھا جو فوراً منظور کر لی گئی اس وجہ سے کہ اسمین صدہا حسین و مہ جبین گائیون کے لئے جن سے دربار بھرا ہوا تھا ایک اچھا مشغلہ نکل آیا اور امانت کو اسی قسم کا ایک تماشہ لکھنے کا حکم ہوا۔

اندرسبھا امانت

امانت نے ۱۲۷۰ھ (مطابق ۱۸۵۳ء) مین اپنی کتاب اندرسبھا تیار کی جو کامیڈی ہے اور چونکہ اسمین گانا اور ناچ بھی شامل ہے لہذا موسیقی دار کامیڈی ہے جو اوپرا کی ایک قسم ہے۔ جونہی یہ کتاب تیار ہوئی۔ اسکے واسطے لکھنؤ کے مشہور محل قیصر باغ مین ایک اسٹیج آراستہ کیا گیا۔ مشہور ہے کہ بادشاہ خود تماشہ مین شریک ہوتے اور راجہ اندر بنتے تھے اور پریون کا پارٹ خوبصورت حسین عورتین کرتی تھین جو پُر تکلف اور قیمتی لباس اور جواہرات سے آراستہ ہوتی تھین۔ ان تماشون مین کسی غیر آدمی کے جانیکی اجازت نہ تھی۔ یہ مسئلہ کہ آیا اُردو ڈراما کی ترقی مین یورپ والون نے کوئی حصہ لیا یا نہین ہنوز مابہ النزاع ہے مولوی عبدالحلیم شرر مرحوم اسکو نہین مانتے تھے اُن کا خیال تھا کہ کسی یورپین نے اُردو ڈراما کی ترقی مین کوئی حصہ نہین لیا۔ یہ معاملہ تاریکی مین چھپا ہوا ہے اور اُس زمانہ کی کوئی معتبر تاریخ ایسی نہین ملتی جس سے اُسپر کافی روشنی پڑ سکے مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یورپین لوگون نے اردو ڈراما کو زمانۂ حال کے مطابق بنانے اور اسٹیج کے ساز و سامان اور تیاری

مین کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لیا ہوگا - نور الٰہی اور محمد عمر صاحبان نے اپنی کتاب ناٹک ساگر مین بہت سے دلایل مولانا شرر مرحوم کے جواب مین پیش کیے ہین مثلاً واجد علیشاہ کے دربار مین یورپین لوگونکی موجودگی خود واجد علیشاہ کو نئی چیزونکا شوق اندرسبھا کی اندرونی شہادت وغیرہ وغیرہ اور اس کے علاوہ خورشید جی بالی والا جو اس زمانہ مین ایک مشہور ایکٹر تھے انکا قول بھی اسکی تائید مین نقل کیا ہے - مگر حق یہ ہے کہ بالیقین یہ نہین کہا جا سکتا کہ واجد علیشاہ تماشہ مین کچھ حصہ لیتے تھے یا کہ اندرسبھا کا تماشا قیصر باغ مین ہوا تھا یا امانت نے یہ کتاب بادشاہ کے حکم سے لکھی تھی یا نہین[1] -

اندرسبھا کا پلاٹ بہت معمولی ہے - کتاب راجہ اندر کی سبھا یعنی دربار کے سین سے شروع ہوتی ہے - اور قصہ اسقدر مشہور ہے کہ اسکے یہان لکھنے کی ضرورت نہین - وہ شایع ہوتے ہی بہت مقبول ہوئی اور اسکی مقبولیت کا سبب ظاہر ہے یعنی یہ کہ ابتدائے دھنین اسکی شعرون اور گیتون کی بڑے بڑے استادون نے قایم کی تھین اور اسکا سامان ظاہری یعنی پردے لباس وغیرہ نہایت پر تکلف تھا

[1] مکرمی سید مسعود حسن صاحب رضوی ایم - اے اردو لکچرار لکھنؤ یونیورسٹی نے اپنے ایک فاضلانہ مضمون مین جو رسالہ اردو مین چھپ چکا ہے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اندرسبھا نہ تو واجد علی شاہ کے حکم سے لکھی گئی نہ اس کا کھیل کبھی قیصر باغ مین ہوا اور نہ بادشاہ کبھی اس مین شریک ہوئے - وہ لکھتے ہین کہ امانت نے اس کتاب کی شرح مین (جو انکے پاس موجود ہے) یہ لکھا ہے کہ یہ کتاب انکے (امانت کے) ایک شاگرد کے کہنے سے لکھی گئی اور اس کے ایکٹنگ کا طریقہ نہایت دلچسپ اور مفصل طریقہ سے بیان کیا ہے - بادشاہ کا راجہ اندر بننا بالکل بے اصل ہے اس وجہ سے کہ بادشاہ کو رہس کا بڑا شوق تھا چنانچہ انکی تصانیف مین اس طرح کی چیزین بکثرت پائی جاتی ہین جن مین وہ مختلف پارٹ مختلف نوکرون کو تقسیم کر دیتے تھے جنکے نام بھی بتا دیے گئے ہین مگر یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ رہسون مین کنہیا کا پارٹ بجائے مرد کے ہمیشہ وہ کسی عورت کو دیتے تھے اور خود کبھی نہین بنتے تھے - جب رہس مین کنہیا کا پارٹ خود انہون نے کبھی نہین لیا تو یہ بعید از عقل ہے کہ وہ راجہ اندر بنتے ہون - اندرسبھا پر یورپین اثر کے متعلق مولانا شرر مرحوم اور سید مسعود حسن صاحب دونون کی قطعی رائے ہے کہ فرانسیسیون نے اسمین کچھ نہین کیا - اگر لفظ پردہ سے اسکا ثبوت دیا جائے تو تصویر دار پردے جو سین کہلاتے ہین اور تھیٹرون مین مروج ہین اور جو بے شک یورپ کی نقل ہین وہ رہس یا اندرسبھا مین کبھی مستعمل نہ ہوتے تھے البتہ معمولی پرانے چادرون کی دفعتہً کے ڈال دیے جاتے تھے تاکہ تماشائیون اور تماشاگرون مین ایک قسم کا پردہ ہو جائے وہ بہت قدیم رسم ہے اسکو یورپین اثر سے کچھ تعلق نہین - مترجم

اُسکی کامیابی دیکھکر مداری لال نے ایک دوسری اندرسبھا لکھی جو ادبی حیثیت سے تو امانت کی اندرسبھا کی برابر نہین ہے گو ڈراما کی حیثیت سے اُسکے برابر یا اس سے بڑھکر ہو۔ بعد کے زمانہ مین جب تھیٹریکل۔ کمپنیون کا رواج ہوا تب بھی اندرسبھا کی مقبولیت مین کسی قسم کا فرق نہین آیا اور اسکو لوگ اور تماشون سے ہمیشہ بہتر سمجھتے تھے۔ اُس کی مقبولیت اس سے ظاہر ہے کہ وہ دیوناگری۔ گجراتی۔ گورمکھی اور اور مختلف زبانون مین ترجمہ کی گئی اور اُسکے کم سے کم چالیس ایڈیشن انڈیا آفس کے کتبخانہ مین موجود ہین اُس کا ترجمہ جرمن مین بھی ہوا جو بمقام لیپزگ ۱۸۹۲ء مین شایع ہوا۔ اب سنا جاتا ہے کہ ایک نہایت عمدہ اور تنقیدی اڈیشن اندرسبھا کا لاہور سے نکلنے والا ہے۔

اُردو ڈراما اور پارسی

ابتدا مین ہندو دیومالا کے قصے بطور تماشے کے دکھلائے جاتے تھے انکو دیکھکر چند پارسی نوجوانون کے دلمین خیال آیا کہ کچھ قدیم ایرانی قصے جسمین رستم و سہراب وغیرہ کا ذکر ہو عجلت کیساتھ تیار کیے جائین اور چھوٹ موٹ کے اسٹیج پر لوگونکو دکھائے جائین۔ اِن تماشون کو ایسے لوگون نے بھی دیکھا جو یورپی تھیٹر دیکھ چکے تھے اور اُنکی نسبت اچھی رائے ظاہر کی۔ چند امیر پارسیون نے جو کاروباری قابلیت رکھتے تھے اس کام کی اہمیت کو سمجھکر چند کمپنیان بڑے بڑے شہرون مین مثلاً دہلی۔ کلکتہ اور بمبئی مین انگریزی تھیٹر کی نقل مین قایم کین۔ سب سے پہلی کمپنی سیٹھ پسٹن جی فرام جی کی تھی جنکو اردو اسٹیج کا ابوالآبا سمجھنا چاہیے۔ یہ اردو خوب جانتے تھے بلکہ شعر بھی کہتے تھے رنگ اور پروین تخلص کرتے تھے اور نواب علی نفیس سے اصلاح لیتے تھے۔

اورجنل تھیٹریکل کمپنی، رونق بنارسی

انکی کمپنی کا نام اورجنل تھیٹریکل کمپنی تھا جسمین یہ خود بھی بہت عمدہ ایکٹ کرتے تھے اور خورشید جی بالی والہ کاؤس جی کھٹاؤ سہراب جی اور جہانگیر جی مشہور ایکٹر تھے۔ تماشونکی زبان اُردو تھی مگر لکھنؤ اور دہلی کی خالص اور عمدہ اُردو نہین بلکہ ایسی زبان جو عام لوگونکی سمجھ مین آسکے۔ کمپنی چونکہ تاجرانہ غرض سے قایم ہوئی تھی لہذا تماشونمین وہی زبان استعمال کیجاتی تھی جو بمبئی گجرات بنگال غرضکہ تمام صوبہ جات ہندوستان مین بخوبی سمجھ مین آسکے۔ تماشے اندرسبھا کی تقلید مین نظم مین ہوتے تھے نیز اسوجہ سے کہ کانون کو خوش آیند معلوم دین اس زمانہ کے ڈراما نگار رونق بنارسی اور میان حسینی متخلص بہ ظریف تھے۔ رونق

بمبئی مین رہتے تھے اور انگریزی تماشون سے بھی ترجمہ کرتے تھے۔ انکا ایک تماشا "انصاف محمود شاہ" زبان گجراتی مین ۱۸۷۱ء مین بمبئی سے چھپ کر شایع ہوا تھا ظریف کے بہت سے تماشے ہین جنمین بیتحہ عصمت۔ خدادوست۔ چاند بی بی۔ بلبل بیمار وغیرہ زیادہ مشہور ہین۔ جب فرام جی بالی کمپنی کا انتقال ہوگیا تو بالی والہ اور کاؤس جی نے اپنی اپنی کمپنیان علحدہ قایم کرلین۔

وکٹوریہ ناٹک کمپنی طالب بنارسی یہ کمپنی خورشید جی بالی والہ کی قایم کردہ تھی اور اسکا تھیٹر ۱۸۷۷ء کے مشہور دربار دہلی کے موقع پر موجود تھا۔ خورشید جی خود ایک بہت بڑے مشہور ایکٹر تھے اور اس فن مین ان کو کمال حاصل تھا۔ اور کامک پارٹ علی الخصوص خوب کرتے تھے۔ انکی ایکٹنگ مین کسی قسم کا بازاری پن یا تکلف اور آورد نہین معلوم ہوتی تھی اور نہ انکو شرم اور جھجک تھی جس سے شکسپیر بھی مرعوب ہوجاتا تھا انکو اسٹیج پر دیکھتے ہی لوگ ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے۔ انکی کمپنی مین اور مشہور ایکٹر یہ تھے۔ رستم جی۔ مس خورشید۔ مس مہتاب۔ اور ایک یورپین مس سیری منٹن جو ہندوستانی چیزین بھی خوب گاتی تھی۔ یہ کمپنی ایک زمانہ مین انگلستان بھی گئی تھی مگر اس کا وہان بہت بڑا نقصان ہوا جو آخر مین بمبئی مین پورا کرلیا گیا۔

طالب بنارسی منشی ونایک پرشاد طالب بنارسی اسکے ڈراما نگار تھے۔ طالب شعر بھی کہتے تھے اور راسخ دہلوی کے شاگرد تھے انھون نے فن ڈراما کو ترقی دی اور اسکی زبان اور مضامین کو بھی درست کیا۔ انکا انتقال ۱۹۱۲ء مین ہوا۔ انکا ایک ڈراما لیل ونہار ہے جو لارڈ لٹن کی اسی نام کی ایک کتاب کا ترجمہ ہے اسمین مترجم نے اصل کتاب کی خوبصورتی کو بہت کچھ قایم رکھا ہے انکی دیگر تصانیف یہ ہین۔ وکرم ولاس۔ دلیر دل شیر۔ نازان۔ نگاہ غفلت۔ ہرشچندر۔ گوپی چند۔

الفرڈ تھیٹریکل کمپنی احسن لکھنوی وکٹوریہ کمپنی کے مقابلہ مین الفرڈ تھیٹریکل کمپنی قایم ہوئی جسکو کاؤس جی کھٹاؤ نے قایم کیا تھا۔ برخلاف خورشید جی کے جو ایک بڑے کامک ایکٹر تھے۔ کاؤس جی ایک مشہور ٹراجک ایکٹر تھے یعنی جذبات درد و غم دکھانے کے استاد تھے۔ انکو لوگ ہندوستان کا اروِنگ کہتے تھے جو حق بجانب ہے۔ شیکسپیر کے رومیو اور ہیملٹ کا پارٹ خوب کرتے تھے

اور مثل خورشید جی کے یہ بھی کامل الفن تھے - مرض ذیابیطس مین بمقام لاہور ۱۹۱۴ء مین انتقال کیا
انکی کمپنی کے مشہور ایکٹر منچیر شاہ - گلزار خان - مادھو رام - ماسٹر موہن ماسٹر منچیر جی - مس زہرہ اور
مس گوہر تھین - انکے انتقال کے بعد انکے بیٹے جہانگیر جی نے تھیٹر چار پانچ سال تک چلایا اور پھر
کلکتہ کے مشہور تاجر مسٹر میڈن کے ہاتھ فروخت کر ڈالا - میڈن کا انتقال ۱۹۲۳ء مین ہوا -

احسن لکھنوی

الفرڈ کمپنی کے سب سے پہلے ڈراما نگار احسن لکھنوی تھے جنکا نام سید مہدی حسن ہے
اور حکیم نواب مرزا شوق مشہور مصنف زہر عشق و بہار عشق وغیرہ کے نواسے ہین - احسن صاحب نہ صرف ایک
کامل ڈراما نگار بلکہ اک شاعر خوش گو اور بہت اچھے موسیقی دان بھی ہین - انکی ڈراماؤن کی زبان نہایت
فصیح اور بامحاورہ ہوتی ہے اور کیون نہو کہ زبان دان ہین - انکی ایک مشہور تصنیف واقعات انیس
ہے جسمین میر انیس مرحوم کے حالات زندگی نہایت صحت اور عمدگی کے ساتھ بیان کئے گئے ہین ڈرامٹک
تصانیف یہ ہین - فیروز گلنار - چندراولی - دلفروش - بھول بھلیان - بکاولی - چلتا پرزہ -

بیتاب دہلوی

احسن کے بعد الفرڈ کمپنی کی ڈراما نگاری کی خدمت پنڈت نراین پرشاد بیتاب
دہلوی کو سپرد ہوئی جو پنڈت ڈہلا رلے کے بیٹے اور فن شعر مین سردار محمد خان طالب شاگرد غالب
کے شاگرد تھے - کبھی کبھی اپنا کلام نظر حسین سخا کو بھی دکھاتے تھے - یہ کمپنی مین باقاعدہ کام کرتے اور بمبئی مین
رہتے تھے - اک رسالہ موسوم بہ شکسپیر نکالتے تھے جسمین استاد زمانہ کے مشہور ڈرامون کا ترجمہ چھپتا تھا -
یہ اب بند ہو گیا ہے - تصانیف حسب ذیل ہین - قتل نظیر - مہابھارت - زہری سانپ - فریب محبت - رامائن
گورکھ دہندا - پتنی پرتاب - کرشن سداما - "قتل نظیر" پہلا تماشہ تھا جو بیتاب نے کمپنی کے واسطے تیار کیا تھا
اسکی مقبولیت کی شاید یہ وجہ بھی ہو کہ اُس زمانہ مین دلی کی ایک رنڈی نظیر نامی مار ڈالی گئی تھی جسکا چرچا
لوگون مین پھیلا ہوا تھا - "مہابھارت" کا تماشا سب سے پہلے ۱۹۱۳ء مین بمقام دہلی کھلایا گیا جو
بہت مقبول ہوا اور اب بھی لوگ اسکو بہت پسند کرتے ہین - بیتاب اس مین بڑی مہارت رکھتے ہین
کہ مہابھارت وغیرہ ہندؤن کے مذہبی کتابون سے جو دلچسپ واقعات کا خزانہ ہین ضروری ضروری
دلچسپ واقعات چن لیتے ہین اور انکو نہایت عمدہ اور دلفریب طریقے سے ڈراما کا جامہ پہناتے ہین -

انکو ہندی مین بھی بڑا عبور ہے اور انکے ہندی دوہے اور گیت نہایت شیرین اور موثر ہوتے ہین
انہون نے متعدد تاریخی واقعات کو مثلاً دروپدی کا مہاراج سری کرشن جی کی خون بہتی انگلی باندھنے
کیواسطے اپنی ساری پھاڑ ڈالنا اور سیوا اور جیتیا چمارون کا قصہ وغیرہ نہایت استادی اور حسن سے
اپنے ڈرامون مین باندھا ہے۔ وہ سین جس مین ساری پھاڑنا دکھایا گیا ہے بعض نکتہ چین اسکو خلاف
قواعد فن اور خلاف تہذیب خیال کرتے ہین مگر اس مین کوئی قباحت نہین بلکہ اُس سے انتہا درجہ کا
اعتقاد اور محبت اور سری مہاراج کی عظمت کا ثبوت بہم پہونچتا ہے۔ ایک اور اعتراض اُن کے
تماشون پر یہ کیا جاتا ہے کہ جنت و دوزخ وغیرہ نہایت بھونڈے ہین اور دقیانوسی طریقہ پر دکھلائے
جاتے ہین۔ اُنکے ڈرامون کے زبان بھی ایک حد تک ضرور قابل اصلاح و ترقی ہے۔ انکے یہان نثر مقفیٰ
کی بھتات ہے جو بعض وقت بہت بُری معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ہندی اور سنسکرت الفاظ فارسی
اور عربی الفاظ کے ساتھ بہت بُرے اور بے میل معلوم ہوتے ہین اور کانون پر گران گزرتے ہین اشعار
بھی موقع و بیموقع مکالمے مین استعمال ہوتے ہین اور بعض وقت رنج و غصہ کے موقع پر بھی شعر ہی پڑھے
جاتے ہین جو بالکل خلاف فطرت چیز ہے۔ مگر باوجود ان سب کمیون کے بتیاب نے ڈرامانگاری مین
توسیع اور ترقی ضرور کی بعض مخالفین یہ بھی کہتے ہین کہ بتیاب چونکہ آریہ سماج سے تعلق رکھتے ہین
ایسی باتین لکھ جاتے ہین جو سناتن دھرمیون کو ناگوار اور ناپسند ہوتی ہین مگر ہمارے نزدیک اس کی کچھ
اصل نہین ہے۔ انکی تماشون کے شہرت زیادہ تر اس وجہ سے بھی ہوئی کہ مشہور حسین عورتین ان مین
تماشہ کرتی تھین مختصر یہ کہ بتیاب کے جذبات عمیق اور انکے کیرکٹر زبردست ہوتے ہین اور وہ اصول ڈراما
کو خوب سمجھتے ہین۔

نیو الفریڈ کمپنی آف مسٹر کشمیری — ایک شخص محمد علی ناخدا نامی نے ایک دوسری کمپنی الفریڈ کمپنی کے طرز پر کھولی
اور اسکا نام نیو الفریڈ رکھا۔ مشہور کامک ایکٹر سہراب جی اُسکے منیجر تھے جو بعد کو شریک بھی ہو گئے۔
یہ کمپنی اِدھر اُدھر پھر پھرا کے آخر کار احمد آباد مین مستقل طور سے قایم ہو گئی۔ عباس علی جو بعد کو جوبلی کمپنی
مین چلا گیا اور امرت لال کیشو اُسکے مشہور ایکٹر تھے۔ امرت لال کا مسٹر گوہر کے ساتھ تعلق ہو گیا تھا

اور یہ دونون آدمی آخر مین پارسی ناٹک منڈلی مین چلے گئے جسکے مالک فرام جی اپّو نے امرت لال کو اپنی کمپنی کا منیجر بنالیا اور امرت لال نے چند اور آدمیون کی شرکت سے اپنا ڈراما امرت نکالا امرت لال کا انتقال اپنی بے اعتدالیون کی وجہ سے عین جوانی مین ہوگیا۔

آغا حشر کشمیری — آغا حشر کشمیری الاصل ہین۔ مگر عرصہ سے ان کا خاندان بنارس مین مقیم ہے اور شال کی تجارت ہوتی ہے۔ حشر کی ولادت امرتسر مین ہوئی۔ وہ نہایت ذکی الطبع آدمی ہین۔ اُنھون نے بہت سے تماشے نیو الفریڈ کے واسطے تحریر کئے جنکے پلاٹ زیادہ تر یورپی ڈرامون سے لئے گئے اور کچھ ڈرامے انکی مستقل تصنیف بھی ہین۔ نیو الفریڈ سے ترک تعلق کے بعد اُنھون نے اپنی ذاتی کمپنی موسوم شیکسپیر تھیٹریکل کمپنی کھولی جو نقصان اُٹھا کر تھوڑے ہی دنون مین بمقام سیالکوٹ بند ہوگئی۔ اسکے بعد حشر کلکتہ چلے گئے اور میڈن کے یہان ایک معقول تنخواہ پر فلم ایکٹر ہوگئے۔ مگر اب بھی وہ کبھی کبھی کچھ لکھتے رہتے ہین۔ بعض مشہور تصانیف حسب ذیل ہین۔ شہید ناز۔ مرید شک۔ اسیر حرص۔ ترکی حور۔ خوبصورت بلا۔ سفید خون وغیرہ بعض ہندی ڈرامے بھی لکھے۔ مثلاً سور داس۔ سیتا بن باس۔ گنگا اترن وغیرہ

آغا حشر کو لوگ اُردو ڈراما کا مارلو کہتے ہین کیونکہ اُنکے یہان مارلو کا رنگ بہت ہے۔ وہ اپنے کیرکٹرون مین دو ر جذبات دکھاتے ہین انکا عشق بہت گہرا اور اُن کے جذبات بہت عمیق ہین۔ وہ نثر و نظم دونون کے اُستاد ہین اور اُن کا انداز بیان اُسجگہ خوب معلوم ہوتا ہے جب کہ دو کیرکٹر دن سے جو ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہین آپس مین مکالمہ کراتے ہین۔ اس قسم کے سین آپ کو اسیر حرص۔ خوبصورت بلا اور سور داس مین ملینگے۔ آغا حشر کی ڈراما نگاری مین عیوب بھی وہی ہین جو مارلو مین ہین یعنی جذبات کی شدت نہ کہ لطافت۔ اور فوق البھڑک رنگ بجائے اسکے کہ رنگ ہلکے ہون اور انمین تال میل کا خیال ہو۔ ان چیزون کا اثر نازک اور حساس دماغ پر بہت پڑتا ہے علی الخصوص ایسے سین جنمین قتل و غارتگری وغیرہ دکھائی جاتی ہے۔ آغا حشر پر یہ بھی اعتراض ہے کہ ایک ہی تماشے مین دو مختلف پلاٹ قایم کرتے ہین جس سے توجہ منتشر ہو جاتی ہے اور خاتمہ مین کمزوری اور بے راہ روی پیدا ہو جاتی ہے۔ اکثر جگہ شعر کو ایکشن پر ترجیح دیتے ہین یا اشعار کو محض حسن بیان کے طور پر لکھتے ہین

جو اصول ڈراما نگاری کے خلاف ہے۔ کبھی کبھی واہیات اور سوقیانہ دلگی اور مذاق شامل کیا جاتا
ہے جس سے سین کا اثر جاتا رہتا ہے بعض اوقات بیان واقعات مین عجلت کیجاتی ہے جس سے
ایکشن پر برا اثر پڑتا ہے۔ مگر باوجود ان تمام عیوب کے آغا صاحب ایک مشہور شخص ہین اور انکی تصانیف
اردو ڈراما مین اعلے درجہ رکھتی ہین۔

دوسری کمپنیان

مذکورہ بالا کمپنیون کے علاوہ جو کمپنیان قایم ہوئین اُنمین سے بعض مشہور کے
نام ہم یہان لکھنے پر اکتفا کرتے ہین۔ (۱) اولڈ پارسی تھیٹریکل کمپنی گذشتہ صدی کے آخر مین قایم
ہوئی تھی سنہ ۱۹۰۱ء مین لاہور مین جل گئی۔ مگر اپنے مالک آردشیر جی کی قابلیت اور حسن انتظام کی وجہ
سے پھر دوبارہ قایم ہوئی (۲) جوبلی کمپنی دہلی اسکول کے ایک امیر آدمی نے عباس علی ایکٹر کے
زیر اہتمام قایم کیا تھا۔ اسمین عباس علی گلرو زرینہ اور جام جہان نما مین پارٹ کرتے تھے۔ (۳)
بھارت دیاکل کمپنی میرٹھ اسمین بدھ بھگوان کا تماشا خوب ہوتا تھا تھوڑے عرصہ کے قیام کے بعد
احمد آباد مین ختم ہو گئی (۴) امپیریل کمپنی اور (۵) الایٹ آف انڈیا انمین حافظ محمد عبد اللہ اور
مرزا نظیر بیگ اکبرآبادی تماشہ کرتے تھے۔ حافظ عبد اللہ کے بعض تماشون کے نام یہ ہین جشن پرستان
انجام ستم۔ ستم ہامان وغیرہ۔ اور مرزا نظیر بیگ نے نلدمن بہار عشق۔ فسانہ عجائب۔ ماہی گیر وغیرہ
لکھے۔

انیسوین صدی کے مشہور ڈراما نویس

علاوہ مذکورہ بالا ڈراما نویسون کے اس زمانہ کے بعض ڈراما نویس جنکی
تصانیف کتب خانہ انڈیا آفس مین بھی محفوظ ہین یہ ہین غلام حسین ظریف
مصنف [illegible] سنہ ۱۸۸۶ء۔ محمد عبد الوحید قیس جنہون نے نیرنگ مراد جلسہ پرستان لکھا
نظیر محمد شفیق مصنف [illegible] مصنف بھول بھلیان ترجمہ شیکسپیر
حسن [illegible] مصنف بلبل بیمار میر کرامت اللہ میر عبد الماجد مقصود علی۔ امراؤ علی مصنف البرٹ بل
اردو مین سب سے پہلا سیاسی ڈراما وجہانگیر ترجمہ ہیملٹ۔

شروع بیسوین صدی کے بعض ڈراما نویس

(۱) منشی غلام علی دیوانہ الگزنڈرا تھیٹریکل کمپنی مین ہین۔ تائید ربانی

اور مہر جبار۔ انکے تماشے ہین۔ (۲) منشی محمد ابراہیم محشر انبالوی حشر کے شاگرد ہین اور آتشین ناگ نگاہ ناز خود پرست وغیرہ کے مصنف ہین (۳) منشی رحمت علی مصنف درد جگر باوفا قاتل وغیرہ پہلے البرٹ تھیٹریکل کمپنی کے منیجر تھے۔ اب پارسی تھیٹریکل کمپنی کے ڈایرکٹر ہین (۴) دوارکا پرشاد افق مصنف رام ناٹک جو ایک بہت طویل ڈراما ہے (۵) مرزا عباس مصنف نورجہان و شاہی فرمان وغیرہ (۶) آغا شاعر دہلوی شاگرد داغ مصنف حور جنت (۷) و (۸) لالہ کشن چند زیبا و لالہ نانک چند ناز۔ یہہ دونون پنجابی ہین اور اکثر ڈرامون کے مصنف ہین جنمین غیر مانوس ہندی الفاظ کی کثرت ہے (۹) لالہ کنور سین ایم اے چیف جسٹس ہائیکورٹ کشمیر سابق پرنسپل لا کالج لاہور۔ ڈراما کے مشہور نقاد ہین۔ انکا ڈراما برہمانڈ ناٹک بہت عمدہ ہے اسمین آسمانی ستارون کے کیرکٹر دکھائے گئے ہین۔ (۱۰) بشمبر سہائے بیاکل مصنف بدھ دیو جو بہت مقبول ہوا اسمین شانتی رس یعنی قلبی اطمینان کی بہترین تصویر کھینچی ہے۔ یہ اُن عیوب سے پاک ہے جو اُردو کے اکثر ڈرامون مین پائے جاتے ہین۔ بیاکل بھارت بیاکل کمپنی کے روح روان تھے جو میرٹھ مین قایم ہوئی تھی اور ایک زمانہ مین شمالی ہندوستان کی کمپنیون مین بہت مشہور تھی اور اسکی خصوصیت یہ تھی کہ اسکے اکثر ایکٹر پڑھے لکھے اور اچھے طبقہ کے لوگ تھے۔ علی اطہر اس کمپنی کا ایک مشہور ایکٹر تھا۔ منشی جانیشور پرشاد مایل دہلوی اڈیٹر رسالہ زبان نے اس کمپنی کیواسطے دو تماشے چندر گپت اور تیغ ستم تیار کئے تھے۔ (۱۱) حکیم احمد شجاع بی اے اسسٹنٹ سکرٹری لیجسلیٹو کونسل پنجاب و اڈیٹر رسالہ ہزار داستان ایک اچھے افسانہ نگار اور ڈراما نویس ہین۔ باپ کا گناہ۔ بھارت کا لال جانباز وغیرہ کے مصنف ہین۔ مگر ان کے ڈراما اسٹیج پر اچھے نہین معلوم ہوتے (۱۲) سید امتیاز علی بی اے مصنف انارکلی و دلہن وغیرہ۔ بالفعل رسین کے الگزینڈر کا ترجمہ کر رہے ہین (۱۳) سید دلاور علی شاہ مصنف پنجاب میل معمولی ڈراما ہے (۱۴) خان احمد حسین مصنف حُسن کا بازار وغیرہ (۱۵) رادھے شام اکثر مذہبی ڈراما لکھتے ہین جو اہل ہنود مین بہت مقبول ہین (۱۶) سدرشن جنکا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔

ادبی، سیاسی، اور سوشل ڈراما

اردو مین ادبی ڈرامونکی بہت قلت ہے مگر پھر بھی حسب ذیل کتابین قابل ذکر ہین میکفرسن اور لوسی۔ اور قاسم و زہرہ مولفہ شوق قدوائی۔ شہید وفا مولانا شرر مرحوم

وکرم اروسی مترجمہ مولوی عزیز مرزا مرحوم روس وجاپان مولفہ مولوی ظفر علیخان تسخیر فرانس جو شیکسپیر کے ہنری خامس کا ترجمہ ہے اور جولیس سیزر مترجمہ سید تفضل حسین نصیر منشی جوالا پرشاد برق نے شیکسپیر کے اکثر ناٹکون کے ترجمے جسمین معشوقہ فرنگ رومیو جولیٹ کا منظوم ترجمہ ہے۔ بیداری مولفہ حکیم اظہر صاحب ایڈیٹر تحریک۔ ان کے علاوہ منشی محمد عمر صاحب مترجم ہائیکورٹ جمون کشمیر اور منشی نورالٰہی نے جو ناٹک ساگر کے مشہور مصنف ہین جو تمام ملکون کے ڈراما کی ایک مبسوط گو کسیقدر نامکمل تاریخ ہے اور اس سے اس باب مین بہت کچھ مدد لی گئی ہے۔ اکثر مفید اور دلچسپ ڈرامون کا ترجمہ اردو مین کیا ہے۔ انکی یہ کوشش نہایت قابل تعریف ہے اور ان دونون اصحاب کو اس فن مین خاص مہارت ہو گئی ہے۔ اور ہمکو امید ہے کہ زیادہ تجربے کے ساتھ یہ زبان پر پوری قدرت اور فن ڈراما نگاری مین عبور حاصل کر لینگے۔

انکی بعض تصانیف حسب ذیل ہین (۱) روح سیاست جسمین امریکہ کے مشہور پریسیڈنٹ ابراہام لنکن کی زندگی کے حالات اور مقصد نہایت خوبی سے ڈرامے کی صورت مین دکھایا گیا ہے (۲) جان ظرافت فرانس کے مشہور ڈراما نویس مولیر کی ایک کتاب کا ترجمہ ہے جسمین کنجوسون کی بہت خبر لی گئی ہے (۳) قزاق۔ مشہور جرمن شاعر اور ڈراما نویس شلر کی کتاب کا ترجمہ (۴) بگڑے دل مولیر کی ایک دوسری کتاب کا ترجمہ (۵) ظفر کی موت۔ شیرڈنگ کے ایک ڈراما کا ترجمہ۔

سوشل ڈرامون کے ذیل مین مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی کا زود پشیمان جسمین کم عمری کی شادی کی تباحتین دکھائی ہین قابل ذکر ہے۔ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی ایم۔ اے۔ جو ایک خوش فکر شاعر اور بہت بڑے مضمون نگار ہین ڈرامہ سے بھی ایک خاص دلچسپی رکھتے ہین۔ بالفعل کشمیر مین اسسٹنٹ فارن سکرٹری کے عہدہ پر ممتاز ہین۔ راج دلاری اور مراری دادا آپ کی مشہور تصانیف ہین۔ راج دلاری پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے منظور ہو گئی ہے۔ سر ٹکنو رسین مشہور نقاد ڈراما ان دونون کتابون کی نسبت لکھتے ہین "یہ دونون نثر ڈرامے ہمارے موجودہ سوشیل اور خانگی زندگی کے بہترین نمونے ہین انکے لکھنے کی غرض اصلاح معاشرت ہے اور تعلیم یافتہ ہندوستانیونکو چاہئے کہ ان کو پورا آئینہ اخلاق سمجھین ان مین طبقہ متوسط کے مردون اور عورتون دونون کے صحیح خیالات وجذبات اور

نیز اُن کے نقایص اور کمزوریان اور اُن کے عادات نہایت کامیابی سے دکھلائے ہین طرز تحریر بہت شوخ، زبان بامحاورہ، اور خیالات بہت پاک وصاف ہین انکو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جین آسٹن کے ناولون کو برنارڈشا نے ڈراما کا جامہ پہنا دیا ہے البتہ لایق مصنف مین اتنی کمزوری ضرور ہے کہ اپنی آزادخیالی کو اسکی منطقی حدتک نہین پہونچایا ہے"۔ مولانا شرر مرحوم نے میوۂ تلخ پردہ کی سختی کی خرابیون پر لکھا۔ غرضکہ زمانۂ موجودہ مین متعدد ڈراما انہین معاشرتی مسایل پر لکھے جاتے ہین جنہین ضمناً یا صراحتاً مغربی تہذیب کی حد سے زیادہ تقلید کا خاکہ اُڑایا جاتا ہے۔

سیاسی صنف مین منشی امداد علی کا ڈراما البرٹ بل جو ۱۸۹۳ء مین بمقام لاہور شایع ہوا تھا یعنی اُسوقت جبکہ مشہور البرٹ بل پر سخت مباحثہ ہو رہا تھا اور نیز ایک اور ڈراما جسمین انڈین نیشنل کانگرس کے مقاصد کو بیان کیا ہے سیاسی ڈرامے کہے جاسکتے ہین مگر یہ کوئی دلچسپ اور وقیع تصانیف نہین ہین۔ اسیطرح ترک موالات کے عروج کے زمانہ مین بہت سے نام نہاد ڈرامے سیاسی مسایل پر لکھے گئے اور ممنوع ہو گئے۔ اُنمین سے کوئی قابل ذکر نہین الا وہ جو منشی کشن چند زیبا نے زخمی پنجاب کے نام سے لکھا تھا۔

اُردو ڈراما کی ترقی مین مختلف لوگون نے کیا حصہ لیا

جیسا اوپر بیان ہوا اندر سبھا سے اُردو ڈراما کی بنیاد پڑی مگر یہ رہس کے طرز پر لکھی گئی نہ تو اسمین کوئی منتظم پلاٹ ہے اور نہ صحیح معنون مین کیرکٹر ہین۔ اُسکے بعد ظریف نے جدید رنگ کے ڈراما کی بنیاد ڈالی یا کم سے کم انکی ترقی و اشاعت مین کوشش کی انکی تصانیف کیوجہ سے زبان ہندوستانی یعنی اُردو کی ہندوستان کے مختلف حصون مین جہان اُنکے ڈراما کھیلے گئے، شہرت ہوئی لیکن اگر غور سے دیکھا جاے تو ظریف کی غرض صرف دلچسپی اور تفریح تھی اُنکے ڈراما ادبی حیثیت سے ممتاز نہین انکے پلاٹ اور کیرکٹر بہت کمزور ہین اُنکی تحریر مین اُستادی نہین پائی جاتی نثر و نظم دونون ابتدائی رنگ کی اور ناقص ہین۔ حافظ عبداللہ اور مرزا نظیر بیگ نے ظریف کی پیروی مین اپنے تماشون مین دو دو پلاٹ الگ الگ قایم کیے۔ اُنکے بعد طالب احسن نے اس فن کو ترقی دی اور زبان کو بھی ایک حدتک بہت درست کیا انہون نے دو پلاٹون کو ایک

کر دیا اور اُسی پلاٹ مین بعض کیرکٹرون سے مسخرہ کا کام لیا یعنی کرمیڈی کو بھی اُسی قصہ مین شامل کیا
معمولی گفتگو مقفیٰ نثر مین ہوتی تھی اور نظم گیتون کے واسطے مخصوص کی گئی کبھی کبھی گفتگو مین بھی اسکو
زوردار اور مؤثر کرنے کے لیے شعر استعمال کیے گئے گیت زیادہ تر ہندی زبان مین ہوتے تھے اور
اب ڈراما اوپرا کی حد سے نکل کر صحیح ڈراما کی حد مین آگیا کیرکٹر سازی ایکشن اور اختتام قصہ پر زیادہ توجہ
کی گئی۔طالب نے سب سے پہلے فارسی الفاظ کی ہندی مین آمیزش کی حشر نے بھی یہی طریقہ یعنے ایک قصہ
مین دو پلاٹون کا اختیار کیا انکے خصوصیات کا بیان ان کے حالات مین مختصراً ہو چکا ہے۔بیتاب کی
شہرت انکے دو مشہور ڈرامون مہابھارت اور رامائن سے ہوئی جسکے کیرکٹر مشہور سنسکرت شاعر بیاس سے
لیے گئے جنکی تصانیف اپنی مجموعیت اور رنگینیت سے بہترین ڈراما کہی جاسکتی ہین۔بیتاب کے نقائص
کو بشمبر سہائے نے اپنے ڈراما بدھ دیو مین دور کیا اسکی زبان گو اعلیٰ درجہ کی بامحاورہ اردو نہین ہے مگر
پھر بھی بہت زوردار زبان ہے جسمین ہندی الفاظ کی کثرت ہے خیالات بہت پاکیزہ اور انداز بیان
بہت دلکش ہے۔مسٹر کنورسین نے اپنی کتاب "برہمانڈ ناٹک" مین علم ہیئت یعنی ستارون سے
کام لیا اور واقعی بڑی اُستادی اور خوبی سے ترتیب دیا۔کیفی صاحب نے سوشل مضامین پر ڈراما لکھے
"نو وطن" اور "اتفاق"۔ بلاشبہ سیاسی ڈرامہ مین ناٹکی ڈراما کا بھی اب رواج ہو چلا ہے اور یہ زیادہ تر
مشہور مشہور بنگالی ناٹکون کے ترجمے مین اسکے علاوہ ہندو دیومالا اور ہندوستانی تاریخ بھی بہت کچھ
مواد آجکل فراہم کر رہی ہے اور مغربی ڈرامون کے ترجمے بھی بکثرت ہو رہے ہین۔اسی بنا پر کہا جاسکتا ہے
کہ اُردو ڈراما بہت کچھ ترقی کر رہا ہے ۔

اُردو ڈراما کے دیر مین ظاہر ہونے کے اسباب ہم اوپر بیان کر آئے ہین یعنے یہ کہ سنسکرت
اور ہندی ناٹک زوال مین آکر متروک ہو چکے تھے اسکے علاوہ سنسکرت ناٹکون کے جو ترجمے بڑے
بڑے قابل انگریزون مثلاً سر ولیم جونس۔ پروفیسر ولسن اور مونیر ولیمس نے کیے تھے وہ انگریزی زبان مین
ہونے کیوجہ سے اُن لوگون کی سمجھ سے باہر تھے جو اُردو ڈراما لکھتے تھے اور یہ لوگ انگریزی کے ساتھ
سنسکرت سے بھی ناواقف تھے اور نہ انکے جاننے کے خواہشمند تھے۔ لہذا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ

اُردو ڈراما کا صحیح وجود اُسوقت ہوا جب کہ اہل مغرب کا اثر اس ملک پر ہونے لگا۔ اُسکے بعد البتہ سنسکرت ڈراموںسے بذریعہ انگریزی تراجم فائدہ اٹھایا جانے لگا۔

ابتدائی ڈراموںکے نقایص

شروع مین ڈرامے کی بالکل ادبی حیثیت نہ تھی بلکہ وہ محض فائدے کی غرض سے کھیلے بھی جاتے تھے اور لکھے بھی جاتے تھے۔ پارسی لوگون نے جو تجارت کا خاص مذاق رکھتے ہین اس کام کو ایک کاروبار کی حیثیت سے اختیار کیا اور جب اُنکی کمپنیونکو کامیابی ہوئی تو تماشے بھی بکثرت لکھے جانے لگے جنکے ماخذ جیسا اوپر مذکور ہوچکا ہے ہندو دیو مالا۔ پُرانے قصے اور افسانے انگریزی ڈراموںکے ترجمے سبھی کچھ تھے۔ تماشے کی عمدگی اور تکمیل کا خیال مطلق نہین رکھا جاتا تھا کسی پُرانے قصہ کے واقعات کو توڑ مروڑ کر اور کچھ اشعار بطور گیت کے اور کچھ مذاق کی باتین اُسمین جوڑکر تماشا تیار کرلینا بس یہی کافی تھا۔ ڈرامانگار بھی اُسوقت کچھ زیادہ پڑھے لکھے نہین تھے زیادہ تر ایکٹرون مین سے یا اُن لوگون مین سے جنکو اس قسم کے تماشے دیکھنے کا شوق ہوتا تھا یہ لوگ منتخب کرلئے جاتے تھے۔ کبھی کبھی ایسے لوگ رکھ لئے جاتے تھے جو منیجرون کی ہدایت کیموافق جلد جلد تماشے تیار کردیا کرتے تھے۔ نفس ڈراما مین یہ خرابیان ہوتی تھین کہ اُنکے عبارت بہت سست ہوتی تھی اشخاص ڈراما بجائے معمولی طریقہ کے اشعار مین گفتگو کرتے تھے اور بعض اوقات غزلین کی غزلین اس قسم کی گفتگو مین شامل ہوتی تھین اور اشعار بھی اعلیٰ درجہ کے نہ ہوتے تھے بلکہ نہایت معمولی اور بیہودہ۔ نثر بھی انتہا درجہ کی مصنوعی اور غیر مکمل۔ پلاٹ اور کیرکٹر کا کہین پتہ نہین ایکشن نہایت ناہموار۔ سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ ٹریجڈی اور کامڈی جنکا کبھی میل نہین ہوسکتا ایک ہی پلاٹ مین شامل کردی جاتی تھین۔ اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی ڈرامے نہایت ہی ادنےٰ درجہ کے ہوتے اور مہذب اور متین لوگونکے دیکھنے کے لایق ہرگز نہین ہوتے تھے۔ بوسہ بازی، گلے ملنا اور مخش گفتگو بے تکلف جائز تھی۔ بلکہ اس سے سہ رکے ٹکٹ والے بہت خوش ہوتے تھے۔ ایکٹرس عورتین زیادہ تر ادنےٰ درجہ کی رنڈیان ہوتین قتل و خونریزی کے سین بے تکلف اسٹیج پر دکھائے جاتے کامک پارٹ اور نقلین وغیرہ نہایت ادنےٰ درجہ کی ہوتی تھین غرضکہ فن ڈراما جن اعلےٰ عناصر سے مرکب ہے وہ بالکل ناپید تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد انگریزی ڈرامون نے لوگون کو اپنی طرف متوجہ کیا اور شیکسپیر کے تماشے
لوگون کو بہت پسند آئے انہین سے اکثر ترجمہ کے ذریعہ سے اسٹیج پر دکھائے جانے لگے۔ مگر حقیقت
یہ ہے کہ ایک مین بھی اصلیت کی جھلک تک نہین معلوم ہوتی تھی۔ انکی مقبولیت اس درجہ ہوئی کہ
بعض تماشون کے چار چار یا پانچ پانچ ترجمے کیے گئے جن مین سے اکثر کا ذکر انڈیا آفس لائبریری کی
فہرست مین موجود ہے ان ترجمون مین اشخاص قصہ کے نام بدلکر ہندوستانی مناسبت سے کچھ اور رکھ
لئے گئے ہین مگر اصلی کیرکٹر مترجمون کی سمجھ مین مطلق نہین آئے مثلاً شیکسپیر کے مشہور تماشے ہملیٹ
مین وہ سین جسمین ہملیٹ اپنے دل سے باتین کرتا ہے مترجم صاحب بوجہ انگریزی نجاننے کے اسکا
صحیح مطلب بالکل نہین سمجھ سکے مسٹر عبداللہ یوسف علی فرماتے ہین انگریزی اسٹیج کا اثر ہندوستانی اسٹیج
پر اسکی بناوٹ لسکے ساز و سامان اُسکے پردون وغیرہ سے پوری طرح ظاہر ہے۔ اردو ڈرامانے انگریزی
ڈراماکی اندہا دھند تقلید دو طریقہ سے کی۔ پہلے یہ کہ ابتدا مین وہ انگریزی ڈرامے جو "پرابلم پلے" کہلاتے تھے
اور جنکی غرض اصلی یہ تھی کہ سوسائٹی کے تمام پرانے رسم و رواج اور اخلاق و عادات کا خوب خاکہ
اوڑایا جائے انکی تقلید مین ابتدائی اردو ڈراما بھی اس معاملہ مین تمام پرانی چیزون کی نسبت بہت
آزاد و بیباک ہوگیا پس اس معاملہ مین انگریزی ڈرامانے اردو ڈراما کے ساتھ وہی کیا جو اٹالین ڈراما
نے فرنچ ڈراما کے ساتھ اور فرنچ ڈرامانے عہد ریسٹوریشن کے انگریزی ڈراما کے ساتھ کیا تھا۔ دوسرے
یکلاسی تقلید کیوجہ سے انگریزی دہنین ہندوستانی تھیٹرون مین رائج ہوگئین مگر نہایت بھونڈے طریقہ
سے ایج ہوئین اور بڑی خرابی یہ ہوئی کہ اس قسم کی نئی دہنون کے واسطے معمولی شعرا نے نظمین بھی اسی
انداز کی لکھنا شروع کین جسکا نتیجہ نہایت مسخرانگیز ہوگیا۔ ایسا ہی جیسے کوئی شخص کسی اردو شعر کو انگریزی
دُھن مین گائے اور چونکہ اس کوشش مین الفاظ ضرور ٹوٹ پھوٹ جائینگے لہذا اُن کا مطلب
بھی کچھ سمجھ مین نہین آئے گا مسٹر نورسین نے بھی اس خیال کی تائید کی ہے۔ مگر ہماری رائے مین خرابی
انگریزی اثر کے علاوہ اور چیزون کا بھی نتیجہ ہے جنکا ذکر اوپر ہوچکا۔ جیسے ایکٹرون کا ادنے طبقہ سے
تعلق رکھنا۔ ڈرامانویسون کی معمولی لیاقت۔ تماشائیون کا اچھے بُرے مین امتیاز نہ کرنا۔ اور مالکان

تھیٹر کا اپنے نفع کی غرض سے اُن لوگون کو خوش کرنا جن سے انہین زیادہ آمدنی ہوتی ہے دوسری بات جو انگریزی دُھنون کے متعلق اوپر لکھی گئی یہ بالکل صحیح ہے اس سے واقعی ہندوستانی موسیقی کو جو نہایت سائنٹفک اور اعلیٰ درجہ کی ہے بہت بڑا نقصان پہونچا۔

موجودہ ڈرامون مین اصلاح و ترقی

موجودہ زمانہ مین اُردو ڈراما مین ایک نمایان تغیر و ترقی دیکھی جاتی ہے۔ اُردو ڈراما بہت تیز رفتاری سے ترقی کر رہا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اُردو ڈراما پر یورپین ڈراما اور سنسکرت ڈراما اور انگریزی اور فرنچ ڈرامون کی ترجمے نیز بنگالی گجراتی اور مرہٹی ناٹکون کا بہت بڑا اثر پڑا۔ ایک شخص بنارس مین تھے جنکا نام بابو ہرشچندر تھا۔ یہ بہارت اندو کے لقب سے مشہور تھے اور ہندی ناٹک لکھنے مین کمال رکھتے تھے۔ یہ سنسکرت سے پوری طرح واقف تھے اور مشہور کالیداس اور بھاوبھوتی کے رنگ مین انکا کلام ڈوبا ہوا تھا۔ یہ اپنے قصون کے پلاٹ زیادہ تر پورانون سے لیتے تھے جو دلچسپ قصون اور افسانون کا ایک عظیم الشان ذخیرہ ہین۔ اور اب یہ سب کو مسلم ہے کہ پلاٹ کی درستی اور قصہ کو خوبصورت بنا دینے مین وہ عجب کمال رکھتے تھے۔ چونکہ یہ ہندی مین لکھتے تھے لہذا انکی تصانیف پر اس کتاب مین کوئی رائے زنی نہین کیجا سکتی مگر اتنا ہم ضرور کہینگے کہ اُنکے تصانیف کا اثر مابعد کے اُردو ڈرامون پر بہت کچھ ہوا۔ مثلاً "راجہ ہرشچندر" "لکشمی منگل" "بلوا منگل" وغیرہ۔ بالفعل اُردو ڈراما کے مضامین مین بہت توسیع کیجا رہی ہے۔ علاوہ اُن پرانے قصون کے جنکا رواج ابتک تھا اب نہایت دلچسپ دلچسپ قصے اسٹیج پر لائے جاتے ہین۔ پولیٹکل اور سوشل ڈراما بھی اب ترقی کر رہا ہے۔ قصونکی عمدگی اور اخلاق آموزی مین بھی بہت کچھ فرق آیا عشق و عاشقی جو اسٹیج پر دکھائی جاتی ہے نیز وہ جذبات اور واردات قلبیہ جو ایکٹنگ کے ذریعے دکھلائے جاتے ہین بہت اعلیٰ ہوتے ہین۔ نفسیات کی طرف زیادہ توجہ ہے۔ ڈراما کے مضامین اور مطمح نظر بہت وسیع ہو گئے ہین کیرکٹر اور پلاٹ مین بھی ترقی ہے۔ ایکٹرون کو اپنے افعال پر کافی قابو ہوتا ہے اور اب وہ پہلا سا بیہنگا پن انکمین نہین ہے۔ خیالات اور الفاظ دونون مین شستگی اور متانت کا لحاظ رکھا جاتا ہے نتیجہ کی عمدگی پر بھی کافی توجہ کیجاتی ہے۔ نقلون اور کامک پارٹون مین

وہ پہلے کی سی بدتمیزی اور پھکڑپن جو نفیس طبائع کو ہمیشہ ناپسند تھا اب نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ قدیم
اور جدید اردو ڈراموں میں اب زمین و آسمان کا فرق ہو گیا ہے۔

اصلاح و ترقی کی ضرورت

مگر باینہمہ اب بھی اصلاح و ترقی کی بہت کچھ ضرورت ہے خیالات اور
زبان دونوں اب بھی بہت کچھ محتاج اصلاح ہیں۔ الفاظ میں ڈینگ نہونا چاہئے بلکہ معنویت اور
اصلیت کا زیادہ خیال رکھا جائے تکلف اور تصنع سے عبارت بالکل خالی ہو۔ گفتگو کے موقع
پر مقفیٰ عبارت گو معین حافظہ سہی مگر بے جوڑ معلوم ہوتی ہے اسکی جگہ بے تکلف سیدھی سادی
بات چیت سے کام لیا جائے جیسا کہ موقع و محل کا تقاضا ہو۔ پلاٹ کی ترتیب و تنظیم میں بھی ابھی
بہت اصلاح کی گنجایش ہے۔ اسکے واسطے بہت ہوشیار اور چابکدست قلم چاہئے۔ تمسخر اور مذاق
کے موقعوں پر فحش اور بھانڈپن سے بچنا چاہیے اور مذاق نہایت ستھرا اور شایستہ ہونا چاہئے۔ اصلاح
زبان پر بھی توجہ کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اصلی فن ڈراما نگاری سے ہمارے ڈراما نویس ابھی
آشنا نہیں ہیں اور ہماری رائے میں یہ بات اسیوقت نصیب ہوگی جب کہ اس کام کو وہی لوگ
کرینگے جو اس کام کے اہل ہیں اور جنکا قدرتی میلان طبع اسطرف ہے۔ اردو ڈراما کی ترقی کا واحد
طریقہ یہی ہے کہ اس کا میدان عمل وسیع کیا جائے اور قابل اور اہل لوگوں کی ہمت افزائی کیجائے۔ نیز یہ کہ
بہترین یورپین اور انگریزی ڈرامے اور پرانے سنسکرت ناٹک ترجمہ کرائے جائیں۔ جس سے ہمارے
اہل وطن کو اصلی ڈراما کی حقیقت اور اعلےٰ آئیڈیل کا حال معلوم ہوگا۔ اور وہ دیکھینگے کہ یہ فن شریف
گزشتہ زمانہ میں کس عروج تک پہونچ چکا تھا اور آجکل کی زندہ قوموں اور ملکوں میں اسکی ترقی کی کیا حالت
ہے۔ اسی میں سے انکو اپنے ملک و اپنی سوسائٹی کے حسب حال جو چیزیں مناسب معلوم ہوں اخذ کرنا
چاہئیں مگر یہ ضرور ہے کہ ترجموں کی کثرت سے طبعزاد تصانیف دب نہ جائیں۔ زمانہ حال کی خرابیوں
کی اصلاح کے واسطے دلچسپ اور سوشل تماشے مرتب کئے جاویں اور سوسائٹی ہی سے اس قسم کے مضامین
اخذ کئے جائیں۔ اس فن کو بنظر حقارت نہ دیکھا جائے اور ہمارے علما و فضلا اسکی تضحیک و تذلیل کے
درپے نہوں اور ایکٹروں پر بھی ذلت کی نگاہیں نہ ڈالی جائیں۔ ان کاموں کے واسطے زیادہ ہمت اور زیادہ

سرپرستی کی ضرورت ہے پردہ کی موجودگی سے ہمارے ناولون اور ڈرامامین جو بعض رکیک اور
ذلیل باتین پائی جاتی ہین وہ یقینًا رسم پردہ اُٹھنے کے ساتھ دور ہوسکتی ہین کیونکہ موجودہ
صورت مین سچے جذبات عشق کا اظہار ناممکن ہے۔ اگر کوئی شخص ایکٹری کا پیشہ اختیار کرے
تو وہ ذات برادری سے خارج نہ کیا جائے۔ اسی طرح ڈرامانویس اور ایکٹر بھی اپنے اپنے پیشون اور
کامون کو معزز سمجھین۔

اردو ڈراما کا مستقبل

ہرچند کہ پیشین گو سچے نہین سمجھے جاتے اور انکی رائے کو معتبر نہین مانا جاتا مگر
باانیہمہ ہم یہ کہنے کے لئے تیار ہین کہ اردو ڈراما اپنے لئے ایک روشن مستقبل رکھتا ہے جسطرح اس باب کی
ابتدا مسٹر عبداللہ یوسف علی کے فاضلانہ مضمون سے کی گئی تھی اسی طرح اس کا اختتام بھی انہین
کے الفاظ مین کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہین کہ "اردو ڈراما بہت زور دار ترقی کے آثار پیدا کرچکا ہے
تعلیم یافتہ اور ذی وجاہت لوگ یقینًا اسمین ایک زبردست وسیلہ قومی ترقی کا دیکھتے ہین اور اسکی
آئندہ منزل ترقی ہماری رائے مین وہی ہوگی جو ایران ایسے ملک مین ہوئی کہ جہان صحیح فن ڈراما سے
کوئی واقف نہ تھا یعنی تاریخی اور سیاسی ڈرامانگاری۔ مگر یہ ضرور ہے کہ ایسے شاہکار جو شیکسپیر نے لکھے ہین
انکی تصنیف کے واسطے ابھی اک زمانہ درکار ہے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انہین کی سچی تقلید سے
ہندوستانین صحیح ڈرامانگاری کا مادہ پیدا ہوگا اور اسی وقت اردو ڈراما دنیا کے بہترین ڈرامون کی
صف مین ایک ممتاز جگہ پانے کا مستحق ہوگا"

۱۹

زبان اردو کی خاص خوبیان اور اسکے متعلق بعض اہل الرائے کی قیمتی رائین

پورا ادب اردو کا ایک خاکہ ابواب مذکورہ بالا مین کھینچا گیا اس باب مین زبان تر زبان اردو سے بحث ہوگی نیز

یہ کہ ادب اُردو کا بمقابلہ دوسری دیسی زبانون کے کیا مرتبہ ہے - اس باب کی ترتیب مین مولوی عبدالمجید صاحب کے اُس فاضلانہ مضمون سے بہت مدد لی گئی ہے جو ماڈرن ریویو مین شایع ہوا ہے -

اُردو ایک فصیح اور شیرین زبان ہے

اُردو بالاتفاق ایک ایسی زبان ہے جو فصاحت و بلاغت و شیرینی اور اظہار مطالب کے لئے بڑی شہرت رکھتی ہے یہ تہذیب و تمدن کی زبان ہے اور اسمین خیالات اور حسیات کے نازک نازک فرق ادا ہوسکتے ہین - چونکہ اسمین اکثر دوسری زبانون کے مخصوص الفاظ و حروف شامل ہین مثلاً عربی فارسی ترکی سنسکرت وغیرہ لہذا یہ بہ نسبت دوسری دیسی زبانون کے ذریعہ تعلیم بننے ادبی خیالات کو اچھی طرح ظاہر کرنے اور تمدن و شایستگی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے زیادہ تر موزون ہے -

ہندو مسلم اتحاد کی علامت ہے

ہندو اور مسلمان دونون نے اپنی اپنی قومی اور ملکی زبانون کو چھوڑکر اور ایک تیسری زبان اختیار کرکے ایثار و اتحاد کی ایک بین مثال پیش کی اور یہ زبان گو کہ ہندوستان مین پیدا ہوئی مگر غیر ملکی ذرایع اسکی ترقی اور نشو و نما کے باعث ہوئے لہذا اس سے بہتر عملی طور پر اتحاد کا بین ثبوت نہ کوئی اسوقت تھا اور نہ اب ہے -

ہندوستان کی زبان عام ہے

اُردو صحیح معنون مین ہندوستان بھر کی لنگوا فرینکا یعنے زبان عام ہے کیونکہ اُن مقامات مین بھی جہان یہ بولی نہین جاتی بخوبی سمجھی جاتی ہے - اور زبانون کا یہ حال ہے کہ صرف اپنے اپنے ملک یا دیس مین بولی اور سمجھی جاتی ہین مگر دوسری جگہ اُنکو سمجھنا دشوار ہے - مثلاً کشمیر مین اگر مرہٹی بولی جائے یا بہار مین گجراتی اور سندھ مین تامل تو بھلا انکو کون سمجھے گا - مگر وہ زبان جسکو ہندوستانی یا اُردو کہتے ہین ہر شخص اپنے ذاتی تجربہ سے بتلا سکتا ہے کہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ اور چپے چپے مین بلکہ دور دراز ملک اُس سے باہر بھی مثلاً عدن بندر سعید مالٹ وغیرہ تک مین بے تکلف سمجھ لی جاتی ہے - ہم اپنے برادران وطن سے معافی کے خواستگار ہین اور کسی دیسی زبان کی توہین یا برائی نہین کرنا چاہتے مگر اصل یہ ہے کہ تمام دیگر دیسی زبانین زیادہ سے زیادہ کسی ایک صوبے کی مخصوص زبان کہی جا سکتی ہین اور اردو ایک بین الاقوامی اور ہمہ صوبہ کی زبان مانی جائیگی - اور چونکہ ہر دیسی زبانون مین بہت سے اردو الفاظ

شامل ہین اوراب اور زیادہ ہوتے جاتے ہین لہذا اُن مقامات کے رہنے والونکو بھی جہان اردو عام طور پر نہین بولی جاتی اسکے سمجھنے ہین کوئی تکلف نہین ہوتا۔

ایک وسیع زبان ہے

اردو ایک نہایت وسیع زبان ہے اور اسمین متعدد زبانون کے الفاظ بہ کثرت شامل ہوگئے ہین جس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ نئے الفاظ و اصطلاحات کے بنانے مین آسانی ہوتی ہے۔ مثلاً آجکل کے اُردو لکھنے والے اگر مغربی سائنس پر کچھ لکھنا چاہین تو وہ عربی فارسی سنسکرت اور انگلش وغیرہ سے بے تکلف الفاظ لے سکتے ہین اور انکو ایک ضروری تغیر اور مناسبت زبان کے ساتھ اپنا کر سکتے ہین۔ مگر افسوس ہے کہ آجکل عربی سے زیادہ استعارہ کیا جارہا ہے جس سے کسیقدر زبان اُردو مورد الزام اور غیر مطبوع ہوتی جاتی ہے۔

بعض یوربین محققین کی رائین

جے۔ بمیس صاحب مصنف "انڈین فلالوجی" حسب ذیل رائے دیتے ہین "مین اُردو کو ایک نہایت ترقی کرنے والی اور شائستہ صورت اُس بڑی اور وسیع زبان کی سمجھتا ہون جو ہندوستان مین رائج ہے۔ اردو نہ صرف ایک وسیع فصیح معنی خیز اور جامع زبان ہے بلکہ یہی صرف ایک صورت ہے کہ جسمین دریائے گنگ کے قریب کی رہنے والی قومین اپنی زبان کی ترقی ایک صحیح طور پر دکھلا سکتی نہین" (دیکھو جرنل بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۳۵ متعلق ۱۸۶۶ء صفحہ ۱)

مشہور فرنچ مستشرق گارسن ڈی ٹاسی "لکھتے ہین" اُردو کی ہندوستان بھر مین وہی پوزیشن ہے جو فرنچ (فرانسیسی زبان) کی یورپ مین ہے۔ یہی وہ زبان ہے جو ملک مین بکثرت مستعمل ہے عدالتون مین اور شہرون مین جاری ہے ارباب ادب اپنی تصانیف اسی زبان مین لکھتے ہین، موسیقی دان اپنے راگ راگنیان اسی زبان مین تصنیف کرتے ہین اور اہل یورپ سے گفتگو بھی اسی مین کیجاتی ہے بعضون کا خیال ہے کہ اُردو کو ہر مقام کے ہندو لوگ نہین سمجھ سکتے مگر یہی حالت ہر ملک مین ہر زبان کی ہے مثلاً برٹنی کے کسان، عام اس سے کہ پرووانس یا السیس کے ہون اصلی فرنچ نہین سمجھ سکتے۔ پس کیا یہ وجہ معقول ہوسکتی ہے کہ اردو عدالتون اور سرکاری دفترون سے اُٹھا دی جائے؟"

جارج کیمبل مصنف "انڈیا ایز اٹ مائٹ بی" تحریر کرتے ہین "میرے نزدیک یہ بہت مناسب ہے

کہ تمام سرکاری اسکولون مین ہندوستانی زبان ایک عام زبان کردیجائے اور دیسی زبانین بھی بشرط ضرورت رکھی جائین - مین اسکو بالکل ناممکن سمجھتا ہون کہ کوئی عام زبان کا ذریعہ کیے بغیر کام چلایا جا سکتا ہے اور چونکہ انگریزی کو ہندوستان کی زبان عام بنانا محال معلوم ہوتا ہے لہذا ہندوستانی ہی کو یہ فخر ملنا چاہیے جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا اردو ہندوستان بھر کی زبان عام (لنگوا فرینکا) کہی جانیکی مستحق ہے کیونکہ یہی وہ زبان ہے جسکو ادنی و اعلی اور یہانکے انگریز بھی بولتے ہین اسمین ایک خاص خوبی یہ ہے جو کسی دوسری زبان مین نہین پائی جاتی کہ دوسری زبانون کے الفاظ بلا کسی تغیر کے یا خفیف تغیر کے ساتھ اپنے مین جذب کرلیتی ہے اور پھر وہ لفظ اُسی کے ہوجاتے ہین ''

مسٹر ونسنٹ اسمتھ مصنف ہسٹری آف انڈیا اپنی کتاب کے آخر باب مین لکھتے ہین '' زبان اردو جو ہماری زبان انگریزی سے باعتبار اپنی سادگی اور قواعد صرف و نحو کی نرمی اور کثرت الفاظ کے بہت مشابہ ہے ضرور اس قابل ہے کہ تمام مطالب عام اس سے کہ وہ ادبی ہون یا فلسفیانہ یا سائنٹفک اسمین ادا کیے جائین ''

اردو کی کم مایگی

یہ عام طور پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ زبان اردو کوئی ایسا سرمایۂ ادب اپنے پاس نہین رکھتی جسپر فی الحقیقت اسکو ناز ہو نہ اپنے ارتقا و ترقی کی کوئی خاص تاریخ رکھتی ہے - یورپین محققین اسکی طرف کم متوجہ ہوئے اور ہندوستانی اُنسے بھی کم بعض لوگون کے نزدیک اسمین کوئی چیز قدر و قیمت کی نہین پائی جاتی اور جب اُس کا مقابلہ کلاسکل (قدیم) اور متمدن مغربی زبانون کے ساتھ کیا جاتا ہے تو اسکی بے حقیقتی پوری طرح معلوم ہوجاتی ہے - ان اعتراضات کے دو جواب دئے جاسکتے ہین ایک یہ کہ جہانتک اردو ادب کا تعلق ہے وہ کوئی قدیم چیز نہین ہے کسی جدید ادب سے یہ توقع رکھنا کہ وہ قدیم زبانون کیطرح بیش بہا ادبی خزانون سے معمور ہو خلاف عقل ہے - اسکی ادبی زندگی فارسی سے علیحدہ ہوکر بہت کم گزری ہے - دوسرے یہ کہ یہ بہت ہونہار زبان ہے اور اگر یہی رفتار ترقی رہی تو تھوڑے ہی عرصے مین یہ ایک ایسے ادب سے مالا مال ہوجائے گی جو دنیا کے بہترین ادبون سے مقابلہ کر سکیگا اور اب بھی ہندوستان کی اور مروجہ زبانون مین اسکا کوئی مقابل نہین ہے -

اقسام ادب اُردو ادب دو بڑی قسموں پر منقسم ہوسکتا ہے (۱) مستقل تصانیف (۲) تراجم۔ ترجمے زیادہ تر زبان انگریزی فارسی عربی اور شاذونادر ہندی اور سنسکرت سے اور دیسی زبانوں مین بنگالی مرہٹی اور گجراتی سے بھی کئے جاتے ہین۔

تصانیف مستقل تصانیف نظم، نثر، ناول، ڈراما پر مشتمل ہین۔ نظم اُردو مختلف اقسام کی ہے اور نہایت ہی پُرلطف اور مزیدار ہے۔ اسمین پند و نصایح اخلاق حسن و عشق کے افسانے مرثیے حمد و نعت، بادشاہ وقت کی تعریف ہجو ظرافت، اور زمانہ حال کی نیچرل نظمین مختلف مضامین پر سب کچھ موجود ہین مشہور شعراے اُردو ماضی وحال میر، سودا، درد، ناسخ آتش ذوق، غالب، اسیر، داغ حالی اقبال حسرت واکبر کے نام نامی نہایت فخر کے ساتھ پیش کئے جاسکتے ہین جنکے کلام کے سمجھنے کے لئے ایک خاص ذوق سلیم اور مناسبت طبیعت کی ضرورت ہے۔ باتفصیل نظم اُردو کا بہترین انتخاب مولوی محمد الیاس برنی پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن نے ایک جدید اسلوب سے تین حصون مین کیا ہے، اور ہر حصہ (سٹ) کا علحدہ نام رکھا ہے یعنے (۱) معارف ملت (۲) جذبات فطرت (۳) مناظر قدرت۔ یہ تینون حصے یا سٹ بارہ جلدون پر مشتمل ہین۔ مولف نے ارادہ کیا ہے کہ انمین نظم اُردو کے صرف بہترین انتخابات پیش کئے جائین اور اس غرض سے اکثر شعرائے اُردو قدیم و جدید کا بہترین کلام باعتبار مضمون منتخب کیا ہے۔ بہرطور یہ ایک اعلےٰ درجہ کا مفید مجموعہ ہے اور کیا اچھا ہوگا اسمین وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہے۔ مشہور نثار و نمین مرزا رجب علی بیگ سرور۔ سرسید مولوی نذیر احمد مولانا شبلی۔ مولانا آزاد پروفیسر ذکاءاللہ۔ مولانا حالی کے نام گنائے جاسکتے ہین اور سرشار۔ شرر۔ مرزا رسوا۔ راشد الخیری اور پریم چند سے دنیائے افسانہ نویسی مین کون ایسا شخص ہے جو واقف نہو گا۔

تراجم ترجمے کے ذیل مین بھی زبان اُردو بہت مایہ دار ہے۔ دنیا کی اکثر مشہور مشہور کتابین نظم اور ڈراما کی اردو مین ترجمہ ہوگئی ہین۔ مثلاً ہومر کی الیاڈ، مہا بھارت، رامایین، شکنتلا، سنگھ دوت وکرم اروسی، رتو سنگھار، ملٹن کی پیراڈایز لاسٹ۔ ٹیگور کی گیتان جلی، چترا مالی اسیطرح شیکسپیر کے

اکثر ڈرامون سے اردو دان پبلک بذریعہ ترجمہ کے خوب واقف ہے۔ شیریڈن کے بعض ڈرامے
اور ڈیٹی گرٹے "لانگ فیلو" سودے "شیلی" بائرن "ورڈسورتھ" اور ٹینیسن کی بھی اکثر مشہور نظمون
نے اردو کا جامہ پہن لیا ہے۔ افسانون اور ناولون مین رینالڈس، اسکاٹ، میری کاریلی، اور کانن ڈائل
کی تصانیف کو لوگ بہت پسند کرتے ہین۔ بنکم چندر چٹرجی کے قریب قریب سب ناول و ٹیگور کے بھی
بہت سے قصے اردو مین آگئے ہین۔ ابھی تھوڑے عرصہ سے اسٹیونسن، رائیڈر ہیگرڈ، آسکر وائلڈ
برنارڈ شا، اور ایچ جی ویلس کو بھی لوگ پسند کرنے لگے ہین۔ نثارون مین مکالے، کارلائل، سمائیلس
اور لبک کی مشہور تصانیف ترجمہ ہوگئے ہین۔ فلسفہ اور نفسیات مین افلاطون و ارسطو کی اکثر کتابین، ایپکٹیٹس
کے اقوال، سینیکا کے فلسفیانہ خیالات، برکلے کے مکالمات، اسمتھ، بیکن، ہیوم، کینٹ، مل، اسپنسر، جیمس
اور اسٹاوٹ کی بھی بعض تصانیف اردو مین موجود ہین۔ تاریخ اور سوانح عمریون مین پلوٹارک کی مشہور
یونانیون اور رومیون کی سوانح عمریان، ایلن کی تاریخ یونان، بیری کی تاریخ یونان، ڈوزی کی اسپین اہل
اسلام کی حکومت مین، ڈالیس کی تاریخ روس، ایبٹ کی سوانح عمری نپولین بوناپارٹ، گرین کی تاریخ انگلستان
ونسنٹ اسمتھ کی تاریخ ہندوستان قدیم، الفنسٹن کی تاریخ ہندوستان، مالکم کی تاریخ ایران اور گبن کی
تاریخ زوال سلطنت روم، اور اسمتھ اور بھی مشہور مشہور کتابین اردو مین موجود ہین۔ سیاسیات اور
معاشیات مین حسب ذیل کتابین قابل ذکر ہین۔ ارسطو کی پالیٹکس، مل کا رسالہ لبرٹی اور پولیٹکل
اکانمی، فوسٹ کے قوانین دولت، مورلی کا میکیاولی، لارڈ کرزن کا پرشیا، مزینی کا فرائض انسان،
شوسٹر کا اختناق ایران، بنٹ کا مستقبل اسلام، اسمتھ، سیلی، ولسن، بانک، بیجوک، جیونس، مارشل
اور بارلیس کی بھی بعض بعض کتابین۔ سیاسیات کے علاوہ بعض فلسفیانہ تاریخین بھی ترجمہ ہوگئی ہین
مثلاً گیزو کی تاریخ تمدن، بکل کی تاریخ تمدن انگلستان، لیبان کی تمدن عرب اور تمدن ہند، لیکی کی
تاریخ اخلاق یورپ، ڈریپر کی تاریخ ارتقائے یورپ، دت کی تاریخ قدیم تمدن ہند۔ فلسفہ تعلیم مین بھی
اردو ساتذہ ذیل کی تصانیف سے ناواقف نہین ہے۔ اسپنسر، بین، فروبیل، اسٹالوزی،
ہربرٹ، مانٹی سوری۔ سائنس مین ڈریپر کی معرکہ مذہب و سائنس، اور ڈارون، ہیکل، ہکسلی، لائل

گیکی۔ ٹنڈل۔ بوس۔ کیلون میکسول۔ کروک۔ اور سر آلیور لاج کی جدید تحقیقاتین اردو مین آچکی ہین قانون اور طب کا ذکر بیکار ہے اسوجہ سے کہ اسکی اکثر کتابین بضرورت ترجمہ ہوگئی ہین۔

مذہبی لٹریچر

اہل عرب و فارس کا پورا اسلامی ادب اور سنسکرت و ہندی کا ایک معتد بہ حصہ ترجمہ ہوگیا ہے۔ مذہبی کتابون مین قرآن شریف۔ گیتا۔ پران۔ مہابھارت رامائن کے ایک نہین بلکہ متعدد ترجمے موجود ہین۔ اسیطرح اکابر دین مثلاً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسی علیہ السلام سری کرشن۔ سری رام چندر۔ گوتم بدھ گرو نانک اور کبیر کے بھی مفصل حالات زندگی۔ نیز مقتدایان دین اور بڑے بڑے اہل دل صوفی اور رشی اور حکما و شعرا اور نامی مورخین کے بھی حالات موجود ہین مثلاً جوگیون مین پتنجلی متصوفین مین مولانا روم اور حافظ اخلاق فلاسفہ مین غزالی اور سعدی شعرا مین فردوسی حکما مین بوعلی سینا۔ مورخین مین ابن خلکان اور فرشتہ وغیرہ۔

ادب اردو کے سرچشمے

بالفعل ایسے سرچشمے جن سے ادب اردو کا ہرا بھرا باغ سیراب ہو رہا ہے حسب ذیل ہین (۱) عثمانیہ یونیورسٹی جسمین دارالترجمہ قایم ہے (۲) انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن (۳) دار المصنفین اعظم گڈھ ان تینون جماعتون کے حالات اپنی اپنی جگہ پر لکھے جاچکے ہین اور یہان انکا اعادہ کی ضرورت نہین ہے۔ انکے علاوہ بہت سی چھوٹی چھوٹی انجمنین اور سوسائٹیان ادب اردو کی اشاعت و ترقی کیواسطے دلی لکھنؤ اور لاہور مین قایم ہین۔

ہندوستانی اکیڈمی قایم شدہ ۱۹۲۷ء

گورنمنٹ ممالک متحدہ نے صوبہ کی کونسل کی دلچسپیون سے مطمئن ہوکر اپنے صوبہ مین ایک ہندوستانی اکیڈمی قایم کی ہے تاکہ اردو ہندی ادب کو اکتخابان ترقی کرنے کا موقع مل سکے۔ اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اسی پر کاربند ہوکر اکیڈمی نے جو اغراض و مقاصد اپنے واسطے منضبط کیے ہین انمین سے بعض حسب ذیل ہین۔

(۱) خاص خاص مفید مضامین پر بہترین کتابون کے واسطے مقابلہ کے انعامات تجویز کرنا۔

(۲) اچھی اچھی اور فائدہ مند اردو ہندی کتابون کا ترجمہ اپنے تنخواہ دار مترجمون سے کرانا اور انکو اپنی طرف سے چھپوانا اور شایع کرنا۔

(۳) اُردو ہندی کی ترقی کی غرض سے عمدہ تصانیف اور تراجم کے واسطے ہندوستانی یونیورسٹیون اور ادبی انجمنون یا دیگر مستحق اور قابل اشخاص کو مالی امداد دینا۔

(۴) قابل قابل اہل قلم کو اکیڈمی کی فیلوشپ (اعزازی ممبری) کیواسطے منتخب کرنا۔

اکیڈمی کے موجودہ نظام مین ایک کونسل اور ایگزیکیٹو کمیٹی داخل ہین لیکن اصلی اختیارات فیلودن کے ہاتھہ مین رہینگے جن کا انتخاب کونسل سے ہوا کرے گا۔ کونسل مین بالفعل ایک پریسیڈنٹ چھ اکس افیشیو ممبر اور تیس معمولی ممبر شامل ہین (انہین جنرل سکرٹری داخل ہے) جنکو شروع مین گورنمنٹ نے نامزد کیا تھا۔ اور گورنمنٹ سے ابتدا مین مبلغ پچیس ہزار روپیہ بطور امداد کے اکیڈمی کو عنایت ہوا تھا۔ اور گورنمنٹ ہی نے سر تیج بہادر سپرو کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کو اکیڈمی کا پریسیڈنٹ اور ڈاکٹر تاراچند۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کو اسکا سکرٹری مقرر کیا تھا۔

اکیڈمی کا قیام سچ پوچھئے تو اُس عہد کے گورنر صوبہ مشہور اسکالر اور ناقد ہز اکسلنسی سر ولیم میرس کی خاص ادبی دلچسپی اور ہمدردی۔ اور ان کے روشن خیال جوان ہمت اور مرقع شناس وزیر تعلیم آنریبل رائے راجیشوربلی صاحب کی ان تھک کوششون اور چیف سیکرٹری اور منشی دیانراین صاحب نگم کی سعی بلیغ کا معقول نتیجہ ہے کہ یہ مبارک اسکیم انہین حضرات کی محنت و جانفشانی اور حقیقی دلچسپی کیوجہسے درجۂ تکمیل کو پہونچی۔ اور انہین کی آبیاری سے یہ تخم سرسبز ہوا۔ اکیڈمی اپنے وحید العصر خلیق و متواضع پریسیڈنٹ اور اپنے فاضل سکرٹری اور نیز اپنے قابل ممبرون کی کوششون اور گورنمنٹ صوبہ کی نظر عنایت سے ضرور ایک درخشان مستقبل اور ایک با رونق مطمح نظر اپنے سامنے رکھتی ہے۔

اردو کا رسم الخط

سنا ہے کہ اورنگ آباد اور حیدرآباد دکن مین اُردو کے رسم الخط کی درستی اور ترمیم کے واسطے بڑی کوششین ہو رہی ہین۔ اسی غرض سے اکثر کمیٹیان قایم ہوئی ہین جنہون نے اپنی تجاویز پبلک کے سامنے پیش کی ہین مگر سنا جاتا ہے کہ یہ جدید رسم الخط نو آموزون کیواسطے نہایت پیچیدہ و مشکل و پریشان کن ہے۔ اور اس سے غلط پڑھنے اور غلط لکھنے دونون کا قوی احتمال ہے۔ ممکن ہے کہ بعض اس قسم کے نقایص کے اظہار مین غلط بیانی یا غلط فہمی ہوئی ہو لیکن ضرور صحیح معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ طریقہ تحریر مین جو نقایص و دقتیں ہین اگر ماہرین فن کی توجہ ضرور مبذول ہوئی اور یقیناً اس قسم کی خرابیان کبھی نہ کبھی ضرور رفع ہو جائینگی۔

انڈکس حصۂ نظم

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

(نمبروں سے صفحے مراد ہیں)

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

(نمبروں سے صفحات مراد ہیں)

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبر درست صفحات درج ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

ہندسوں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

انڈکس حصۂ نثر

نمبر ... سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

نمبروں سے صفحات مراد ہیں

ہسٹری آف اُردو لٹریچر کی بابت بعض موقر اور معزز اصحاب کی قیمتی رائیں

(۱) ہز اکسلینسی سر ولیم میرس۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ گورنر ممالک متحدہ

"میں آپ کو آپ کے کامیاب کارنامے پر مبارکباد دیتا ہوں"

(۲) ہز ہائنس نواب سر سیّد محمد حامد علی خان بہادر جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ جی۔ سی۔ وی۔ او۔ فرمانروائے رامپور ممالک متّحدہ

"بڑی مسرت سے لکھا جاتا ہے کہ ہسٹری آف اُردو لٹریچر مصنفۂ مسٹر رام بابو سکسینہ ایک عمیق مطالعہ کا پتا دیتی ہے۔ اور اس قابل ہے کہ اوسکا شمار ملک کی بہترین اور اعلیٰ ترین تصانیف میں کیا جائے"

(۳) سر تیج بہادر سپرو کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔ ڈی

"قابل مصنف کی اس بارہ میں ضرور داد دینا پڑتی ہے کہ کیسے مسلسل اور مربوط طریقے سے اُنھوں نے زبان اور ادب اُردو کی ترقی اور نشو و نما کا حال قدیم زمانہ سے لیکر

زمانۂ حال تک کا کس عمدگی سے لکھا ہے .... وہ اپنی رائے قائم کرنے میں نہایت آزاد اور اپنے اظہار خیال میں بے خوف ہیں .... مختصر یہ کہ کتاب نہایت اعلیٰ درجے کی ہے" (ماخوذ از تقریظ جناب موصوف)

(۴) سر شیخ عبدالقادر بی۔اے۔ نائٹ ریونیو ممبر گورنمنٹ پنجاب لاہور

"نہایت اعلےٰ درجہ کی کتاب ہے"

(۵) سر شیخ محمد اقبال نائٹ۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایم۔ ایل سی۔ لاہور

"آپ نے اس کتاب کے لکھنے میں یقیناً بڑی محنت کی ہے جو اس طرح بار آور ہوئی کہ تاریخ ادب اُردو میں ایک بہترین کتاب کا اضافہ ہوگیا"

(۶) ڈاکٹر ٹی گریہم بیلی۔ ڈی لٹ۔ آئی۔ سی۔ ایس۔ ڈائرکٹر آف اسکول آف اورنٹیل اسٹڈیز لندن۔

"میں نے پوری کتاب پڑھی اور بہت لطف اُٹھایا آپ نے کثیر معلومات کو عجیب و غریب طریقہ سے ایک جگہ جمع کردیا میں آپ کو اس تصنیف پر دلی مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ کی کتاب نہایت قابل قدر نہایت صحیح اور نہایت دلچسپ ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ انگلستان آکر پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری حاصل کرنے کی ضرور کوشش کرینگے۔ اور اس میں شک نہیں کہ آپ اسکے

بقیہ صفحہ ۲۱۳ پر]

(۷) ڈاکٹر سید محمد سلیمان ایکٹنگ چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ

"کتاب نہایت قابل قدر اور دلچسپ ہے"

(۸) مسٹر ای ۔ الیف ۔ اوپن ہیم آئی ۔ سی ۔ ایس کمشنر بنارس

"میں نے آپ کی کتاب جسقدر پڑھی مجھکو نہایت دلچسپ معلوم ہوئی ۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے اس مضمون کا نہایت عمیق مطالعہ کیا ہوگا ۔ اور ایک خاص قسم کی ریسرچ میں جو بہت مشکل ہے بہت وقت صرف کیا ہوگا کتاب نہایت دلچسپ دل افروز ہے ۔ جسکی میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں میرے نزدیک ہر شخص جسکو ادب اردو سے لگاؤ ہے اسکی بڑی قدر کریگا"

(۹) مسٹر اے مکنزی سی ۔ آئی ۔ ای ۔ آئی ۔ ای ۔ ایس ۔

ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم ممالک متحدہ

"میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے کس عمدہ طریقہ سے ادب اردو کی نشو ونما اور ترقی کا حال لکھا ہے ۔ آپ کی کتاب فی الحقیقت ایک اصلی ضرورت پوری کرتی ہے اور وہ ضرور اس قابل ہے کہ اسکو ہر اسکول اور لائبریری میں جگہ ملے"

(۱۰) ڈاکٹر تاراچند ایم ۔ اے ۔ ڈاکٹر آف فلاسفی (کنٹیب)

الہ آباد یونیورسٹی

"آپ کی ہسٹری آف اُردو لٹریچر ایک ایسی کتاب ہے جس سے آپ کے عمیق مطالعہ حد درجہ کی کاوش ۔ اور علمی قابلیت کا پتہ چلتا ہے ۔ اس قسم کی کوئی کتاب ابتک

انگریزی میں تصنیف نہیں ہوئی۔ میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ نے اردو
شعراء اور نثاروں کے متعلق معلومات جمع کرنے میں بہت کامیابی حاصل کی
اور نیز ان کے متعلق جو رائیں قائم کی ہیں وہ بہت منصفانہ ہیں۔ ایسی کتاب زمانہ
حال کے لئے بہت ضروری تھی اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ صاحبان تنقید سے
خراج تحسین ضرور حاصل کرے گی جس کی وہ پوری طرح مستحق ہے"

(۱۱) مسٹر جے۔ سی۔ ایو الڈ فالس مصنف بدر البدر وغیرہ جرمنی

"میں نے آپ کی عجیب و غریب کتاب ہسٹری آف اردو لٹریچر کا غور سے مطالعہ کیا
اللہ اب اسکو زبان جرمن میں ترجمہ کا ارادہ رکھتا ہوں۔ مہربانی کرکے اسکی اجازت
عنایت فرمائیے"

(۱۲) لالہ سری رام ایم۔ اے۔ مصنف خمخانۂ جاوید

"اس مضمون پر یہ پہلی کتاب ہے۔ آپ ایسے قابل اور مشہور آدمی کے قلم سے
اسکا نکلنا ہی اسکی عمدگی کی بیّن دلیل ہے۔ میرے نزدیک اسکا طرز عبارت
نہایت عمدہ ہے اور اسکے علاوہ اس میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ آپ کی تنقیدیں
بہت مکمل اور منصفانہ اور آپ کی رائیں نہایت صائب ہوتی ہیں"

(۱۳) منشی پریم چند بی۔ اے۔ لکھنؤ

"ہسٹری آف اردو لٹریچر مصنفہ مسٹر رام بابو سکسینہ ام۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔
ایک ایسی کتاب ہے جس پر جس قدر فخر و ناز کیا جائے بجا ہے۔ اسکے مضامین کی
ترتیب اسکی تنقیدیں اس کی تحقیق و تلاش اور سب سے بڑھکر اسکی سلیس عبارت

نہایت عمدہ ہے۔ اس قسم کی بعض کتابیں اُردو میں پہلے سے موجود ہیں مگر اُن میں اکثر ایک رُخی ہیں۔ مصنفین اکثر تعریف و تحسین یا مذمت و عیب جوئی کے انبار لگا دیتے ہیں جن کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی۔ مسٹر سکسینہ برخلاف اسکے کسی خاص اسکول کے مؤید اور کسی خاص شاعر کے طرفدار نہیں ان کی رائیں غیر جانبدارانہ جچی تلی اور بے لاگ ہوتی ہیں۔ بلکہ اگر سچ پوچھیے تو یہی صاف گوئی اس کتاب کا بہت بڑا جوہر ہے مصنف نے اسکو انگریزی میں لکھکر فی الحقیقت اُردو پر بہت بڑا احسان کیا اسکا اردو ترجمہ بالفعل تیار ہو رہا ہے اور جب شائع ہوگا تو ادب اردو میں ایک قابل قدر اضافہ ہوگا"

(۱۴) سید سجاد حیدر بی۔ اے۔ رجسٹرار مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

"مجھکو حیرت ہے کہ آپ نے کتنی عظیم الشان محنت اسکی تیاری میں کی ہوگی یہ یقیناً اس مضمون پر بہترین کتاب ہے"

(۱۵) منشی دیا نرائن نگم۔ ایڈیٹر "زمانہ" کانپور

"میں آپ کو اس تصنیف پر مبارکباد دیتا ہوں۔ یہ فی الحقیقت اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے اور آپ کا فخر و ناز اسپر بالکل بجا ہے جسطریقہ سے آپ نے اپنے اس منتخب کردہ کام کو انجام دیا میں اسکی دل سے قدر کرتا ہوں"

(۱۶) آنریبل راجہ اودھ نراین بسریا۔ اگزیکیٹو کونسلر ریاست بھوپال

"آپ کی اس متفرد تصنیف پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں"

(۱۷) مسٹر حامد اللہ افسر بی۔ اے۔ لکھنؤ

"نہایت پر مغز اور عالمانہ تصنیف ہے مضمون کتاب مصنف کی وسیع النظری کا پتہ دیتا ہے اسٹایل نہایت اعلےٰ درجہ کی ہے"

(۱۸) مسٹر جمیل احمد قدوائی بی۔ اے۔ علیگڈہ

"میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ بڑی کامیابی سے آپ نے یہ کتاب تصنیف کی"

(۱۹) مرزا احسان احمد بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی۔ اعظم گڈہ

"کتاب نہایت عمدہ ہے۔ بلکہ اکثر اپنی نوع کی کتابوں سے بہتر ہے نہایت قابل قدر تصنیف اور ادب اُردو کے لیے بہترین سرمایہ ہے"

(۲۰) مولوی عبدالحق بی۔ اے۔ ایڈیٹر اردو و اورنگ آباد دکن

"اس کتاب میں فاضل مصنف نے ادب اردو کے نشو و نما کی تاریخ شروع سے لیکر زمانۂ حال تک کی نہایت شرح و بسط سے لکھی ہے اور ادب کی کوئی شاخ باقی نہیں رکھی جس پر کافی بحث کر کے مکمل روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ مضمون پر بڑی قدرت معلوم ہوتی ہے۔ اور عبارت نہایت سلیس ہے بلکہ اکثر جگہ نہایت فصیح پر جوش اور مؤثر ہو گئی ہے۔ مصنف صاحب کو ان تمام کتب اور رسائل پر جو اس مضمون پر نکل چکے ہیں کافی عبور معلوم ہوتا ہے جسقدر کہ ادب اردو پر لکھا جا چکا ہے اس میں وہ سب کچھ موجود ہے۔ اور یہ تمام اصناف ادب پر حاوی ہے۔ لائق مصنف نے نہایت ناقدانہ اور عالمانہ طریق پر جس مصنف مترجم ناثر شاعر پر

بحث کی ہے اُسکے تمام محاسن و معائب کو پوری طرح دکھایا ہے نہایت قابل تحسین طریقہ سے اُس دور اور اُس سوسائٹی کا بھی حال لکھا ہے کہ جس میں وہ شخص تھا اور نیز یہ کہ کن کن اثرات سے اسکی تصنیف متاثر ہوئی۔ انھیں وجوہ سے یہ کتاب نہایت مفید اور قابل قدر ہے۔ اسکی عبارت بھی نہایت شستہ ہے اور فاضل مصنف نے نہایت عمدگی سے ثابت کر دیا کہ زبان اور ادب اردو ہندو مسلم اتحاد کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اسکو واقعات کا ایک خزانہ سمجھنا چاہیے کیونکہ کوئی شخص عام اس سے کہ وہ زمانہ گزشتہ کا ہو یا زمانۂ حال کا اور نظم نثر یا ڈراما سے اُس کا تعلق ہو اس کتاب میں اُسکا ذکر فروگذاشت نہیں ہوا پس اسکی جسقدر تعریف و تحسین کیجائے کم ہے"

مذکورۂ بالا رایوں کے علاوہ ذیل کے اخبارات و رسائل نے بھی نہایت عمدہ اور قیمتی رائیں اس کتاب کی نسبت ظاہر کی ہیں!"

(۱) ادبی ضمیمہ ٹائمز لندن۔

(۲) مسلم ریویو کلکتہ۔

(۳) لیڈر۔ آلہ آباد

(۴) اردو اورنگ آباد دکن۔

(۵) زمانہ کانپور۔

(۶) شمع آگرہ۔

(۷) الناظر لکھنؤ۔

(۸) جام جمشید بمبئی وغیرہ۔

تاریخ ادب اردو (مصوّر)

(یعنی)

ہسٹری آف اردو لٹریچر

مصنّفہ

عالی جناب رام بابو صاحب سکسینہ۔ ایم۔ اے ایل ایل
بی۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے (لندن) ایم۔ آر۔ اے۔ ایس ایم۔ اے
ایس۔ بی۔ ممبر ہندوستانی اکیڈمی یوپی۔ ڈپٹی کلکٹر۔
مصنّف اردو شعرائے زمانہ حال و اوراق پریشان

مترجمہ

جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے سابق ہیڈ ٹرانسلیٹر گورنمنٹ آف انڈیا

باہتمام کیسر داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ

مطبع منشی نولکشور واقع لکھنؤ میں طبع ہو کر شائع ہوئی